غزالی نامہ

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے حالات وسوانح، علم ودانش، عرفان وتصوف،
کمالات وفضائل اور عہد وعصر کی مکمل ترین جامع ومانع اور مستند تاریخ

تصنیف: جلال ہمائی
ترجمہ: رئیس احمد جعفری

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
کشمیری بازار لاہور — نذیر باغ پشاور — ہسپتال روڈ حیدر آباد — بندر روڈ کراچی — اردو بازار لاہور

غزالی نامہ

تصنیف

جلال ہمائی

ترجمہ

سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز، پبلشرز

کشمیری بازار ۔ لاہور ۔ قصہ خوانی بازار ۔ پشاور ۔ ہسپتال روڈ ۔ حیدرآباد ۔ بندر روڈ ۔ کراچی ۔ اردو بازار ۔ لاہور

غزالی نامہ

شرح حال و آثار و عقائد و افکار

امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی

متولد ـــــ ۴۵۰ ھ

متوفی ـــــ ۵۰۵ ھ

(جملہ حقوق محفوظ)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۲۰

طبع اوّل

اگست سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے
چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا۔

قیمت

روپے

انتسابؒ :

اپنے مخصوص کرم فرما

ڈاکٹر اشتیاق حسینؓ قریشی

کے نام

تقدیم

فارسی زبان میں بڑی اچھی اچھی، دیدہ زیب اور فکر آفریں کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں اگر ایک طرف، کاغذ، طباعت اور ٹائپ کے اعتبار سے نظر افروز ہیں تو دوسری جانب اپنے مغز و مفہوم جامعیت، اور معلومات و مواد کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہیں ـــــ ایسی کتابوں میں غزالی نامہ بھی ہے۔

یہ مختصر سی کتاب ہے، لیکن اگر میں یہ کہوں کہ مصنف نے دریا کوزہ میں بند کر دیا ہے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ اختصار کے باوجود اتنی جامع و مانع اور مافل و دل ہے کہ اگر اسے اپنے موضوع کی انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو حقیقت اور واقعہ کا اظہار ہوگا۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی ترجمہ کا فیصلہ کر لیا تھا اور اور اب وہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

بدقسمتی سے اس کتاب میں کئی رکاوٹیں پیش آئیں، سب سے بڑی اس بدعہد کاتب کی طرف سے پیش آئی جس کے نام کی "توضیح" میں مناسب نہیں سمجھتا، جیسے "شمع" سے علیحدہ کیے جانے کے بعد ترس کھا کر میں نے کام دینا شروع کیا تھا اور جیسے میں نے اپنی ذمہ داری پر ایک دوست سے کہہ کر مکان بھی کرایہ پر دلوایا اور اپنے پاس سے روپے بھی قرض جب جب اس نے مانگے اپنی ضرورتیں روک کر دیئے، لیکن ایک روز، ایک بڑی رقم لے کر دفعتہً وہ فرار ہو گیا۔ پندرہ دن کے بعد پتہ چلا کہ وہ مغربی پاکستان کے ایک دوردست علاقہ میں پہنچ گیا ہے۔ مختلف وسائل بروئے کار لا کر، اس سے مسودہ حاصل کیا جو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، مسودہ جو ملا، وہ ناقص اور نامکمل، بہرحال۔ یہ کڑیاں عرصہ تک جھیلنا پڑیں، تب جا کر یہ کتاب آج آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

امید ہے غزالیؒ کی ذات اور ان کے علم و فضل سے دلچسپی رکھنے والے اس متاع گراں مایہ سے پورا فائدہ اٹھائیں گے ۔ اردو زبان میں غزالی پر علامہ شبلی مغفور ایک بلند پایہ کتاب لکھ چکے ہیں، بعض دوسرے اہل قلم بھی اس موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھ چکے ہیں ۔ مقالات و مضامین تو بہت بڑی تعداد میں لکھے جا چکے ہیں ۔ خود غزالیؒ کے مؤلفات و مصنفات کو بھی کسی نہ کسی حد تک اردو میں منتقل کیا جا چکا ہے ۔

لیکن غزالی نامہ اپنی نوعیت و اہمیت کے اعتبار سے بالکل یکتا اور منفرد ہے —— ہر اعتبار سے زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اور مغز و معنیٰ کے اعتبار سے بھی، اور ترتیب و تبویب کے اعتبار سے بھی، یہ خصوصیت کسی اور کتاب میں ہرگز نہیں ملے گی ۔

سید رئیس احمد جعفری ندوی،
۸۹ ۔ ٹیگور پارک لاہور

فہرس

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
تقدیم	۷	رواج و شیوع	۴۰
پیش لفظ	۱۴	مستنصر اور حسن بن صباح	۴۳
تعلیقات	۲۴	حسن بن صباح کے حیرت انگیز کارنامے	۴۳
عصرِ غزالی کے اوضاع علمی و اجتماع		تعلیقات	۴۴
سلاجقۂ بزرگ ایران	۲۶	عہد غزالی اور محاربات صلیبی	۵۸
طغرل	۲۶	تعلیقات	۵۹
الپ ارسلان	۲۷	عہد غزالی کے اختلافات مذہبی	۶۰
ملک شاہ	۲۷	تعلیقات	۶۲
برکیارق	۲۸	جامع ازہر مصر اور نظامیہ بغداد	۶۳
سلطان سنجر	۲۹	جامع ازہر	۶۳
عصر سلاجقہ کے مفاخر	۳۰	اسماعیلیوں کے خلاف شیعہ سنی اتحاد	۶۴
تعلیقات	۳۱	ابو النصر بن احمد ابو القاسم قشیری	۶۴
مختصات عصر غزالی	۳۳	عبد الملک کندری کا فتنہ	۶۵
تعلیقات	۳۵	فرقہ کرامیہ	۶۵
عہد غزالی میں دعوت باطنیہ کا		تعلیقات	۶۶

عنوانات	صفحہ نمبر
فلسفہ و دین	۷۰
معتزلہ اور فن کلام	۷۴
ابو حذیفہ اور عمرو بن عبید	۷۴
اکابر معتزلہ	۷۴
فرقہ معتزلہ کے دوسرے نام	۷۴
فرقہ قدریہ	۷۵
فرقہ جہمیہ	۷۵
معتزلہ اور قدریہ جبریہ میں مشابہت	۷۶
واصل بن عطا اور جہم کا مباحثہ	۷۶
تعلیقات	۷۶
اشاعرہ اور معتزلہ کے اعتقادات	۸۲
افعال و خیر و شر کی ذمہ داری	۸۲
عمل نہیں صرف اعتقاد کافی ہے۔	۸۲
علم خداوندی کی حقیقت	۸۲
حسن و قبح اشیا کی حقیقت	۸۲
خدا کس طرح دیکھتا ہے۔	۸۳
گناہ کبیرہ کے مرتکب کی حیثیت	۸۳
کلام اللہ حادث ہے یا قدیم	۸۳
اعجاز قرآن کی ماہیت	۸۳
مسئلہ اعادہ معدوم	۸۳
خلود فی النار کے مسئلہ پر اختلاف	۸۴
موجود و معدوم کے درمیان حال کا واسطہ	۸۴
خدا کو جزئیات کا علم ہے کہ نہیں	۸۴
ایمان و طاعت اور کفر و معصیت	۸۵
تعلیقات	۸۶
تبلیغات معتزلہ	۸۸
تبلیغی انجمنیں اور مبلغین	۸۸
خلیفہ مامون اور معتصم کی سرپرستی	۸۹
تعلیقات	۸۹
شیعہ و معتزلہ اور مرجیہ و خوارج	۹۰
فرقہ خوارج	۹۰
فرقہ مرجیہ	۹۰
مرجیہ امویوں اور عباسیوں کے عہد میں	۹۱
مرجیہ اور خوارج میں فرق	۹۱
مرجیہ کے نئے فرقے	۹۱
تعلیقات	۹۲
اسلام کے عہد اول میں فکری اختلافات	۹۴
تعلیقات	۹۵
اصول و عقائد میں شیعہ و معتزلہ کا اتفاق	۹۷
تعلیقات	۹۷
عہد غزالی میں مسلک اشعری کا رواج	۱۰۰
دو دھاری تلوار	۱۰۰
روح انتقاد و استدلال	۱۰۰
روح انتقاد اور اسلام	۱۰۱

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
عہد عباسی میں معتزلہ کا عروج	۱۰۲	ایرانی فلسفے کے اثرات
مامون کا اعتزال میں غلو	۱۰۲	فلسفہ خسروانی کی جستجو
معتصم مامون کے نقشِ قدم پر	۱۰۳	شیعہ وسنی تصوف
معتزلہ پر بدبختی اور تباہ روزگاری کا دور	۱۰۳	زاہد، عابد اور عارف
غزالی اور اشعریت و شافعیت	۱۰۴	دانشوران ایران اور تصوف
شیعہ اور معتزلہ کا توافق	۱۰۵	چوتھی صدی ہجری کا تصوف
تشیع اور اعتزال کے حدود	۱۰۵	تصوف پانچویں صدی ہجری میں
تعلیقات	۱۰۵	علما اور صوفی
رسائل اخوان الصفا	۱۰۷	تصوف اور رجال صوفیہ
انجمن اخوان الصفا کی تشکیل	۱۰۷	غزالی تصوف کے کوچہ میں
اخوان الصفا کی مہارت علوم و فنون	۱۰۷	غزالی اور منزل سیر و سلوک
گمنام مؤلفات، رسائل اخوان الصفا	۱۰۸	چھٹی صدی کے میوہ ہائے شیریں
رسائل اخوان الصفا اندلس میں	۱۰۸	تصوف کے خوب اور شیریں ترمیوے
مولفین رسائل اخوان الصفا کے نام کی بحث	۱۰۹	تصوف کے ثمار پختہ و نیم رس
تعلیقات	۱۱۰	عہد زوال اور انحطاط
فلسفہ عصر غزالی میں	۱۱۱	تصوف کا آغاز و انجام
تعلیقات	۱۱۵	اعمال صوفیہ اور ان کی قسمیں
تصوف عہد غزالی میں	۱۱۶	متشرع اور صوفی
تصوف پر تجلیات روح ایرانی کا اثر	۱۱۶	پایان کلام: تین نکتے۔
لفظ صوفی کا اشتقاق۔	۱۱۶	نکتہ اوّل
تصوف کا آغاز اور ابتدائی دور	۱۱۷	نکتہ دوم،
پہلا صوفی اور پہلی کتاب تصوف	۱۱۷	نکتہ سوم، (تعلیقات)

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
لقب حجۃ الاسلام	۱۳۲	شرف الدین ہارون جوینی	۱۵۴
عہد غزالی کے مذاہب	۱۳۲	ابن بطوطہ مدرسہ نظامیہ میں	۱۵۴
غزالی اور فردوسی کا موازنہ	۱۳۳	مدرسہ نظامیہ خوارزم	۱۵۴
غزالی پانچویں صدی کے مجدد تھے	۱۳۳	تعلیقات	۱۵۵
غزالی کے تفصیلات علمی، خاندان،		مدرسان نظامیہ بغداد	۱۶۲
ونام ونسب	۱۳۶	از آغاز قیام ۴۵۹ھ تا غزالی ۴۸۴ھ، ۴۸۸ھ	۱۶۲
تعلیقات	۱۳۷	تعلیقات	۱۶۲
غزالی کا تحوّل روحانی	۱۳۹	غزالی کا عہد مسافرت وریاضت	۱۶۷
تعلیقات		از ۴۸۸ھ تا ۴۹۸ھ	۱۶۷
حیاتِ غزالی کا پہلا دور از ۴۵۰ھ تا		تعلیقات	۱۶۸
۴۸۴ھ	۱۴۳	غزالی دمشق میں	۱۶۹
تعلیقات	۱۴۶	تعلیقات	۱۷۰
حیاتِ غزالی کا تیسرا دور از ۴۸۴ھ تا		غزالی بیت المقدس میں	
۴۸۸ھ	۱۴۷	تعلیقات	۱۷۳
تعلیقات	۱۴۷	غزالی مہد عیسیٰ میں	۱۷۶
مدارس نظامیہ	۱۴۸	تعلیقات	۱۷۶
تعلیقات	۱۴۹	حجاز سے طوس میں غزالی کی مراجعت	۱۷۷
نظامیہ اصفہان اور خالو زادہ خجندی		تعلیقات	۱۷۸
تعلیقات	۱۵۰	غزالی بزرگ ترین مجاہد حقیقت اسلام	۱۷۹
نظامیہ نیشاپور	۱۵۲	تعلیقات	۱۸۲
نظامیہ بغداد	۱۵۳	غزالی کے عہد مسافرت کے بارے	
عطا ملک جوینی	۱۵۴	میں چند اقوال۔	۱۸۴

عنوانات	صفحہ نمبر
تعلیقات	۱۹۱
حیات غزالی کے آٹھ سال ۴۹۸ھ سے ۵۰۵ھ تک	۱۹۲
تعلیقات	۱۹۲
نیا دور تدریس، مدرس نظامیہ نیشاپور میں	۱۹۳
تعلیقات	۱۹۴
غزالی پر علمائے ظاہر کی یورش	۱۹۵
تعلیقات	۱۹۶
غزالی سے ایک استفسار اور اس کا جواب	۱۹۸
تعلیقات	۱۹۹
سرگزشت غزالی بقلم صاحب فضائل الانام	۲۰۳
تعلیقات	۲۰۵
نوشتہ غزالی دربارۂ نصیحت الملوک	۲۰۶
تعلیقات	۲۰۸
نظامیہ نیشاپور سے استعفاء	۲۱۰
۵۰۰ھ کے واقعات	۲۱۱
تعلیقات	۲۱۱
سلطان سنجر کی خدمت میں نامۂ غزالی	۲۱۲
غزالی تدریس نظامیہ نیشاپور سے فراغت کے بعد	۲۱۴
تدریس مدرسہ نظامیہ بغداد پر دوبارہ تقرر	۲۱۶

عنوانات	صفحہ نمبر
تعلیقات	۲۱۸
وفات و مدفن غزالی	۲۱۹
تعلیقات	۲۲۰
پسماندگان و متعلمین غزالی	۲۲۱
تعلیقات	۲۲۲
لفظ غزالی کی تحقیق	۲۲۳
تعلیقات	۲۲۶
غزالی کا ادبی مقام و شیوۂ انشاء	۲۲۷
نثر عربی کی خصوصیات	۲۲۹
غزالی کی نثر فارسی	۲۲۹
تعلیقات	۲۳۰
اشعار غزالی	۲۳۲
غزالی تخلص کے چند شعراء	۲۳۴
تعلیقات	۲۳۴
مکاتیب غزالی	۲۳۶
تعلیقات	۲۳۹
تالیفات غزالی	۲۴۰
احیاء علوم الدین	۲۴۱
تعلیقات	۲۵۱
غزالی کی طرف منسوب	۲۵۳
بعض دوسری کتابوں کی تفصیل	۲۵۳

عنوانات	صفحہ نمبر
تعلیقات	۲۵۵
استادان غزالی و مشائخ غزالی	۲۵۶
ابوحامد احمد بن محمد رادکانی طوسی	۲۵۶
ابونصر اسماعیلی جرجانی	۲۵۶
امام الحرمین ابوالمعالی جوینی	۲۵۶
حافظ ابوالفتیان	۲۵۸
ابوسہل حفصی مروزی	۲۵۸
نصر بن ابراہیم مقدسی	۲۵۸
محمد بن یحییٰ بن محمد شبانی زوزنی	۲۵۸
ابومحمد عبداللہ بن محمد بن احمد خواری	۲۵۹
ابوبکر نساج	۲۵۹
شاگردان غزالی	۲۶۰
خاقانی کا مرثیہ	۲۶۰
امام محمد الدین محمد بن یحییٰ ابن ابی منصور	۲۶۱
امام ابوالفتح محمد فضل مارشکی	۲۶۲
ابومنصور محمد اسد طوس	۲۶۲
ابن برہان فقیہ	۲۶۲
تاریخ الاسلام دین خمیس	۲۶۲
ابومحمد انصاری	۲۶۲
مردان طنزی	۲۶۳
استاد ابوطالب رازی	۲۶۳
ابوالفتح باقرحی	۲۶۳
ابن عربی معافری	۲۶۳
ابوسعد نوقانی	۲۶۳
قاضی ابونصر	۲۶۳
محمد بن تومرت	۲۶۳
ابوحامد اسفرائنی	۲۶۳
ابوسعید	۲۶۴
ابراہیم بن محمد غنوی	۲۶۴
ابوعبداللہ	۲۶۴
خلف بن احمد نیشاپوری	۲۶۴
ابوالحسن سعد الخیر بن محمد بن سہل انصاری اندلسی	۲۶۴
ابومنصور سعید بن محمد رزاز	۲۶۴
ابوالحسن علی بن محمد	۲۶۵
امام احمد غزالی	۲۶۵
برادر خورد امام محمد غزالی	۲۶۶
گوشہ نشینی سے رغبت صوفیا سے دلچسپی	۲۶۶
بڑے بھائی کی نیابت	۲۶۸
احیاء العلوم کی تلخیص احمد کی طرف سے	۲۶۸
طبقات الشافعیہ	۲۶۸
دور غزالی	۲۶۹
ابوحامد غزالی بزرگ	۲۶۹
تعلیقات	۲۷۰
معاصران غزالی	۲۷۱

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
ابوطاہر ابراہیم بن مطہر شباک جرجانی	۲۷۲	غزالی کے بعض دشمن اور مخالف ہم عصر	۲۸۹
تعلیقات	۲۷۳	معاصران غزالی از حکما و مشائخ و صوفیہ	۲۹۱
غزالی کے ہمدرسان معروف	۲۷۴	عہد غزالی کے عباسی خلفاء	۳۰۰
شمس الاسلام عماد الدین	۲۷۴	عصر غزالی کے فاطمی خلفاء	۳۰۱
امام ابوالمظفر احمد بن محمد خوانی	۲۷۴	عہد غزالی کے سلاطین غزنوی	۳۰۲
عبدالجبار بن محمد بن احمد خواری	۲۷۵	عہد غزالی کے ملوک خانیۂ ماوراء النہر	۳۰۳
ابونصر سراج	۲۷۵	عہد غزالی کے سلاجقۂ کرمان	۳۰۴
استاد ابونصر	۲۷۵	غزالی کے ہم عصر فارسی شعراء	۳۰۵
ابوالمظفر ابیوردی	۲۷۶	غزالی کے ہم عصر سلاطین، وزراء، درباری	۳۰۵
المحسن محمد بن حاتم طوسی	۲۷۶	عہد غزالی کے وزراء و درباریان معروف سلاجقہ	۳۰۵
ابوالفتح حداد	۲۷۶	عہد غزالی کے وزرائے سلطان محمد بن ملک	۳۰۸
محمد بن فضل فرادی	۲۷۶	شاہ سلجوقی۔	
ابوسعد	۲۷۶	روش فکر و فلسفہ غزالی	۳۱۰
ابوالقاسم سلمان بن ناصر انصاری	۲۷۶	گفتار اول سفسطہ، انکار علوم اور شک و شبہ	۳۱۵
ابوالفضل سرخسی	۲۷۶	اقسام جویندگان حقیقت	۳۱۷
امام ابوالغافر فارسی	۲۷۶	متکلمین	۳۱۸
ابونصر ارغیانی	۲۷۷	فلسفہ	۳۱۹
ابوالفتح سہل	۲۷۷	مذہب تعلیمیہ یا باطنیہ	۳۲۱
غزالی کے استاد بھائی	۲۷۸	طریقہ صوفیہ	۳۲۱
زمخشری اور غزالی	۲۸۱	ترک علائق کے بعد	۳۲۷
غزالی اور سید مرتضیٰ علوی	۲۸۳	غزالی کے عقائد و آراء اور دین و آئین پر	۳۲۹
معاصرین غزالی	۲۸۵	ایک نظر۔	۳۲۹

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
وجد وسماع لعقیدۂ غزالی	۳۳۳	غزالی کے جرائم	۳۵۱
غزالی اور تعلیم وتربیت	۳۳۵	غزالی اور شیعہ	۳۵۱
تصوف غزالی	۳۳۷	غزالی اور حدیث	۳۵۲
غزالی اور فلسفہ	۳۳۹	غزالی اور وجد وسماع	۳۵۳
فلسفہ الٰہیات کے بیس مسائل جن کا امام غزالی نے ابطال کیا۔	۳۴۱	غزالی اور حلاج وبایزید	۳۵۳
	۳۴۱	غزالی اور منطق	۳۵۳
فلسفہ کے بیس باطل مسئلے	۳۴۱	غزالی اور عربی زبان	۳۵۴
فلسفہ کے موجب کفر مسائل ثلثہ	۳۴۲	غزالی اور عوام	۳۵۴
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۳۴۲	تعدد واجب الوجود اور غزالی	۳۵۴
تہافت الفلاسفہ اور نوشتہ شہرزوری	۳۴۴	دور ابتلاء ومحن۔ تالیفات غزالی نذر آتش	۳۶۰
کیا غزالی کے خیالات یحییٰ النحوی سے ماخوذ ہیں	۳۴۴	پیروان غزالی ہلاک وکشتہ	
تہافت الفلاسفہ اور مؤلفات یحییٰ نحوی	۳۴۵	بادشاہ مراکش واندلس کا تعصب	۳۶۰
غزالی اور ابن رشد	۳۴۶	ابوعبداللہ کا ایک خواب	۳۶۰
مناہج الادلہ کی ایک جماعت	۳۴۶	قاضی عبدالحق کا فتویٰ	۳۶۱
غزالی پر ابن رشد کے رکیک حملے	۳۴۶	یافعی کا بیان۔	۳۶۱
ابن طفیل اور غزالی	۳۴۸	تعلیقات	۳۶۱
اسرار الحکمۃ المشرقیہ کی عبارت	۳۴۸	کرامات غزالی کی داستان	۳۶۲
ابن ماجہ اور غزالی	۳۴۸	ایک ہولناک خواب	۳۶۲
تعلیقات	۳۴۹	امام غزالی پر طرطوشی، مازری اور ابن صلح کے اعتراضات	۳۶۶
ابن جوزی، ابن تیمیہ اور غزالی	۳۵۰		
موارد اعتراض بر غزالی	۳۵۱	غزالی کا سب سے بڑا مخالف	۳۷۴
غزالی ہدف طنز وتعریض کیوں بنے؟	۳۵۱	تعلیقات	۳۷۴

پیش لفظ

دنیا کے بڑے لوگ عام آدمیوں کی طرح نہیں ہوتے، ہر شخص اپنے طور پر انہیں سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے لیکن ان کے مقامات باطن اور احوال پنہاں سے واقف نہیں ہوتا، اکابر رجال کی معرفت اور ان کے احوال مقامات سے شناسائی کامل صرف اسی شخص کو میسر آسکتی ہے جو ژرف نگاہی سے ان کا مطالعہ کرے، اور ان کے باطن کا ہمراز ہو،

رو قیامت شو، قیامت را بہ بیں،!
دیدن ہر چیز را شرط است ایں،!

میرا مقصود ایسے باریک اور نازک علمی نکات کو چھیڑنا نہیں ہے۔ جو عام لوگوں کی فہم و ادراک سے بالاتر ہوں بلکہ ایک ایسے اصول کو پیش نگاہ رکھنا چاہتا ہوں کہ عالم وجدان و تعقل سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اسے تسلیم کرتا اور مانتا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ جب اسے بروئے کار لانے کا موقع آتا ہے، تو اس سے غافل اور بے پروا ہو جاتا ہے۔

ہر شخص اس حقیقت سے آشنا ہے کہ جو شخص فلسفہ کا عرفان نہ رکھتا ہو، اور علوم فلسفہ سے واقف نہ ہو وہ کسی طرح بھی اکابر فلاسفہ کے مقام اور رتبہ کو نہ جان سکتا ہے، اور نہ پہچان سکتا ہے،

جو شخص علوم ریاضی اور علوم طبعی سے سروکار نہ رکھتا ہو، کیونکہ ان علوم کے ماہروں اور فنکاروں کی صحیح حیثیت سے آشنا ہو سکتا ہے جو خود بے بہرہ ہو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا خاک کر سکے گا!

یہ اصول صرف علوم و فنون کی دنیا میں کارفرما نہیں ہے بلکہ امور وجدانی و حالی میں بھی جاری و ساری ہے جس کی زندگی سوز و غم سے خالی ہو، جو فریاد و فغان، اور نالہ و شیون سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو، وہ کسی

دکھے دل کی آہ دردناک سے کیا باخبر ہو سکے گا؟ جس کی شب براحت بستر آسائش پر بسر ہوتی ہو، اور جو جامۂ نازمیں مست خواب خرگوش ہوتا ہو، وہ ان عاشقان ستم کش اور فراق دیدہ کا حال کیونکر جان سکتا ہے، جن کی راتیں رو رو کر کٹتی ہوں، اور جن کا لباس جامۂ تار تار ہو،؟

خفتگاں را خبر از زمزمۂ مرغ سحر
حیواں را خبر از عالم انسانی نیست،!

میرے خیال میں انسان شناسی، دنیا کے ہر کام سے دشوار ہے، البتہ احمقوں کی نگاہ میں اس سے بڑھ کر آسان کوئی چیز نہیں، اس کام کی شرط اوّل یہ ہے کہ ہیرو کی شخصیت اور اس کے موضوع سے پورے طور پر رابطہ استوار رہے، لوگ جب اس طرح کے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس شرط اوّل کی رعایت شاذونادر کرتے ہیں، مراتب علمی، اور اس طرح امور زندگانی میں اس خبط و خطا کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم بازار ادب میں سرمایۂ لازم سے یکسر تہی دست حالت میں داخل ہوتے ہیں،

کبھی میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ اکابر رجال کے احوال و سوانح کا مفہوم صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے عام حالات زندگی پیش کردیں، فلاں فیلسوف کبیر یا عارف کامل کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی؟ اور وفات کب پائی ایک حد تک مجبور بھی ہیں کہ اس سے زیادہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ تحقیق و انکشاف کی دنیا میں یہ باتیں سراسر بے مایہ ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، ایک محقق ان پر قناعت نہیں کر سکتا،

ایسے موقع پر ایک محقق اور جویائے صداقت سخت زحمت اور کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر وہ فن پسند اور انصاف دوست ہے تو ایسی منزل میں قدم نہیں رکھے گا، جو اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہو، او اگر وادیٔ تاریک میں اس نے گام فرسائی کا فیصلہ کر لیا تو پھر ناگزیر ہے کہ اہل خبر، اور اصحاب علم کے نور عرفا سے مستنیر ہو کر آگے بڑھے اور ساحل نشینوں کی امداد سے گرداب حائل سے نجات پائے، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ شیوۂ دانش یہ ہے کہ نہ جاننے والا جاننے والوں سے رجوع کرے، (فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون،) لیکن اگر صورت یہ ہو کہ نہ تحقیق کا مادہ ہو، نہ اصحاب خبر، او ارباب علم سے استفادے کی طلب تو جو قدم بھی بڑھے گا، وہ گڑھے میں پڑے گا، اور جو اس کے پیرو ہوں گے وہ بھی کھو کر رہ جائیں گے، اور راہ صواب سے دور رہیں گے، لہٰذا ہر شخص کی بات پر آدھا دھ اعتماد نہ کرنا چاہیئے کیونکہ نادان کی پیروی ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی نابینا کو رہنما بنا لے،

یہ تمہید دراصل مصنف کی طرف سے بر سبیل معذرت ہے کہ وہ ایک ایرانی نابغہ عصر حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی کے احوال و سوانح مرتب کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے (جو فردوسی کے ہم وطن تھے) امام غزالی کا پایہ اور مرتبہ مراحل علمی کے اعتبار سے بھی اور وادی سیر و سلوک روحانی کی جہت سے بھی حد درجہ حیرت انگیز اور غیر معمولی ہے،

طوس کا یہ نابغۂ دہر ہنوز جوان تھا کہ فنون دانش میں سرآمد افراد ان، اور محسود و پیر و جوان بن گیا۔۔۔۔۔

امام الحرمین ابو المعالی جوینی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، امام موصوف، نیشاپور اور خراسان کے بزرگ ترین علماء میں شمار ہوتے تھے، اس ہونہار، اور فخر روزگار شاگرد کو پاکر وہ خود بھی کچھ کم مسرور نہ تھے، شاگردان ابو المعالی کی تعداد کئی سو تھی، ان میں سے اکثر پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے اجل علما میں شمار ہوتے تھے، مثلاً کیائے ہراسی، ابو المظفر خوافی، ابو المظفر ابیوردی، ابو القاسم حاکمی، ابو القاسم انصاری، وغیرہ، لیکن غزالی کو ان سب پر تفوق حاصل تھا،

غزالی کو بہت جلد وہ علمی مقام حاصل ہوگیا کہ دوست اور دشمن ایک زبان ہو کر اس کے فضل و کمال اور علم و دانش کا اعتراف کرنے لگے، یا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے۔ یہی خصوصیات و کمالات تھے جن کے باعث وہ سرآمد زماں بن گیا، سلاطین اور روزرا کے درباروں میں اس کی پرسش ہونے لگی، ملک شاہ سلجوقی (۴۶۵ ــــ ۴۸۵) اور اس کے وزیر نامدار خواجہ نظام الملک طوسی (۴۰۸ ــــ ۴۸۵) کی بارگاہ میں اسے مرتبۂ ارجمند حاصل ہوا۔ بغداد کا مدرسہ نظامیہ سارے عالم اسلام میں وحید عصر اور یکتا تھا، یہاں کرسی تدریس پر متمکن ہوا،

یہاں کئی سو فضلائے دانش اندازاً اس پیکر علم و فضل کے حلقے میں شامل ہوگئے، اور اس کے خرمن فضل و کمال سے خوشہ چینی کرنے لگے۔

یہ نابغۂ خلفائے بغداد کی بارگاہ میں بھی، عزت و احترام کا سزاوار سمجھا گیا۔ المقتدی بامر اللہ (۴۶۷ ــ ۴۸۷) اور المستظہر باللہ (۴۸۷ ــــ ۵۱۲) کی پیش گاہ میں یہ مستوجب اکرام و احترام قرار پایا،

اپنے زمانے کے علوم متداولہ مثلاً فقہ و حدیث اور فلسفۂ کلام میں غزالی کے افکار تازہ و نو نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا، خاص طور پر، فلاسفہ کے افکار و اقوال کو اس نے اس طرح رد کیا۔ اور اس پر اس طرح اپنا تسلط قائم کیا کہ فلسفہ کا رنگ ہی کچھ اور ہوگیا،

رفتہ رفتہ غزالی کا آوازۂ شہرت خراسان سے کہ اس کا اصل وطن تھا، باہر پہنچا، اور بلاد اسلامیہ کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا، ایک طرف تو فضل و کمال کا یہ عالم تھا دوسری طرف جاہ و جلال و منصب دنیاوی کے اعتبار سے بھی وہ عالی ترین درجہ جو ممکن ہو سکتا تھا، اسے حاصل ہو گیا،

لیکن یہ شہرت، یہ ترقی، یہ عروج، یہ علم و معرفت کا بالاترین درجہ، یہ جاہ و منصب دینوی، یہ ساری جو اس کی ذات واحد میں جمع تھیں، ان کا ردعمل کیا ہوا؟ غزالی کی حالت میں اس ترفع اور ترقی نے وہ تغیر پیدا کیا کہ اس کا سارا وجود، منقلب اور دگرگوں ہو کر رہ گیا،

اور اس انقلاب طبیعت نے کچھ عجیب رنگ پیدا کر دیا، روحانیت کے جذبے نے دنیاوی آلائش سے پاک اور مبرّا کر دیا، عالم تجرد اور وارستگی میں داخل ہو کر کشمکش پنہاں اور اضطراب نہاں نے زندگی نیا دہ زیادہ دشوار بنا دی، آخر ایک روز جاذبۂ مقامات دنیاوی سے منہ موڑا، اور بغداد کا رخ کیا،

روز و شب اندر تنازع با شتر
گہ شتر چیرہ دگہ مجنوں حضر
میل ناقہ از پئے کرّہ دواں
میل مجنوں از پئے لیلیٰ رواں
جاں کشادہ سوئے بالا، بالہا
تن زدہ اندر زمیں چنگالہا!

آخر یہ ذہنی الجھن ختم ہوئی، کشش الٰہی نے اپنا کام کیا، اور دانشمند طوس سارے علائق سے روگرداں ہو کر بغداد سے بھی قلندرانہ صفت نکل کھڑا ہوا،

کم و بیش دس سال سیر آفاق، اور ذکر و فکر، اور خلوت و عزلت میں گزارے، سودائے زنا سر دیر ہو گیا، ہوا و ہوس، ریاست اور مناظرات، و مغالبات علمی، کو دکان عراق کے لئے چھوڑ اور یکسر کشف حقائق میں محو و مستغرق ہو گیا، اور بالآخر انسان کامل اور عارف کامل عیار بن کر نمودار جو شخص کل تک سر حلقۂ متکلمین و عقلائے روزگار تھا، آج وہ حلقۂ دیوانگان عشق میں سر جھکا مہر بہ لب بیٹھا تھا، کل تک جو متعصب اور کٹر شافعی تھا، آج وہ صوفی وارستہ تھا اور زبان حال سے کہہ رہا تھا،

عشق آں جائے کہ می افزود درد

بو حنیفہ و شافعی درسے نہ کرد

اب عالم ہی کچھ اور تھا، نہ وہ درس نہ تدریس کی سند تھی، نہ فن و کلام کے پیچ و خم سے تعلق نہ دو تسلسل کے قانون سے ربط،

عاشقان را شد مدرس حسن دوست

دفتر و درس و سبق شان روئے اوست

درس شان آشوب و چرخ و زلزلہ

نے زیادات است و باب سلسلہ

سلسلہ ایں قوم جعد مشکبار

مسئلہ دور است اما دور یار

گر دم خلع و مبارا می رود

بد ہمیں ذکر بخارا می رود

بہر حال متکلّم غزالی نے اپنا چولا بدل لیا اور یکسر عارف و صوفی بن گیا، اس کے افکار تہ ہوگئے، اس کے تکلّم، اور تحریر کا انداز کچھ اور ہوگیا،

اس مرحلے میں غزالی ایک مفکر بزرگ نظر آتے ہیں کہ ان کے افکار و عقائد فکر انسانی کی تا میں ایک انقلاب انگیز مرتبے کے حامل ہیں۔

پہلے دور کے مقابلے میں اس مقام پر ہمیں غزالی کا وجود کچھ عجیب اور پر اسرار سا نظر آتا ہے اس کی اور شناسائی ہر شخص کے لئے آسان نہیں، دوست اور پیرو۔ نیز مخالف اور دشمن اس مرد عجیب سروکار رکھنے پر مجبور ہیں۔ لیکن اپنے اپنے نقطۂ نظر سے، کوئی انہیں متکلّم کی حیثیت سے جانتا ہے کی نظر میں وہ فقیہہ ہیں، کوئی انہیں فلسفی خیال کرتا ہے کسی کی رائے ہے کہ وہ صوفی تھے، ہر شخص اپنے اور گمان کے مطابق ان کے بارے میں رائے قائم کرتا، اور ان کی معرفت اور شناسائی کا دعو کرتا ہے، ــــــــ لیکن شاید ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے باطن سے آشنا ہو،

ابن رشد (۵۲۰ ـــــ ۵۹۵) اور ابن تیمیہ (۶۶۱ ـــــ ۷۲۸) کے سے دانشمندان بزرگ جو غزالی کے بعد عرصۂ نمود پر آئے۔ انہوں نے غزالی سے ٹکرانے کی کوشش کی، لیکن ان کا گھونسہ شہتیر پر پڑا۔ انہوں نے ان چیزوں کی مخالفت کی جو غزالی نے اپنی کتاب "تہافت الفلاسفہ" اور اس طرح کی دوسری فکر آفریں کتابوں میں تحریر کی تھیں۔ غزالی نے خود اپنے آپ کو ہر فلسفہ داں اور فلسفہ طراز کے سامنے پیش کر کے بتایا تھا کہ وہ بھی اس راہ سے گذرے ہیں، اور محسوس و یقین کرتے ہیں کہ یہ معلومات یکسر ناقص ہیں، ان سے دل کو تسلی نہیں ہوتی، اسی لئے یہ اس قابل ہیں کہ انہیں ٹھکرا دیا جائے، اور اس سارے دفتر کو خرافات اور مزخرفات سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے، غزالی نے اعتراف کیا کہ کلامی اور فلسفی استدلالات کے عصائے چوبیں کو سہارا بنا کر کشف حقائق کی راہ نہیں سر کی جا سکتی، ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کو سرحد یقین، مثلاً بدیہیات اولیہ تک نہیں پہنچا سکتی، نہ وثوق و اطمینان کی نعمت بخش سکتی ہے۔ اس راستے میں سوا اس کے کچھ نہیں کہ حقیقت واقعہ کے خلاف نظریات قائم کئے جائیں، جو اکثر مبنی بر خطا ہوتے ہیں ـــــ ایسے شخص (غزالی) کے خلاف صف آرا ہونا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دریا میں اینٹ پھینک کر خوش ہو کہ اس نے دریا کو کھنگال ڈالا، یا چھلنی سے دریا کا پانی صاف کرنے کی کوشش کرے،

فلاسفہ و حکمائے عالی مقام کا قول ہے کہ "ہر چیز کی شیئیت صورت سے ہوتی ہے نہ کہ مادے سے"،

اہل منطق کا قول ہے کہ ہر فصل کی نوع اخیر محصل حقیقت ہوتی ہے اور سائر انواع سے اسے متمیز کر دیتی ہے۔

پس زندگانی غزالی کی "فصل اخیر و صورت مشخصہ" وہ فعلیت عرفانی ہے جو سفر بغداد کے بعد انہیں حاصل ہوئی، اور جس نے انہیں جملہ علماء، فلاسفہ، اور متکلمین سے ممتاز کر دیا۔ یہ غزالی ہیں جو اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں جستہ جستہ، اور اپنی بے نظیر کتاب "المنقذ من الضلال" میں ـــــ جسے بجا طور پر اعتراف نامۂ غزالی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ـــــ پورے طور پر اپنے صحیح رنگ روپ میں جلوہ گر نظر آتے ہیں پس حقیقی غزالی کا جلوہ انہی آئینوں میں دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ان آثار و مولفات میں جو کہ دکان عراق کے لئے وہ چھوڑ آئے تھے،

غزالی سیر و سلوک کی اس منزل تک پہنچ گئے تھے کہ جہاں دست و فلسفہ و کلام جدلی کوتاہ نظر آتا ہے،

خسرہ کاری ہائے علم ہندسہ
یا نجوم و علم و طبؔ و فلسفہ
ایں ہمہ علم بنائے آخر است
کہ عماد بود و گاؤ و اشتر است
علم راہ حق و علم منزلش
صاحب دل داند آں را با دلش

بلا شبہ ابن رشد بہت بڑا فلسفی تھا، اور اپنے اس فن کے حفظ و بقا کا جویا رہتا تھا، اس نے ایک معرکہ آرا کتاب "تہافت التہافت" تصنیف کی، جس میں غزالی کی خوب خوب اہانت کی، کیونکہ فلسفہ سے متعلق اس کی غیرت کا تقاضا یہی تھا۔[۲]

لیکن اس خشم و عتاب اور خصومت کا جو اظہار ابن رشد نے کیا ہے اور جو کچھ پہلی بار بکثرت معرض تحریر میں لائے ہیں، اپنی گفتار و کردار سے اس کا بطلان بھی کر دیا ہے، اور ذرا دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ ابن رشد اور ان کے پیش کردہ نظائر کارگر بھی ثابت ہوئے تو بھی ان کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ غزالی کے قول و عمل کی تائید سے بہر حال اور بالآخر اپنا دامن نہ بچا سکے، بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس گروہ کو درحقیقت پیروان غزالی میں شامل کرنا چاہیئے نہ کہ ان کے مخالفوں اور معاندوں میں ——— اس مبحث پر انشاء اللہ آگے چل کر ہم مزید گفتگو کریں گے۔

امر واقعہ یہ کہ غزالی کا شمار افراد فوق البشر میں کرنا چاہیئے، اگر ان کا سوانح نگار اپنی علمی کم مائیگی اور فکری بے بضاعتی کے باعث اس نابغۂ بزرگ کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا، تو یہ اس کی فہم نارسا اور خامۂ ناتواں کا قصور ہے۔

غزالی اور ان کے ہمسر مثلاً ناصر خسرو علوی (پانچویں صدی ہجری) کہ جن کا داعیۂ مذہب مقامات ظاہری سے دعوت باطن کی طرف مڑ گیا۔ اور سنائی غزنوی (چھٹی صدی ہجری) کہ نور عرفاں کے زیر ہدایت مناصب دنیوی سے روگرداں ہو گئے، اور مولوی بلخی (ساتویں صدی ہجری) کہ جن کے جاذبۂ عشق نے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا، راقم تحریر ان سب پر جن میں غزالی بھی شامل ہیں "نامۂ نصرت" میں مفصل لکھ چکا ہے، لہٰذا اب اگر ایجاز و اختصار سے کام لے رہا ہے تو معذور ہے کہ اس کتاب کا مقدمہ اس سے

زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا،

باقی رہی یہ بات کہ میں نے غزالی کو ناصر خسرو، سنائی، اور مولوی کا مثیل قرار دیا ہے، وہ صرف اس بنیاد پر ہے کہ مذکورہ تینوں حضرات وارلے مقامات علمی ومناسب دنیاوی تھے، ورنہ ان میں اور غزالی میں وہی تفاوت ہے جو زمین وآسمان میں ہے،!

تعلیقات

۱ـ امام ابوبکر بن ولید اندلسی، عہد غزالی کے علمائے بزرگ میں شمار ہوتے تھے، شام میں غزالی سے ملاقات ہوئی، اور مباحث علمی کے سلسلہ میں انہوں نے مناظرہ کی استدعا کی، غزالی نے جواب دیا،

هذا شیئ ترکناه — یہ چیز تو ہم نے کودکان،

لصبیته في العراق — عراق کے لئے چھوڑدی ہے

یعنی ہم نے ہوا وہوس مناظرہ ومبالغہ کو اقامت بغداد کے زمانے میں وہاں کے کودکان خام کار کے لئے چھوڑدی، اور وہاں سے دامن جھاڑ کر باہر نکل آئے، امام ابوبکر کا سال وفات ۵۲۰ ہے،

(مرآۃ الجنان یافعی ج ۳ ص ۲۲۶)۔

۲ـ ابن رشد کہتا ہے،:

بہتر تو یہ ہے کہ کتاب "تہافت الفلاسفہ" کو "تہافت ابی حامد" (یعنی خرافات غزالی) کے نام سے یاد کیا جائے،!"

مسئلہ نفی صفات پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے،:

هذا الفصل کلمة مغالطة سفسطائية، فهذا الرجل (ابوحامد غزالی) في امثال هذه المواضع في هذا الکتاب لا یخلو من الشرارة او الجهل وهو اقرب الی الشرارة منه الی الجهل،!" (ص ۹۹)

"صدور کثرت از واحد کے مسئلہ پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے:

لم یبلغ الرجل (یعنی الغزالی) الی رتبة من العلم المحیط بهذه المسئلة،!"

غرض بار بار جہل وشرارت کی نسبت غزالی کی طرف کرتا ہے،!

٢٠

عصر غزالیؒ کے اوضاع علمی و اجتماعی

بلاشبہ ایک نابغۂ وقت یعنی جینیس کا وجود، احوال و اوضاع اجتماعی پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود اس کے عہد مقتضیات بھی اس کے ظہور کے اسباب میں شامل ہوتے ہیں پس ضروری ہے کہ اکابر رجال کے آثار وجود کی تشخیص میں دو امور پیش نظر ہیں،

ایک تو اس دور کی روح عصر و زماں اور اس کے مقتضیات اور وہ ماحول جس میں کسی نابغۂ وقت کا ظہور ہوا،

دوسرے وہ اثرات جو کسی نابغۂ وقت نے اپنے وقت کے اوضاع علمی و ادبی پر ڈالے،

سطور ذیل میں کوشش کی جائے گی کہ عصر غزالی کے اوضاع علمی و مذہبی، اور احوال و شئون اجتماعی پر، ذرا بسط و تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ تاکہ مسئلہ اچھی طرح روشن اور منقح ہو جائے،

غزالی طوسی ۴۵۰ھ (قمری) مطابق ۱۰۵۸ء میں فردوسی کے عہد پرورش میں تولد ہوئے، اور ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء میں وہیں فوت ہوئے

غزالی کا عہد تاریخ ایران کا تابندہ ترین دور ہے، اس عہد میں علوم و ادبیات کی ترقی حد سے فزوں ہو گئی، علما اور دانشور، ایران کے ہر گوشہ و کنار سے ظہور پذیر ہونے لگے، تعلیم و تربیت، تالیف و تصنیف کتب و رسائل کا غیر منقطع اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، انہی حقائق کی بنا پر اس دور کو روشن ترین دور سے بجا طور پر تعبیر کیا جا سکتا ہے،!

۳

سلاجقۂ بزرگ ایران

غزالی دولت سلاجقہ ایران (۴۲۹ — ۵۵۲ھ) کے معاصر ہیں، اور اس سلسلہ کے بیشتر ملوک و سلاطین کے ہم عصر ہیں،

ایران بلکہ تمام بلاد اسلامی میں ظہور سلطنت سلاجقہ کو دور جدید کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے،

یہی زمانہ تھا جب ایران خلفا کے تسلّط سے آزاد ہوا، اور چند چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو گیا، ہر ناحیہ میں ایک امیر تھا جو فرمانروائی کر رہا تھا، ان فرماں رواؤں اور حکمرانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو ایران کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کر سکتا اور پورے ایران کو ایک مملکت کی صورت میں تبدیل کر دیتا، حد یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی (۳۸۷ — ۴۲۱ھ) تک کو جس کے وقت بڑا حصّہ ہندوستان پر لشکر کشی اور ترکان ما وراء النہر اور خوارزمیوں سے آویزش میں گزرا یہ فرصت نہ ملی کہ اپنے فتوحات کا دائرہ بلاد ایران تک وسیع کر سکتا،

لیکن سلجوقیوں نے بہت مختصر مدت میں ملوک طوائف کا خاتمہ کر دیا اور سارے ایران پر اپنی حاکمیت کا پرچم لہرانا شروع کر دیا، اب صرف ایران ہی ان کا زیر نگیں نہ تھا، بلکہ ایشیا کے دوسرے ممالک ان کے محکوم اور ماتحت تھے، اور پھر نوبت یہاں تک پہونچی کہ ممالک اسلامی پر مشتمل حد درجہ وسیع اور ہمہ گیر مملکت کی انہوں نے تشکیل کی، جس کا مرکز ایران تھا،

طغرل، یعنی رکن الدین ابو طالب طغرل، (۴۲۹ — ۴۵۵ھ) پہلا سلجوقی بادشاہ ہے جس نے ۲۶ سال کی مدّت سلطنت میں جملہ بلاد و ایالات ایران پر سکّہ چلا دیا، خوارزم کو ملحق کر لیا اور ما وراء النہر کے ایک حصّہ کو مسخر کر لیا،

ان امور سے فراغت کے بعد وہ بغداد پہونچا، اور تحکیم اساس خلافت، اور مخالفین خلافت کا قلع قمع کرنے میں انتہائی جدوجہد کی، اور ظاہر طور پر نہیں تو معنوی طور پر خلافت اسلامی کے مرکز (بغداد) کا فرماں روا بن گیا،

خلیفہ قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ — ۴۶۷ھ) نے فرمان نافذ کیا کہ خطبے میں اس کے نام کے بعد طغرل کا نام بھی لیا جایا کرے،

جمعہ ۲۲ محرم ۴۴۷ھ کو وہ واقعہ رونما ہوا جو حد درجہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھا، یعنی خاندان سلجوقی اور خاندان عباسی میں رشتہ پیوند کے تعلقات قائم ہوگئے، طغرل نے اپنی لڑکی خلیفہ سے بیاہ دی، اور ۴۵۴ھ میں خلیفہ کی دختر سے خود شادی کرلی،

الپ ارسلان، عضد الدین ابو شجاع الپ ارسلان (۴۵۵ھ — ۴۶۵ھ)

الپ ارسلان جب ترکستان و ماوراء النہر کی تسخیر سے فارغ ہوا تو خاک روم پر حملہ آور ہوا، ۴۶۳ھ میں قیصر روم کو شکست دی، اسے گرفتار کیا پھر آزاد کر دیا، علاوہ ازیں والی گرجستان کو مطیع و باج گزار بنانے میں کامیاب ہوا،

ملک شاہ، جلال الدین ابو الفتح ملک شاہ (۴۶۵ھ — ۴۸۵ھ) زبردست سلجوقی فرماں روا

تھا، خوش قسمتی سے اسے خواجہ نظام الملک طوسی جیسا وزیر باتدبیر میسّر آگیا تھا، اس جامع صفات شخصیت کی رہنمائی خردمندانہ میں دولت سلاجقہ بسط و قدرت کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہونچ گئی، مملکت کی داخلی کوتاہیاں اور کمزوریاں رفع ہوگئیں، اور اب یہ شاہ ذی جاہ پرچم فتح و ظفر لے کر آگے بڑھا، اور جد و پدر کی جہاں کشائی کے راستے پر قدم رکھا، اور شام، حلب، جزیرہ، اور بہت سے دوسرے مقامات فتح کرتے، بلکہ جملہ بلاد ایشیا کو زیر فرمان کرلیا، اس کی وسعت مملکت شام سے چین کی سرحد تک پہنچ گئی، حالت یہ تھی کہ ملک شاہ کے اس وزیر باتدبیر نے جیحون کے ملاحوں کی اجرت انطاکیہ پر ڈال دی، اور سلطان کی یہ تمام فیروزمندیاں اور کامیابیاں تمام تر رہین منت تھیں، اسی وزیر باتدبیر کی،

خواجہ نظام الملک طوسی نے دیوان انشا و طغرا کا منصب کمال الدین ابو الرضی فضل اللہ بن محمد کو اور دیوان استیفاء شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور کو تفویض کیا، یہ دونوں فضل و ادب اور کفایت و تدبیر میں اپنی مثال آپ تھے،

جب تک نظام الملک طوسی زندہ رہا، دولت سلاجقہ روز بروز عروج و ترقی کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کرتی رہی، لیکن اس کے قتل اور ملک شاہ کی وفات (۴۸۵ھ) کے بعد داخلی اختلافات و تنازعات اس درجہ بڑھے کہ ساری ترقیاں ختم ہوگئیں، اور یہ حکومت مائل بہ زوال ہوتی گئی، یہاں تک کہ ایک

وزیر بالکل ختم ہوگئی،

ملک شاہ کے چار بیٹے تھے، ۱۔ برکیارق، ۲۔ محمد ۳۔ سنجر ۴۔ محمود،

برکیارق، محمود سب بھائیوں میں چھوٹا تھا اس کی ماں ترکان خاتون نے خلیفہ المقتدی بامراللہ (۴۶۷ - ۴۸۷ ھ) کی مساعدت سے اسے مالک وتاج وسلطنت بنادیا، لیکن بزرگان سپاہ نے برکیارق کی سلطنت کی، ادھر مقتدی کا قبل اس کے کہ توقیع (پروانہ) محمود کے نام جاری کرے انتقال ہوگیا اور برکیارق نے موقع سے فائدہ اٹھاکر زمام سلطنت ہاتھ میں لے لی،

برکیارق نے نظام الملک کے بیٹے عز الملک ابوعبداللہ حسین کو منصب وزارت سونپا، اور اس کے بھائی عبدالرحیم بن نظام الملک کو منصب طغرا تفویض کیا، دیوان استیفا استاد علی بن ابی علی قمی کو عطا کیا،

یہ تینوں مرد مان بے کفایت وہوس پیشہ تھے، بغداد میں انہوں نے رنگ رلیوں اور عیش وتنعم کا سلسلہ شروع کردیا، خود برکیارق نے بھی زندگی کا یہی رنگ ڈھنگ اختیار کرلیا۔ خوش گذرانی اور عیش پسندی اس کا مشغلہ بن گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ امور مملکت سے یکسر غافل ہوگیا،

اس صورت احوال نے الپ ارسلان کے بیٹے، اور برکیارق کے چچا تتش کو، جو دمشق کا فرمانروا تھا، ہوس سلطنت میں مبتلا کردیا اور ایک مختصر سی مدت میں وہ حلب، جزیرہ، موصل، دیار بکر، آذربائیجان اور ہمدان پر مستولی ہوگیا، یہ واقعہ ۴۸۷ ھ کا ہے،

برکیارق سے کئی بار اس نے جنگ کی، آخری جنگ حدود رے میں ہوئی، یہاں برکیارق کی سپاہ کو ہزیمت نصیب ہوئی اور وہ خود مارا گیا) یہ واقعہ ۴۸۸ ھ کا ہے،

برکیارق کی اس بدنصیبی اور نامرادی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے عز الملک کو وزارت سے معزول کردیا۔ اور اس کے بجائے مؤید الملک ابوبکر عبید اللہ بن نظام الملک کو یہ عہدہ سونپ دیا، سلہ

مؤید الملک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں لائق ترین شخص تھا۔ لیکن برکیارق نے اس کے ساتھ زیادتی کی، رشوت کے الزام میں اسے معزول کرکے قید کردیا اور اس کے بھائی فخر الملک ابوالفتح مظفر بن نظام الملک کو وزارت کی خلعت عطا کردی، سلہ

سلطان کی والدہ نے بھی اس معاملہ میں کافی دلچسپی لی،

مؤید الملک نے قید خانہ سے حیلہ کرکے رہائی حاصل کی، اور سیدھا محمد ملک شاہ ۱، اکردیا، ان ہوا، اور اس کے دامن دولت سے وابستہ ہونے کے بعد اسے حصول مملکت پرآکسایا،

سلطان محمد اصفہان میں آیا اور بھائی سے برسرجنگ ہوا، تھوڑے تھوڑے وقفوں سے یہ جنگ پانچ سال تک از ۴۹۲ھ تا ۴۹۷ھ جاری رہی،

بعض بلاد مثلاً، رے، طبرستان، خوزستان اور فارس میں صرف برکیارق کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا بعض دوسرے نواحی، مثلاً آذربائیجان، اور اصفہان میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، بصرہ میں دونوں کا نام خطبہ میں لیا جاتا تھا،

رہا خراسان تو وہ حدود جرجان سے ماوراء النہر تک سلطان سنجر کے قبضہ میں آگیا،

امراء اور ارباب نفوذ کو چونکہ اختلافات سے فائدہ پہنچا تھا، لہذا انہوں نے حالات کو درست کرنے کی کوشش نہیں کی، لیکن آخرکار، بھائیوں نے خود ہی صلح کرلی،

لیکن یہ صلح زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی، کیونکہ برکیارق کا دوم ربیع الآخر، ۴۹۸ھ میں انتقال ہوگیا، اس کے امراء اور اتباع نے اس کے بیٹے ملک شاہ دوم کو تخت حکومت پر بٹھایا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ سلطان محمد نے تمام مقامات پر قبضہ کرلیا، صرف خراسان، سنجر کے لئے چھوڑ دیا،

سلطان سنجر، سلطان سنجر، سلجوقی خاندان کا آخری فرماں روا ہے جس کا مستقر سلطنت خراسان تھا، اس کے بعد خراسان آتسز خوارزم شاہ کے قبضہ میں چلا گیا،

برکیارق کے اوائل سلطنت میں آتسز کا چچا بوری برس کا والی خراسان کا والی ہوگیا تھا، اور عماد الملک ابوالقاسم بن نظام الملک کو اس نے اپنا وزیر بنایا تھا، بوری برس نے ارسلان ارغو سے جنگ کی، اور ہارا اس جنگ میں عماد الملک کام آیا،

ارسلان ارغو ۴۹۰ھ میں ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا، اسی سال سنجر اپنے بھائی برکیارق کی جانب سے والی خراسان مقرر ہوا، اس طرح مرکز سلطنت اب خراسان بن گیا، ۵۵۲ھ تک اسے یہ خصوصیت حاصل رہی، اسی سال سنجر نے مرو میں وفات پائی، ۳ھ

سنجر نے کم و بیش ۶۲ سال تک حکومت کی، ۲۱ سال تک اپنے بھائیوں برکیارق اور سلطان محمد

وزارت بالکل ختم ہوگیا، اور ۴۱ سال تک بھائیوں کے بعد، مستقل فرماں روا کی حیثیت سے،

عماد کاتب نے تاریخ سلجوقیہ میں لکھا ہے؛

"جس روز سنجر نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اس دن فخر الملک مظفر بن نظام الملک کو وزیر بنالیا۔ دس سال تک فخر الملک اس منصب پر فائز رہا، یہاں تک کہ عاشورے کے دن ۵۰۰ھ میں مارا گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا صدر الدین محمد بن فخر الملک اس منصب پر فائز ہوا، یہ بلخ میں چہارشنبہ کے دن ۲۳ ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں کشتہ ہوا،

۵۴۸ھ میں غز کا فتنۂ عظیم رونما ہوا اس طوفان بلاخیز نے سارے ایران کو ہلا ڈالا، بے شمار علماء صلحا اس کی تیغ خوں آشام سے قتل ہوئے، مشاہیر رجال از قبیل امام محمد بن یحیٰی وغیرہ بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکے، قتل وغارت کا ایسا ہولناک دور شروع ہوا، جس کی نظیر ملنا مشکل ہے، سلطان سنجر بھی غز کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اور مدتوں اسیر بلا رہا۔ رہائی کے بعد پھر برسر کار آیا۔ لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ وفات پاگیا، اور اس کے مرتے ہی ایران میں دولت سلاجقۂ کبیر کا خاتمہ ہوگیا، ؎

عصر سلاجقہ کے مفاخر، عصر سلاجقہ خاص طور پر عہد ملک شاہ وسنجر کے اوضاع سیاسی واحوال عمومی، علوم وادبیات پر گہرے طور پر اثر انداز ہوئے، چنانچہ اس عہد کے علمی وادبی آثار میں ان کی جلوہ گری صاف نظر آتی ہے۔

عہد سلاجقہ کے مفاخر میں یہ بات بھی ہے کہ وزراء میں خواجہ نظام الملک طوسی اور علماء میں غزالی جیسی گراں مایہ ہستیاں ان کے دور میں نمایاں ہوئیں، جنہوں نے اپنے کارناموں سے تاریخ زندگانی کو روشنی عطا کی، غزالی بیشتر سلاجقہ کے معاصر رہے ہیں، ان کی ولادت طغرل کے آخری عہد میں ہوئی، اور وفات سلطان محمد کے دور مملکت میں ہوئی، یہی وہ سلطان ہے جس کے لئے غزالی نے کتاب "نصیحۃ الملوک" تالیف کی، نیز اپنے بعض مکاتیب ورسائل عربی وفارسی میں انہوں نے اسی سلطان سے خطاب کیا ہے، میں پہلے بتا چکا ہوں کہ سلطان سنجر ۴۹۰ھ میں اپنے بھائی برکیارق کی طرف سے والی خراسان تھا بنا بریں ۱۴ سال تک غزالی سنجر کے زیر سایہ حکومت زندگی بسر کرتے رہے،

سلاجقہ عام طور پر غزالی کے ساتھ احترام واجلال کا برتاؤ کرتے تھے اور انہیں اپنے عہد کا بزرگ ترین عالم ودانشمند قرار دیتے تھے، اور یہ احترام واجلال غزالی کے شایان شان بھی تھا، کیونکہ اس خاندان

۳

مختصاتِ عصرِ غزالی

عصر غزالی، اپنے چند خصوصیات کے باعث ایران کی تاریخ میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتا ہے، اس دور میں علماء و ادبا بکثرت تھے، ہر شہر میں بہ تعداد کثیر موجود تھے۔ کثرت تصنیف و تالیف کا بھی یہی عالم تھا، ارباب ذوق و استعداد بس اس کام میں لگے ہوئے تھے، تحقیق ادبیات و علوم کا خاص طور پر معارف مذہبی مثلاً فقہ، اصول، حدیث، کلام حکمت کا شیوع عام تھا، نتیجہ نکا یہ کہ یہ علوم اس کثرت سے پھلے پھولے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

رواج و رونق دیانت اسلامی خصوصاً مذہب تسنن کا رواج بھی عام تھا، خلفہ بغداد اس مسلک کے پیرو تھے، اس طرح سلطان سلجوقی کا بھی یہی مذہب تھا، نیز رجال و اعیان دولت مثلاً نظام الملک وغیرہ اپنی پوری حشمت و اجلال کے ساتھ اس مسلک کے حامی اور نگہبان تھے،

تبلیغات و مجادلات مذہبی اور غلبۂ افکار و اشتداد و احساسات و تعصبات دینی کا بھی اس عہد میں بہت زور رہا،

ان امور سہ گانہ کی بدولت عصر غزالی کو ہم صحیح معنیٰ میں دور علمی و ادبی یا عصر مذہبی و جدلی قرار دے سکتے ہیں،

اختلافات شیعہ و سنّی و معتزلی و اشعری، و امامی، نیز اختلافات فرق چہارگانہ، خصوصاً مابین حنفی و شافعی جملہ بلاد اسلامی میں عام طور پر اور بالخصوص خراسان و اصفہان یعنی سلاجقہ کے مرکز اور پایۂ تخت میں اس عہد کے اندر پوری شدت کے ساتھ موجود تھے، [۱] لیکن عہد غزالی میں تو یہ نقطۂ عروج پر پہونچ گئے،

اس صورت حال کے اسباب و عوامل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں تحصیل علوم و معارف مذہبی کا دور دورہ تھا اور مسائل دینی کے شیوع و رواج نے رقابت مذہبی کو تقویت پہونچائی،

اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ علمار و فقہا اور رؤسائے مذہب مختلفہ کے درمیان مجادلات و مناقشات شروع ہو گئے ۔ ایسا بھی ہوتا کہ یہ مناقشات جو علمار کے مابین دائر تھے ۔ مجادلۂ علمی کی حد سے تجاوز کر جاتے اور جماعت بندی و تحزب کی صورت اختیار کر لیتے ، پھر فتنۂ و فساد شروع ہوتا ، اور کشت و خون تک سے دریغ نہ کیا جاتا ، اس عہد کی تاریخ ان حوادث سے مملو ہے ۔

چونکہ اس عہد کے علمار اگر ایک مجلس میں بیٹھتے تو باہم مصروف پیکار ہو جاتے ، لہٰذا مجلس مناظرہ کی داغ بیل پڑ گئی ، یہ مناظرات بہ صورت کتب و رسائل بھی برپا ہوتے تھے ، ان مناظرات کا نمونہ کتاب "طبقات الشافیہ" سبکی اور دیگر کتب تراجم و رجال میں بہ ذیل تراجم علمائے قرن پنجم مانند امام الحرمین ابو المعالی جوینی شیخ ابو اسحاق شیرازی وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے ، [۲]

ان مناظرات کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور میں فن خطابت اور فن جدل و علم خلاف نے ، اور ان فنون کے سرمایۂ اصلی مانند فن اصول و فن کلام نے بے اندازہ ترقی کی ، اس دور کے علمار نے ان موضوعات پر بہت سی کتابیں اور بہت سے رسالے قلمبند کیے ، چنانچہ "کتاب المنتحل فی فن الجدل" غزالی کے آثار جدل میں خاص اہمیت رکھتی ہے ،

ابو اسحاق شیرازی ، مدرسۂ نظامیہ بغداد کے مدرس بزرگ ، فن خلاف و مناظرہ میں آیت عظیم حیثیت رکھتے تھے ۔ کہتے ہیں کہ اختلافی مسائل اس طرح نوک زبان تھے ۔ جس طرح مسلمانوں کو سورۂ فاتحہ ازبر ہوتی ہے ،

ابو اسحاق شیرازی نے کئی کتابیں اپنے مخصوص علوم و فنون پر تصنیف کیں ، انہی میں ایک کتاب "نکت" فن خلاف میں ہے ، ایک اور کتاب "معونہ" فن جدل میں ہے [۳] اس طرح ایک اور کتاب "مہذب" لکھی یہ ابن صباغ کی ایک طعن آمیز بات سے متاثر ہو کر تحریر کی ، [۴]

اسی طرح ابو المعالی جوینی نے کتاب "مغیث الخلق فی اختیار الحق" [۵] تحریر کی ، اس میں مذہب شافعی کی مذہب حنفی پر ترجیح ثابت کی ہے ، نیز کتاب "غنیۃ المسترشدین" اور کتاب "نہایت المطلب" یہ دونوں کتابیں فن خلاف میں ہیں ، اسی طرح ابو سعید متولی [۶] نے بھی ایک کتاب فن خلاف [۷] میں تصنیف کی ہے ، اس طرح زیر نظر عہد میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں اور رسالے تالیف و تصنیف کیے گئے ، [۱]

کے ساتھ غزالی کی نسبت ایک بزرگ کی تھی، انہوں نے حق خدمت و تربیت پورے طور پر ادا کر دیا، ان میں پدرانہ شفقت بھی تھی، اور استاد کی سختی بھی کبھی کبھی از راہ تربیت خطاب تند اور عتاب سخت سے کام لیتے تھے۔

تعلیقات

۱ـ عماد کاتب نے تاریخ سلجوقیہ میں ابوبکر عبید اللہ بن نظام الملک کی وزارت کا سال آغاز ۷۵ھ لکھا ہے۔ (ص ۷۹) "زبدۃ التواریخ" میں جو ناصر بن علی حسین کی تالیف ہے، درج ہے کہ مؤید الملک ابوبکر عبید اللہ بن نظام الملک، میدان جنگ میں عین اس وقت جب برکیارق اور سلطان محمد تتش سے ہمدان میں جنگ ہو رہی تھی مارا گیا،

کتاب "العراضہ" میں مرقوم ہے کہ مؤید الملک کو برکیارق نے گرفتار کر لیا، اور قتل کر ڈالا ــ (۸۰ ـ ۸۱)

کتاب "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" میں اشتباہ کی بنا پر اس کا نام "عبد اللہ" لکھا ہے، حالانکہ زبدۃ التواریخ اور تاریخ عماد کاتب میں "عبید اللہ" ہے،

۲ـ فخر الملک برادر مؤید الملک جب خراسان سے آیا تو اپنے ساتھ ہدایا بسیار اور تحائف بے شمار بھی لایا، سلطان نے قلمدان وزارت اسے سونپ دیا، اور مؤید الملک کو معزول کر دیا (العراضہ فی الحکایتہ السلجوقیہ)۔

راحت الصدور راوندی نے لکھا ہے کہ:

"مؤید الملک وزیر برکیارق نے صفر ۸۸ ۴ھ میں بمقام ہمدان تتش سے جنگ کی اور غالب آیا، اس کارنامے کے انجام دینے کے بعد فخر الملک بن نظام الملک خراسان سے آیا اور سلطان کی خدمت میں بہت سے گراں بہا تحائف اور ہدایا پیش کئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منصب وزارت اسے مل گیا۔

۳ـ ابن خلکان نے سنجر کا سال ولادت جمعہ، ۲۵ رجب ۷۹ ۴ھ لکھا ہے اور اس کا سال وفات دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۵۵۲ھ قرار دیا ہے،

یافعی اور عماد کاتب نے بھی اس کا سال وفات ۵۵۲ھ لکھا ہے، نیز العراضہ نے سال ولادت و موت ۴۷ ـــ ۵۵۲ھ لکھا ہے،

راحت الصدور نے سال وفات ۵۱۱ھ قرار دیا ہے،

۴۔ خاندان سلجوقیہ کی کئی شاخیں تھیں، ہر شاخ نے اپنی اصل سے جدا ہو کر کسی ناحیہ میں تشکیل سلطنت کی، اور عرصہ تک حکمرانی کرتی رہی،

سلاجقہ کرمان / اس خاندان نے ۴۳۲ھ سے ۵۸۳ھ تک کرمان میں سلطنت کی،

سلاجقہ عراق و کردستان (۵۱۱ — ۵۹۰ھ) یہ خاندان سلطان محمد ملک شاہ کی اولاد میں سے تھا۔ سلطان محمد کی وفات (۵۱۱ھ) کے بعد اس کے بیٹے مغیث الدین ابوالقاسم محمود بن محمد بن ملک شاہ کا خطبہ بغداد میں پڑھا جانے لگا۔ یہ واقعہ ۱۳ر محرم ۵۱۲ھ کا ہے، اس خاندان نے تقریباً ۷۹ سال تک حکومت کی، خوارزم شاہیوں نے اس کا خاتمہ کر دیا،

سلاجقہ روم / اس خاندان نے ایشیائے کوچک میں ۲۳۰ سال تک یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ تک حکومت کی، یہ خاندان تاتاریوں، اور ترکان آل عثمان کے ہاتھوں نیست و نابود ہو گیا،

یہ شاخ خاندان قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق سے جدا ہوئی تھی، اس کا امیر خاندان سلیمان قتلمش تھا، جو ملک شاہ کے عہد میں فرماں روائے روم بن گیا تھا،

سلاجقہ سوریہ و شام / اس سلجوقی شاخ کا تعلق تتش بن الپ ارسلان بن داؤد کے خانوادے سے تھا۔ اس خاندان کی حکومت عہد برکیارق میں تشکیل پذیر ہوئی ۴۸۷ھ سے ۵۱۱ھ تک یہ برسر حکومت رہا یہ اپنے انجام کو بدست اتابکان سوری دامرائے ارتقی پہنچا،

اتابک سلاطین / سلاجقہ کے امرا اور غلاموں کا ایک گروہ ایسا تھا کہ بواسطہ حسن خدمت و کفایت مقام اتابکی یعنی اتالیقی شہزادگان والا شان تک سرفراز ہوا، انہی غلاموں کا ایک گروہ تھا جس نے دولت سلاجقہ کے ضعف اختلال و احوال سے فائدہ اٹھا کر تشکیل حکومت و سلطنت کا کارنامہ انجام دیا، اور تاریخ میں زندہ جاوید ہو گیا، اتابکان آذربائیجان (۵۳۱ — ۶۲۲ھ) اتابکان سلغری یا اتابکان فارس (۵۴۳ — ۶۸۶ھ) کہ جن میں سے پہلے کا نسب ایلاگز سے اور دوسرے کا سلغر سے ملتا ہے اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں یہ دونوں سلجوقی غلام تھے۔ اسی طرح دمشق، موصل، اربل، دیار بکر اور آرمینیہ امرا و اتابکان کے چند لوگوں نے پانچویں صدی ہجری میں سلطنت تشکیل کی۔

خاندان سلاجقہ میں سب سے برتر اور عظیم خاندان سلاجقہ ایران کا تھا جو تاریخ میں سلاجقہ کبیر کے نام سے معروف ہے

چونکہ اس عہد میں علم اور مذہب کو بہت بڑا مقام حاصل تھا لہٰذا علمائے مذہبی کا بھی حد درجہ احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا، خلیفہ عباسی المقتدی بامراللہ (۴۶۷ ــــ ۴۸۷ ھ) کی طرف سے ابو اسحاق شیرازی سفیر بن کر بغداد سے خراسان آئے، ہر گوشہ اور چپہ سے بے شمار مرد و زن ان کے استقبال کو دوڑ پڑے، ان کی رکاب کو بوسے دینے لگے، اور ان کے خاک پا کو تیمّن اور تبرک کے طور پر آنکھوں سے لگاتے تھے، اور خراسان کے عالم بزرگ ابو المعالی جوینی نے ازراہ تجلیل ان کا غاشیہ اپنے کندھے پر رکھ لیا، [۸]

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا، مختصات عہد غزالی کا خلاصہ ہے، مطالب آئندہ کے ضمن میں اس عہد کے اوضاع و احوال تفصیل سے بیان ہوں گے،!

تعلیقات

۱ اختلاف اشعری و معتزلی تیسری صدی ہجری میں نمودار اور چوتھی و پانچویں صدی میں شدت کی انتہا تک پہنچ گئے، یہ دونوں فرقے اگرچہ مسلمان تھے، لیکن ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے، خلفا اور رجال دولت بھی اس مناقشہ میں برابر کے شریک تھے القادر باللہ خلیفۂ عباسی متوفی ۴۲۲ ھ نے ایک کتاب معتزلا اور ان لوگوں کی تکفیر پر لکھی تھی جو آدینہ قرآن کے قائل تھے۔ یہ کتاب روز آدینہ کو لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی،

(مرآۃ الجنان، یافعی ج ۳ ص ۴۱) ــــ مذہب چہارگانۂ اہل سنت (حنفی، شافعی مالکی، حنبلی) آغاز کار ہی سے متصادم تھے،

قفال مروزی (ابوبکر عبداللہ بن احمد ۳۲۷ ــــ ۴۱۷ ھ) نے شافعی و حنفی طرز نماز کی داستان خندہ آور بہ حضور سلطان محمود غزنوی کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ کتب تاریخ میں موجود ہے، ابن خلکان نے بھی سلطان محمود کے حالات میں (ج ۲، ص ۲ طبع طہران) اور یافعی نے ۴۱۰ ھ کے واقعات کے ذیل میں (طبع حیدر آباد دکن ج ۳ ص ۴۲) اس قصہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ جس کا ماخذ امام الحرمین (۴۱۹ ھ ــــ ۴۷۸) کی کتاب "مغیث الخلق" ہے جن کا اور محمود غزنوی کا زمانہ قریب ہے،

۲ سبکی نے (ج ۳) مناظرات علمی (جامع منصور بغداد میں) مابین قاضی ابو الطیب و ابو الحسن طالقانی (ص ۱۸۲) و مناظرہ ابو اسحاق شیرازی و ابو عبداللہ دامغانی (۱۰۰) و مناظرۃ ابو اسحاق و ابو المعالی جوینی (نیشاپور) ص ۱۰۹ و مناظرہ ابو اسحاق اسفرائنی و قاضی عبدالجبار (ص ۱۱۴) و مناظرۂ قاضی

عبد الطیب و ابو الحسن حنفی (ص ۱۸۹) کے جو امثال دیئے ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں۔

۳۔ مرآۃ الجنان یافعی ج ۳ ص ۱۱۰

۴۔ ابن صباغ مدرسہ نظامیہ بغداد کے اولین مدرسین میں ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا،

"اگر شافعی و ابو حنیفہ باہم سازگار ہوتے تو علم ابو اسحاق شیرازی ہوا میں اڑ جاتا"!

مطلب یہ کہ ابو اسحاق کا تمام علم اور ان کی تمام دانش مسائل اختلافی تک محدود تھی، اگر یہ دونوں امام مسائل میں متفق ہوتے تو اختلافی مسائل جن کے ابو اسحاق شیرازی اتنے بڑے عالم تھے کہاں سے وجود میں آتے؟ یہ بات سندہ شدہ ابو اسحاق شیرازی تک پہونچی، چنانچہ انہوں نے کتاب "مہذب" لکھ ڈالی،

سبکی نے طبقات الشافعیہ میں، جو معرکہ کی کتاب ہے یہی بات لکھی ہے ملاحظہ ہو ج ۳ ص ۹۲

۵۔ ابن خلکان نے بعض جگہ اس کا نام مغیث الخلق فی اختیار الحق "لکھا ہے، یافعی نے "اختیار" کے بجائے "اختبار" لکھا ہے،

۶۔ ابو سعد یا ابو سعید متولی پر آگے چل کر ہم گفتگو کریں گے۔ یہاں اتنا کافی ہے کہ سبکی، یافعی اور ابن خلکان نے فن خلاف میں ان کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے،

۷۔ فن خلاف، فن جدل کا ایک شعبہ فن خلاف بھی ہے۔

فن جدل، فن جدل منطق کی صناعات پنجگانہ میں سے ایک ہے، وہ صناعات یہ ہیں: - ۱۔ برہان ۲۔ خطابت، ۳۔ شعر، ۴۔ جدل، ۵۔ مغالطہ،

فن جدل نے مسلمانوں میں، جب مختلف مذاہب اور فرقے پیدا ہونے لگے تبلیغ و نشر معتقدات کے سلسلہ میں کارنمایاں انجام دیا، اور اہمیت فوق العادت اختیار کر لی، یہ فن، فن خلاف کے اور فن مناظرہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے،

چونکہ ارباب جدل و مناظرہ کے لئے لابدی اور ضروری تھا کہ موارد اختلاف عقائد انہیں پورے طور پر مستحضر ہوں، اس لئے اس فن پر کتابوں کی ضرورت پیش آئی،

فن خلاف، ہر علم یعنی فقہ، نحو، کلام وغیرہ میں اپنا ایک مورد رکھتا ہے۔ چنانچہ جملہ علوم و فنون میں فن خلاف پر مشتمل کتابیں ملیں گی، مثلاً "خلافیات نحو" یعنی بصرہ و کوفہ کے ائمہ نحو کے موارد اختلافات پر اور "خلافیات فقہ" موارد اختلاف حنفی و شافعی یا شیعہ و سنی پر اور "خلافیات کلام" عقائد اشاعرہ و

پر تصنیف کی گئیں، فن جدل کو "فن مواضع" کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، کیونکہ مجادل اذروئے اصطلاح "وضع" یا "مواضع" کا حافظ ہوا کرتا ہے مقصود "وضع" یا "موضع" سے کلی معتقدات ہیں، خواہ وہ عقائد مذہبی ہوں یا غیر مذہبی،

بعض علمائے شیعہ نے بھی مانند شیخ طوسی رحمہ اللہ وغیرہ اس فن پر کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ طوسی نے اپنی کتاب "خلاف" اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب "انتصار" میں شیعہ و سنی اختلافات کے فروع پر بحث کی ہے،

مناظرہ، یہ بھی درحقیقت فن جدل ہی کا ایک نمونہ ہے، البتہ بطریق خاص:
اس فن کے علماء نے اس کی تعریف بایں الفاظ کی ہے،

"فن مناظرہ عبارت ہے کسی موضوع کے تمام پہلوؤں پر بحث و نظر سے تاکہ حقیقت و صواب واضح ہو جائے،

مناظرہ کا مقصود اگر مجادلہ سے اپنی فضیلت کا اظہار ہو یا حریف مقابل کی فضیحت مقصود ہو تو نہ وہ مناظر ہے نہ یہ مناظرہ،

آداب مناظرہ، یہ بجائے خود ایک خاص فن ہے اس موضوع پر کتب لبسیار لکھی گئی ہیں،
پس معلوم ہوا کہ فن خلاف و مناظرہ، و آداب مناظرہ، یہ تینوں فن جدل کی مختلف کڑیاں ہیں اور صناعات پنجگانہ منطق میں سے ایک صنعت ہیں،

چونکہ فن مناظرہ کی اصطلاحات مخصوصہ مورد حاجت ارباب تحقیق ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا جائے،

مناظرہ سوال و جواب اور مستدل و مانع کی صورت میں ہوتا ہے،
شخص مستدل اور بقول علمائے مناظرہ شخص معلّل نقل عقائد و آراء میں صحت و خطا کا ذمہ دار نہیں سمجھا جاتا، اور اس جہت سے اس کے نقل و حکایت اقوال پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، لیکن جب نقل و حکایت محتاج بحث و نظر ہو، تو تعلیل و استدلال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور راہ منع و اعتراض وا ہو جاتی ہے۔

مناظرہ کرنے والوں میں سے ایک سائل ایک مجیب یا دوسرے الفاظ میں ایک مستدل اور ایک مانع ہوتا ہے نہ؟

ان میں سے ہر ایک کی جو نسبت ہوتی ہے اسے "خصم" کے نام سے یاد کرتے ہیں،

معارضہ، یہ عبارت ہے دلیل قائم کرنے سے جو معلل کے مدعا کے برخلاف ہو، چنانچہ مناظر کہتا ہے،

"یہ دلیل، مدلول کا اثبات کرتی ہے۔ لیکن اب میں اپنی دلیل پیش کرتا ہوں کہ اس کا مدلول اس مدعا کے خلاف ہے۔!"

نقض اجمالی، عبارت ہے کسی دلیل کی بنا پر تخلّف حکم سے، چنانچہ مناظر خصم کی دلیل ختم ہونے کے بعد کہتا ہے:

یہ دلیل درست نہیں ہے کیونکہ فلاں مورد پر بھی یہ دلیل آچکی ہے اور صحیح نہیں ہے۔!"

گویا مطلب یہ ہوا کہ نقض اجمالی کے معنیٰ ہیں مقدمات دلیل میں سے کسی دلیل کا بغیر تعین کے کے "منع"، نقض اجمالی کہلاتا ہے۔

فن مناظرہ کی خاص خاص اصطلاحات یہ ہیں:

دوران:- **دائر**، **مدار**، یعنی کسی چیز کا ترتّب کسی ایسی چیز پر جو شائستہ علیّت ہو، امر اوّل کو دائر، اور امر دوم کو مدار کہتے ہیں۔

دلیل، ایسا علم جو کسی دوسری چیز کو لازم کر دے،

امارہ، ایسا علم جو ظن پر مبنی ہو اور چیز کو لازم کردے،

رکن، **علّت**، **شرط**، اس طرح کی چیز اگر داخل حقیقت ہو تو رکن ہے، اگر خارج ہے لیکن وجود میں مؤثر ہے تو علّت ہے، اور جو اس کا جز ہو گا وہ شرط ہے

ملازمہ، **ملزوم**، **لازم**، یعنی کسی چیز کا اقتضا کسی دوسری چیز سے، پہلے کو ملزوم، دوسرے کو لازم کہتے ہیں،

تعلیل، بیان علت حکم،

———— چونکہ گفتگو غزالی جیسے وقت کے بہت بڑے متکلم اور مناظر کے متعلق ہو رہی ہے، لہٰذا یہ مختصر سے معلومات مبتدیان فن کار کے لئے مفید ثابت ہونگے، جو تفصیل کا طالب اسے کتب ارباب فن سے رجوع کرنا چاہیئے،

ﺷﮧ طبقات الشافعیہ سبکی، ج ۳ و ابن خلکان ج ا و مرآۃ الجنان یافعی ج ۳،

حقیقت یہ ہے کہ خصوصیات عصر غزالی کا صحیح اندازہ اس وقت تک ہو ہی نہیں ہو سکتا تھا، جب تک مذکورہ امور اور مصطلحات پر ایک طائرانہ نظر نہ ڈال لی جاتی، کسی ہیرو کی شخصیت اور اس کے کمال کا اندازہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک اس کا عہد پورے طور پر پیش نظر نہ ہو،

(رئیس احمد جعفری)

۵

عہد غزالی میں دعوتِ باطنیہ کا رواج و شیوع

احوال مہم عہد غزالی میں فرقہ باطنیہ کا رواج دعوت و تبلیغ بھی ہے جو اہل سنت اور خلفائے عباسی کی ضد اور مخالفت میں برسرِ کار آئی،

باطنیہ یا اسماعیلیہ فرقہ، شیعوں ہی سے نکلا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے پسر بزرگ اسماعیل کو امامت پہونچی اور انہی پر ختم ہو گئی،

یہ فرقہ مختلف ناموں، فاطمیہ، علویہ، باطنیہ، اسماعیلیہ، شیعۂ سبعیہ اور ملاحدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ہر نام ایک مخصوص جہت کا آئینہ دار ہے، [1]

یہ فرقہ تیسری صدی ہجری میں ظہور پذیر ہوا، لیکن آخری صدی تک اس نے کچھ زیادہ نفوذ و اعتبار حاصل نہیں ہوا تھا،

اس صدی کے آخر میں عبید اللہ ملقب بہ "المہدی" نے کہ خود کو از نسل فاطمہ علیہا السلام و از اعقاب محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام شمار کرتا تھا ظہور کیا۔ اور مروّج مذہب اسماعیلی و مدعی خلافت حقہ فاطمی و علوی بن گیا۔ ۲۹۷ھ میں شمالی افریقہ میں اس نے اساس حکومت و خلافت مستقل طور پر کر لی، اس کے اعقاب خلفائے فاطمی یا علوی، یا عبید کے نام سے ۵۶۷ھ تک یعنی تقریباً ۲۷۰ سال تک ایک [2] وسیع قلمرو پر سلطنت و خلافت کرتے رہے، [3]

شروع شروع میں اس خاندان کی حکومت و خلافت صرف افریقہ کے ایک حصّہ تک محدود رہی، عبید اللہ المہدی (۲۹۷ ــــ ۳۲۲ھ) نے جو پہلا فاطمی خلیفہ تھا، تونس کے قریب شہر "مہدیہ" کی بنا ڈالی، اور اسی کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ رفتہ رفتہ اس سلسلہ کا رقبۂ سلطنت و خلافت افریقہ سے تجاوز کر کے مصر، شام، حجاز، یمن، دیار بکر، موصل اور نواحی عراق عرب تک

وسیع ہوگیا، حتیٰ کہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں فاطمیوں کا خطبہ پڑھا جانے لگا، چوتھے فاطمی خلیفہ المعز الدین اللہ کے زمانے میں جس کا دورِ حکومت ۳۶۵ھ سے ۳۴۱ھ تک ممتد رہا تھا، مشہور اور عظیم فاطمی سپہ سالار جوہر کی سرکردگی میں مصر فتح ہوا، (سالِ فتح ۳۵۸ھ) اسی جوہر نے شہر قاہرہ تعمیر کیا، اور اسے خلافتِ فاطمی کا پایۂ تخت قرار دیا، آٹھویں فاطمی خلیفہ مستنصر کے زمانے میں جس کا عہدِ خلافت ۴۲۷ھ سے ۴۸۷ھ تک رہا، اس خاندان نے بہت زیادہ حشمت و اجلال حاصل کرلیا،

ارسلان بساسیری نے جو مستنصر کا کٹر پیرو تھا ۴۴۸ھ میں ایک فتنۂ عظیم برپا کر دیا، اس نے واسط پر قبضہ کرلیا، اور بغداد پر کہ خلیفہ عباسی کا مستقر حکومت تھا، قبضہ کرلیا (۴۵۰ھ) اور خلیفۂ عباسی القائم بامر اللہ (۴۲۲ھ ـــ ۴۶۷ھ) کو بغداد سے باہر نکال دیا، اس کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور مستنصر کے نام کا خطبہ رواج دیا اور پرچم سفید کا شعار علویہ تھا۔ بجائے پرچم سیاہ کہ شعار عباسیہ تھا، رائج کیا، اس نے حکم نافذ کیا کہ منابر پر آلِ علی علیہ السلام کی تجلیل کی جائے، اور مساجد میں بہ آئین تشیع اذان "حی علی خیر العمل" کہہ کر دی جائے،

اگر عباسیوں کو سلاجقہ کی حمایت نہ حاصل ہوتی، تو ان کا کام تمام ہوچکا تھا، خلافتِ عباسی فاطمیانِ مصر کے ہاتھوں ختم ہوجاتی، لیکن سلاجقہ نے دینی تعصب سے یا سیاستِ وقت کے اقتضا سے ترویجِ مذہب تسنن، اور حفظِ مقام خلافتِ عباسی اور قلع و قمع مخالفین میں بڑی سرگرم کوششیں کیں، اور خلیفہ کے احترام کی اتنی نمائش کی کہ کبھی اس کی انگشتری چومتے۔ کبھی دست بوسی کرتے، ـــہ

طغرل سلجوقی نے (جس کی تفصیل کتب تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے) خلیفہ کی حمایت میں اپنی فوجیں بڑھائیں اور بغداد میں داخل ہوگیا۔ اس نے بساسیری کو بغداد سے نکال دیا اور خلیفہ کو بے حد احترام و اجلال سے وارد بغداد کیا، ۴۵۱ھ میں بساسیری مار ڈالا گیا۔

خلفائے فاطمیہ نے دانشمند اور زبردست مبلغین و دعات کی ایک کھیپ کی کھیپ ممالک اسلامی میں خاص طور پر ایران میں روانہ کی، یہ لوگ اور ان کے پیرو دادائے تشکیلات حیرت آفریں تھے، اس سلسلہ کا استظہار، زیادہ تر اخلاص، حسن عقیدت اور فداکاری کا نتیجہ تھا، نشرِ دعوتِ فاطمیت کے جو نتائج امراء و سلاطین ایران پر ظاہر ہو رہے تھے۔ ان سے خلفائے عباسی پریشان تھے اور ان کے حامی و سلاطین و امراء یا از روئے عقیدہ یا از روئے مصلحت داعیانِ اسماعیلی اور ان کے پیروؤں

کے سخت مخالف تھے، اور انہیں خارجی، قرمطی اور ملاحدہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ جہاں کہیں بھی کوئی اس عقیدے کا آدمی مل جاتا وہ مختلف انواع زجر و شکنجہ و حبس اور قتل کا شکار ہوتا، سلاجقہ سے پہلے سلاطین اور ان سے پہلے بھی سامانی بادشاہ خلافت عباسی کے پشتیبان تھے سلطان محمود غزنوی نے تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قرمطیوں کو پکڑا اور مارا، پیروان خاندان فاطمی کو اس نے زجر و شکنجہ اور حبس و قتل کا مستقل نشانہ بنائے رکھا ہے[۵] اور اس سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں[۶]

حسنک نیشاپوری وزیر سلطان محمود غزنوی کی داستان تاریخ بیہقی میں بہ تفصیل درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے فاطمی و عباسی کے مابین ساری کشمکش رقابت مذہبی یا سیاسی کا نتیجہ تھی،

سلاجقہ کا جہاں تک تعلق ہے یہ تو پیروان اسماعیلیہ کے جوش مخالفت میں غزنویوں سے بھی آگے بڑھ گئے اور ظلم و جبر کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ غزالی کے معروف و مشہور ہم درس کیا الہراسی، جو اپنے عہد کے اجل علماء میں شمار کئے جاتے تھے اس لئے کہ ان کا نام "کیا" تھا، جو بعض سلاطین اسماعیلیہ ایران کا بھی نام تھا سو رد اتہام قرار پائے اور گو سراسر بے خطا اور بے گناہ تھے، مگر ہر طرح سے بے خطا اور بے گناہ ہونے کے باوجود ایک عرصہ تک حوالہ بحبن وزندان رہے،[۷]

خواجہ نظام الملک طوسی نے اپنی کتاب "سیاست نامہ" یا "سیر الملک" کا ایک حصہ اسماعیلیہ کے مثالب و معائب کے لئے مخصوص کر دیا ہے،

بالجملہ سلاطین و امرائے ایران عباسیوں کے حامی اور فاطمیوں کے مخالف تھے، لیکن خلافت عباسیہ کی آرزو اور تمنا کے برعکس دولت فاطمیہ کا اثر و نفوذ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، اسماعیلیہ دعات پوری قوت سے ایران میں پیش رفت کر رہے تھے اور حیرت انگیز کامیابی حاصل کر رہے تھے،

میں کہتا ہوں کہ المستنصر باللہ آٹھویں فاطمی خلیفہ کے زمانے میں جو ۴۲۷ھ سے ۴۸۷ھ تک منصب خلافت پر فائز رہا، اس جماعت کا کار دعوت و تبلیغ نقطہ عروج پر پہنچ گیا، اس خلیفہ کے زمانہ میں دعوت فاطمی بلاد اسلام میں عموماً اور ایران میں خصوصاً نہایت تیزی کے ساتھ رواج پذیر ہو گئی،

مستنصر اور حسن بن صباح ، یہی خلیفہ ہے جس نے اپنے اوائل عہد میں ناصر خسرو کو اور اواخر عہد میں حسن صباح کو ایرانیوں میں دعوت و تبلیغ کے کام پر مامور کیا تھا،

احمد بن عبد الملک عطاش ۔ اسی خلیفہ کے زمانے میں احمد بن عبد الملک عطاش اصفہانی اور اس کے باپ نے اصفہان میں اس فرقہ کی دعوت دینا پوشیدہ طور پر شروع کر دی، چنانچہ حسن بن صباح انہی لوگوں کی تبلیغ سے متاثر ہو کر فرقہ اسماعیلیہ میں داخل ہوا، پھر اس نے مصر کا سفر کیا، اور وہاں سے ایران میں تبلیغ پر مامور ہوا۔

نزاریہ یا اسماعیلیہ جدید ، مستنصر فاطمی کے تین بیٹے تھے ۔

۱۔ نزار ، ۲ ۔ احمد مستعلی ، ۳ ۔ عبد الحمید ،

نزار و مستعلی جانشینی پدر کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے رقیب تھے ، مشہور یہ ہے کہ مستنصر نے شروع میں نزار کو ولی عہد بنایا تھا ۔ لیکن پھر کسی وجہ سے رنجیدہ ہو کر اسے معزول کر دیا اور مستعلی کو اس کے بجائے ولی عہد نامزد کر دیا ،

بایں جہت اسمٰعیلیہ دونوں فرقوں میں بٹ گئے ، ایک اسماعیلیان مصر و شام و افریقہ کہ مستعلی کو خلیفہ مانتے تھے ، دوسرے اسماعیلیان مشرق یا ایران کہ نزار ہی کی امامت کے معتقد تھے ، یہ شیعہ نزاریہ اسمٰعیلیہ جدید کہلاتے ہیں ،

حسن بن صباح کے حیرت انگیز کارنامے ، نزار کو ہلاک کر دیا گیا ، حسن بن صباح ان کی دعوت کا مروج اور فرقہ اسماعیلیہ جدید کا مؤسس بن گیا ،

۴۶۹ھ میں دعوت اسمٰعیلی قبول کرنے کے بعد حسن بن صباح مصر گیا ، کچھ عرصہ تک قاہرہ میں مقیم رہا ، ایران بقصد دعوت و تبلیغ کے کام پر مامور ہو کر آیا اور جیسا کہ تواریخ میں بہ تفصیل مذکور ہے ، نواحی قزوین میں قلعہ الموت پر اس نے قبضہ کر لیا ۔ یہ واقعہ ۴۸۳ھ کا ہے یعنی ملک شاہ سلجوقی کی وفات اور خواجہ نظام الملک طوسی کے قتل سے دو سال پہلے کا ، اس سال کے عدد حروف "الہ اموت" کہ اصل تلفظ الموت تھا بالکل مطابق ہیں ،

الموت پر قبضہ کرنے کے بعد حسن بن صباح نے ایک طرف تو اپنے متصرفات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوششیں فزوں کر دیں ، اور بہت سے قلعوں اور استحکامات کوہستانی عراق ، د

خراسان وقہستان پر تسلط حاصل کرلیا، اور ہر جگہ حصار اور قلعے تعمیر کئے جو حد درجہ مستحکم اور ناقابل تسخیر تھے

دوسری طرف اس نے تشکیلات مخصوص کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے پیروں کو مختلف درجات میں تقسیم کر دیا۔ اور خفیہ انجمنوں کی داغ بیل ڈالی جو بعد میں " فراموش خانہ" کے نام سے موسوم ہو اس نے ایک دستہ فدائیوں کا تیار کیا ان کا فرض تھا کہ متبوع کے ہر حکم خواہ وہ کیسا ہی ہو آنکھ بند کر تعمیل کریں۔

یہی فدائیان اسماعیلیہ یا صباحیہ ہیں کہ دو سو برس تک انہوں نے سارے جہان کو متزلزل اور زیر و زبر کئے رکھا، بہت سے ملوک و امراء اور علماء و فقہاء ان کے دشنۂ وخنجر سے ہلاک ہوئے، تمام سلاطین و رجال بزرگ اور فقہاء علماء ئے اہل سنت اس فرقہ کے خوف سے سراسیمہ اور دہشت زدہ رہے۔ وقائع تاریخی اس سلسلے میں تلاش کئے جائیں تو ان گنت ہیں،

بالجملہ حسن بن صباح ہی مؤسس سلسلہ اسماعیلیہ ایران ہے، اس فرقہ نے تقریباً ۱۸۲ سال تک باقدرت وتشکیلات حیرت آفریں بعض نواحی ایران میں حکومت کی۔

اس عہد حکومت کی ایک مستقل تاریخ ہے، اس تاریخ کو اگر بسط و تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہوگی، اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں تھی، لہٰذا اختصار پر اکتفا کرنا پڑا

اس خاندان کا پایہ تخت گوحدود الموت کے اندر رہا، لیکن اس کا اثر و نفوذ، تمام بلاد اسلامیہ میں خاص طور پر ایران میں بہت زیادہ تھا۔

ہلاکو خان نے ۶۵۴ھ میں اس خاندان کو بھی نیست و نابود کر دیا، شہ

لہ فاطمی و علوی، یہ سلسلہ باعتبار نسب و مذہب عباسیوں کا مقابل ہے۔

باطنی، اسے باطنی بایں لحاظ کہتے ہیں کہ احکام مذہب میں یہ تاویلات کو روا رکھتا ہے اور بقول خود باطن شریعت کا رمز آشنا ہے، یہ فرقہ ظاہر کا مقابل ہے جو اہل سنت کا مذہب ہے، اس طریقہ کا مؤسس ابو سلیمان داؤد بن علی اصفہانی متوفی ۲۷۰ھ ہے،

فرقہ ظاہری جمود بر ظواہر شریعت پر عامل ہے جس کے باعث قرآن و احادیث کے مفہوم

تعیین میں سخت مشکلات پیش آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ظاہر سے دست بردار نہیں ہوتا، میرے خیال میں شیعوں کے اندر مذہب باطنی کا وجود طریقۂ ظاہریہ اہل سنّت وجماعت کا ردعمل ہے۔ ورنہ مذہب نہ اتنا ظاہری ہے کہ "الرحمٰن علی العرش استویٰ کو سوا، استوا ظاہری کے حمل نہ کیا جا سکے، نہ اتنا باطنی ہے کہ آیات محکمات تک میں تاویل کو راہ دیئے بغیر کام نہ چلے، ناصر خسرو نے اپنی کتاب "وجہ دین" میں ان امور کی نشان دہی کی ہے۔

بہر حال فرقہ باطنی ظاہریہ کا جواب ہے،

اسماعیلیہ، لیکن اسماعیلیہ، فرقۂ کیسانیہ اور زیدیہ کا مقابل ہے اس فرقہ کے لوگ حضرت اسماعیل پسر امام جعفر صادق علیہ السلام کو امام مانتے ہیں، اسماعیل کی وفات، باپ کے زمانے میں ہوگئی تھی، وہ اپنے پیروؤں کا ایک بڑا حلقہ رکھتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو وہ تاریخ گزیدہ کا بیان ہے:

جعفر صادق اسماعیل کی لاش کو دیہات سے — جہاں ان کا انتقال ہوا تھا، — مدینہ لائے اور اہل مدینہ کے روبرو انہیں سپرد گور کر دیا،!"

حضرت امام جعفر صادق کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، شیخ طوسی نے وفات اسماعیل کا سال ۱۳۳ھ لکھا ہے، اور کہا ہے:

امام جعفر صادق اپنے فرزند اسماعیل کو بے حد چاہتے تھے جب ان کا انتقال ہوا تو کئی بار زمین پر رکھا اور ان کا چہرہ کھول دیا تاکہ لوگ یقین کر لیں کہ اسماعیل کا انتقال ہو چکا ہے ۵۴۶ھ میں حسین بن ابوالہیجا یکے از وزرا فاطمیہ نے بقیع میں قبر اسماعیل پر ایک بقعہ تعمیر کرا دیا،

شیعۂ سبعیہ، اس فرقہ کو سبعیہ، یا ہفت امامی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ سات اماموں کے معتقد ہیں پہلے امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے، اور آخری اسماعیل بن جعفر علیہ السلام یہ لوگ حضرت اسماعیل کو قائم مہدی اور امام منتظر مانتے ہیں، اور کہتے ہیں ان کا انتقال نہیں ہوا وہ صرف چشم مردم سے نہاں ہو گئے ہیں۔

جس طرح رحلت پیغمبر (صلوات اللہ علیہ) کے بعد مسلمان چند فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے، اس طرح امام کی وفات کے بعد امام کے پیرو چند فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ

اپنے امام کو قائم مہدی شمار کرتا،

قائم مہدی کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ امامت اس پر ختم ہوگیا۔ اب وہ نسظر مردم سے پنہاں ہے، لیکن ایک وقت آئے گا۔ جب وہ ظاہر ہوگا اور سارے جہان کو اپنے کیش کی طرف بلائے گا، جب تک وہ پردہ سے ظاہر نہ ہو جلئے یہ لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرتے رہیں گے۔

پس ہر امام کی وفات کے بعد ایک گروہ ایسا بھی باقی رہا، جس نے دوسرے امام کی اتباع نہ کی، اور اپنے امام کو قائم مہدی، اور اس کی وفات کو غیبت ظاہری و عروج معنوی قرار دیا، دوسرے گروہ نے نئے امام کو نامزد کیا، یہیں سے فرق مختلف ظہور پذیر ہوئے۔ ان میں سے ہر فرقہ اپنے مخصوص عقائد کا حامل تھا،

فرقہ سبائیہ، شلاً شہادت امیر المومنین علی علیہ السلام کے بعد ۴۰ھ میں چند فرقے ظہور پذیر ہوئے ان میں ایک فرقہ سبائیہ ہے جس کا رئیس عبد اللہ بن سبا تھا، اس فرقہ کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ علی علیہ السلام نے وفات نہیں پائی، اور جب تک دوبارہ ظہور کر کے وہ دنیا کو جو ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے عدل و قسط سے بھر نہ دیں وفات نہیں پاسکتے، اس فرقہ کے نزدیک علی علیہ السلام قائم مہدی تھے،

فرقہ کیسانیہ، اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بعد امامت ان کے صاحبزادے محمد بن حنیفہ کو پہنچی کہ رایت پدر جنگ بصرہ کے موقع پر انہی کے ہاتھ میں تھا، اس فرقہ کو کیسانیہ بدیں جہت کہتے ہیں کہ ان کا رئیس مختار بن ابو عبید ثقفی متوفی ۶۸ھ تھا۔ یہ شخص کیسان کے لقب سے ملقب تھا، ایک فرقہ کا یہ عقیدہ بھی کہ امامت حسن بن علی کو پہونچی،

اس طرح ہر امام کے بعد، مختلف فرقے تشکیل پذیر ہوئے،

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع چھ فرقوں میں منقسم ہو گئے۔

ناؤسیہ، اس فرقہ کا اعتقاد تھا کہ حضرت صادق خاتم ائمہ اور قائم مہدی ہیں۔

فطحیہ، اس فرقہ کا اعتقاد تھا کہ امامت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ افطح کو پہونچی جن کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا،

شمطیہ، اسے شمیطیہ بھی کہتے ہیں، باختلاف نسخ سمطیہ و شمیطیہ بھی مروی ہے، اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے محمد دیباج متوفی ۲۰۳ھ امام تھے، اور یہ منصب ان سے ان کے اعقاب کو پہنچا،

اسماعیلیہ، اس فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امامت حضرت صادق سے ان کے صاحبزادے اسمٰعیل متوفی ۱۴۳ھ کو پہونچی وہ قائم مہدی اور خاتم سلسلہ امامت تھے،

مبارکیہ، اس فرقہ کا سردار ایک شخص مبارک تھا یہ اسمٰعیل کے موالیوں میں تھا، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ امامت حضرت حضرت جعفر صادق سے انکے پوتے محمد بن اسمٰعیل متوفی ۱۹۸ھ کو پہونچی، کیونکہ اسمٰعیل اپنے والد کی زندگی میں وفات پاگئے تھے،

قرامطہ، اس فرقہ کا سردار خوزستان کا ایک شخص کرمتیہ تھا، ایک روایت یہ ہے کہ یہ شخص نبطی تھا، اور سواد کوفہ کے باشندوں میں تھا اور قرمطیا قرمطویہ کے نام سے موسوم تھا، یہ فرقہ درحقیقت فرقہ مبارکیہ کی ایک شاخ ہے، البتہ بعض معتقدات میں مختلف ہے، قرامطہ محمد بن اسمٰعیل کو امام ہفتم قرار دیتے ہیں اور انہی پر امامت کو ختم کر دیتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ وہ قائم مہدی اور پیغمبر اولوالعزم ہیں

واقفہ، امامیہ کا ایک گروہ امام ہفتم حضرت موسیٰ کاظم متوفی ۱۸۳ھ کو قرار دیتا ہے، اور امامت کو ان پر ختم کر دیتا ہے،

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرامطہ اور فاطمیہ میں تفاوت بسیار پایا جاتا ہے ـــــ" ان دونوں میں مشابہت صرف اتنی ہے کہ دونوں ہفت امامی ہیں اور دونوں کا شعار سفید پرچم ہے نیز تاویلات اور بڑی حد تک اصولوں میں بھی دونوں ہم شبیہ ہیں ورنہ ویسے ان دونوں میں بہت فرق ہے قرامطہ یا ملاحدہ کو اسماعیلیہ میں شمار کرنا ان کے دشمنوں اور مخالفوں کی کارستانی ہے بعض لوگ جہل اور ناواقفیت کے باعث ان دونوں فرقوں کو مخلوط کر دیتے ہیں، واللہ اعلم بحقائق الامور (ملاحظہ ہو، کتاب "فرق الشیعہ" نوبختی و تلبیس ابلیس ابن جوزی، و ملل و نحل ابن حزم و شہرستانی)

سے عبید اللہ بانی خاندان فاطمیہ کے نژاد و نسب میں شدید اختلاف ہے، بعض اس کا شجرہ نسب یہ قرار دیتے ہیں:

عبید اللہ بن حسن، بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ، بن جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب علیہ السلام، !"

بعض کے نزدیک ایک شجرہ نسب یہ ہے:

علی بن حسین بن احمد بن عبداللہ بن حسن بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام !"

بعضوں کا قول ہے، : ـــــ "عبید اللہ بن التقی بن الوفی بن الرضی"

یعنی بن علبید اللہ بن حسین، بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق، بعض اس کا نسب عبداللہ بن میمون قداح سے ملاتے ہیں۔ جو بعض روایات کے مطابق

ایرانی تھا اور یوں عبید اللہ کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں، :

عبید اللہ بن حسین، بن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن میمون قداح -

(ملاحظہ ہو ابن خلکان وتاریخ مصر)

۲ے خلفائے فاطمیہ اگرچہ رہے ہیں ان کی حکومت ۲۹۷ --- ۵۶۷ ھ تک رہی، مدت خلافت تاریخ تولد اور وفات حسب ذیل ہے ، :

المہدی عبید اللہ، (۲۹۷--۳۲۲ ھ) ولادت ۲۵۹ یا ۲۶۰ ھ

القائم بامر اللہ، ابوالقاسم محمد بن مہدی، (۳۲۲ --- ۳۳۴ ھ) ولادت، باختلاف روایات ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۷۷ ھ،

المنصور باللہ، ابوطاہر اسماعیل بن قائم (۳۳۴ - ۳۴۱ ھ)، سال ولادت ۳۰۱ یا ۳۰۲

المعز الدین اللہ، ابوتمیم بن منصور، از ۳۴۱ ھ تا ۳۶۵ ھ، سال ولادت ۳۱۹ ھ

العزیز باللہ، ابومنصور نزار بن معز از ۳۶۵ تا ۳۸۶ ھ سال ولادت ۳۴۴ ھ

الحاکم بامر اللہ، ابوعلی منصور بن عزیز از ۳۸۶ تا ۴۱۱ ھ سال ولادت ۳۷۵ ھ

الظاہر لاعزاز دین اللہ، ابوالقاسم علی بن حاکم از ۴۱۱ ھ تا ۴۲۷ ھ، سال ولادت

المستنصر باللہ، ابوتمیم معد بن ظاہر از ۴۲۷ ھ تا ۴۸۷ ھ - سال ولادت ۴۲۰ ھ

المستعلی باللہ، ابوالقاسم احمد بن مستنصر از ۴۸۷ ھ تا ۴۹۵ ھ سال ولادت ۴۶۷ یا ۴۶۹ ھ

الآمر باحکام اللہ، ابوعلی منصور بن مستعلی از ۴۹۵ ھ تا ۵۲۵ ھ سال ولادت ۴۹۰

الحافظ الدین اللہ، ابوالمیمون عبدالمجید بن ابوالقاسم محمد بن مستنصر از ۵۲۵ ھ تا ۵۴۴ ھ - سال ولادت ۴۶۶ یا ۴۶۷ ھ

الظافر باللہ، ابومنصور اسماعیل بن حافظ از ۵۴۴ ھ تا ۵۴۹ ھ سال ولادت ۵۲۷ ھ،

الفائز بنصر اللہ، ابوالقاسم علی بن ظافر از ۵۴۹ ھ تا ۵۵۵ ھ، سال ولادت ۵۴۴ ھ -

العاضد الدین اللہ: ابو محمد عبداللہ بن حافظ از ۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ سال ولادت ۵۴۶ھ

اس خاندان کو صلاح الدین ایوبی نے ختم کر دیا، جب صلاح الدین مصر میں وارد ہوا تو نور الدین محمود زنگی نے اسے لکھا کہ خطبۂ جمعہ سے عاضد کا نام نکال دیا جائے اور اس کے بجائے المستضیٔ باللہ خلیفہ عباسی کا نام لیا جائے، صلاح الدین کو تعمیل حکم کی جرأت نہ ہوئی، اس اثنا میں ایک عجمی شخص امیر عالم وارد مصر ہوا اور اس نے یہ کام انجام دے ڈالا، محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ کو منبر پر چڑھ کر مستضی کا نام پڑھ دیا، پھر صلاح الدین نے حکم دیا کہ دوسری مسجدوں میں بھی ایسا ہی کیا جائے

اس روز عاشوراء کو عاضد قتل کر دیا گیا، یا اجل موعود سے وفات پائی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ کامل ابن اثیر و ابن خلکان

۳۔ **جوہر صقلی**: ابو الحسین جوہر بن عبداللہ معروف بہ "کاتب رومی" فاطمی حکومت کا زبردست اور یگانہ سپہ سالار گزرا ہے، یہ خلیفہ معز الدین اللہ کا غلام تھا، اسے اپنے زمانہ کا ہیرو قرار دینا چاہیئے، خلافت فاطمیہ کے لئے اس نے گراں بہا اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیئے ہیں اس کے آثار ونقوش اب تک پردۂ زمین پر موجود ہیں

مصر فتح کرنے کے بعد جوہر نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اور معز کے نام پر "قاہرہ معزیہ" اس کا نام رکھا، مشہور دینی درس گاہ جامع ازہر کی عمارت تیار کرائی جو ۱۷ رمضان ۳۶۱ھ میں اختتام کو پہونچی،

جوہر پہلا شخص ہے جس نے مصر میں مذہب تشیع اور تجلیل آل علی علیہ السلام کو رواج دیا، شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۳۵۸ھ کو افریقیہ سے بہ قصد تسخیر مصر اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا اور سہ شنبہ کے دن آخر شعبان میں اس سال اخشیدی حکومت سے مصر چھین لیا، اور جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر معز کے نام کا خطبہ پڑھا، اور مژدۂ فتح اسے بھیجا،

جوہر نے اپنے دور میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، جمعہ ۷ محرم ۳۶۴ھ کو معزول ہوا اور روز پنجشنبہ آخری ذی قعدہ ۳۸۱ھ میں بہ مقام مصر وفات پائی، تمام شعراء نے دردناک مرثیے لکھے اور اس کے مآثر کا اپنے اشعار میں تذکرہ کیا معز ۳۶۱ھ میں دار الملک منصوریہ سے باہر آیا ۳۶۲ھ میں وارد قاہرہ ہوا،

نی تھا اور یوں عبید اللہ کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں ، :

عبید اللہ بن حسین ، بن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن میمون قداح ۔

(ملاحظہ ہو ابن خلکان و تاریخ مصر)

ے خلفائے فاطمی ۱۴ گزرے ہیں ان کی حکومت ۲۹۷ —— ۵۶۷ ھ تک رہی ، مدت خلافت و

تاریخ تولد اور وفات حسب ذیل ہے ، :

المہدی عبید اللہ ، (۲۹۷ — ۳۲۲ ھ) ولادت ۲۵۹ یا ۲۶۰ ھ

القائم بامر اللہ ، ابو القاسم محمد بن مہدی ، (۳۲۲ —— ۳۳۴ ھ) ولادت ، باختلاف روایات ۲۷۸ ، ۲۸۲ ، ۲۷۷ ھ ،

المنصور باللہ ، ابو طاہر اسماعیل بن قائم (۳۳۴ — ۳۴۱ ھ) ، سال ولادت ۳۰۱ یا ۳۰۲ ھ

المعز الدین اللہ ، ابو تمیم بن منصور ، از ۳۴۱ ھ تا ۳۶۵ ھ ، سال ولادت ۳۱۹ ھ

العزیز باللہ ، ابو منصور نزار بن معز از ۳۶۵ تا ۳۸۶ ھ سال ولادت ۳۴۴ ھ

الحاکم بامر اللہ ، ابو علی منصور بن عزیز از ۳۸۶ تا ۴۱۱ ھ سال ولادت ۳۷۵ ھ

الظاہر لاعزاز دین اللہ ، ابو القاسم علی بن حاکم از ۴۱۱ ھ تا ۴۲۷ ھ ، سال ولادت ۳۹۵

المستنصر باللہ ، ابو تمیم معد بن ظاہر از ۴۲۷ ھ تا ۴۸۷ ھ ۔ سال ولادت ۴۲۰ ھ

المستعلی باللہ ، ابو القاسم احمد بن مستنصر از ۴۸۷ ھ تا ۴۹۵ ھ سال ولادت ۴۶۷ یا ۴۶۹ ھ

الآمر باحکام اللہ ، ابو علی منصور بن مستعلی از ۴۹۵ ھ تا ۵۲۵ ھ سال ولادت ۴۹۰ ھ

الحافظ الدین اللہ ، ابو المیمون عبد المجید بن ابو القاسم محمد بن مستنصر از ۵۲۵ ھ تا ۵۴۴ ھ ۔ سال ولادت ۴۶۶ یا ۴۶۷ ھ

الظافر باللہ ، ابو منصور اسماعیل بن حافظ از ۵۴۴ ھ تا ۵۴۹ ھ سال ولادت ۵۲۷ ھ ،

الفائز بنصر اللہ ، ابو القاسم علی بن ظافر از ۵۴۹ ھ تا ۵۵۵ ھ ، سال ولادت ۵۴۴ ھ ۔

العاضد لدین اللہ ، ابو محمد عبداللہ بن حافظ از ۵۵۵ھ تا ۵۶۷ھ سال ولادت ۵۴۶ھ

اس خاندان کو صلاح الدین ایوبی نے ختم کر دیا ، جب صلاح الدین مصر میں وارد ہوا تو نور الدین محمود زنگی نے اسے لکھا کہ خطبۂ جمعہ سے عاضد کا نام نکال دیا جائے اور اس کے بجائے المستضی باللہ خلیفہ عباسی کا نام لیا جائے ، صلاح الدین کو تعمیل حکم کی جرأت نہ ہوئی ، اس اثنا میں ایک عجمی شخص امیر عالم وارد مصر ہوا اور اس نے یہ کام انجام دے ڈالا ، محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ کو منبر پر چڑھ کر مستضی کا نام پڑھ دیا ، پھر صلاح الدین نے حکم دیا کہ دوسری مسجدوں میں بھی ایسا ہی کیا جائے اس روز عاشوراء کو عاضد قتل کر دیا گیا ، یا اجل موعود سے وفات پائی ، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ کامل ابن اثیر و ابن خلکان

۳۔ جوہر صقلی ، ابو الحسین جوہر بن عبداللہ معروف بہ "کاتب رومی" فاطمی حکومت کا زبردست اور یگانہ سپہ سالار گزرا ہے ، یہ خلیفہ معز الدین اللہ کا غلام تھا ، اسے اپنے زمانہ کا ہیرو قرار دینا چاہیئے ، خلافت فاطمیہ کے لئے اس نے گراں بہا اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیئے ہیں اس کے آثار و نقوش اب تک پردۂ زمین پر موجود ہیں

مصر فتح کرنے کے بعد جوہر نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اور معز کے نام پر "قاہرہ معزیہ" اس کا نام رکھا ، مشہور دینی درس گاہ جامع ازہر کی عمارت تیار کرائی جو ۱۷ رمضان ۳۶۱ھ میں اختتام کو پہونچی ،

جوہر پہلا شخص ہے جس نے مصر میں مذہب تشیع اور تجلیل آل علی علیہ السلام کو رواج دیا ، شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۳۵۸ھ کو افریقیہ سے بہ قصد تسخیر مصر اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا اور سہ شنبہ کے دن آخر شعبان میں اس سال اخشیدی حکومت سے مصر چھین لیا ، اور جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر معز کے نام کا خطبہ پڑھا ، اور مژدۂ فتح اسے بھیجا ،

جوہر نے اپنے دور میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ، جمعہ ۷ محرم ۳۶۴ھ کو معزول ہوا اور بروز پنجشنبہ آخری ذی قعدہ ۳۸۱ھ میں بہ مقام مصر وفات پائی ، تمام شعراء نے دردناک مرثیے لکھے اور اس کے مآثر کا اپنے اشعار میں تذکرہ کیا معز ۳۶۱ھ میں دار الملک منصوریہ سے باہر آیا ۳۶۲ھ میں وارد قاہرہ ہوا ،

الحاکم بامر اللہ (۳۸۶ھ – ۴۱۱ھ) کے عہد حکومت میں حسین بن جوہر بھی خدمت فاطمیہ کے بزرگ ترین سرداروں میں گزرا ہے، یہ ۴۰۱ھ میں ہلاک ہوا (تفصیلی واقعات ابن خلکان اور تاریخ مصر میں موجود ہیں،

۴۔ بساسیری، ابوالحرث ارسلان بن عبداللہ بساسیری شروع میں بہاؤالدولہ دیلمی کا غلام تھا رفتہ رفتہ ترقی کا وہ رتبہ حاصل کیا کہ ملوک امرائے وقت اس کے نام سے ہراساں رہنے لگے،

۶ ذی قعدہ ۴۵۰ھ میں یہ دارو بغداد ہوا اور کامل ایک سال تک تمام شہر و نواحی شہر پر قابض رہا، عجیب اتفاق یہ ہے کہ بغداد سے کوچ بھی اس نے ۶ ذی قعدہ ۴۵۱ھ میں کیا۔ اسے طغرل کے سپاہ نے ذالحجہ ۴۵۱ھ میں قتل کر دیا، (ابن خلکان ج ۱)

۵۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ (بیان دولت عباسیہ)

۶۔ لیکن قرامطہ نے بھی اسے پریشان کرنے اور اس کا تختہ الٹنے کے لئے ہندوؤں تک سے ساز کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، (رئیس احمد جعفری)

۷۔ تاریخ بیہقی (حسنک وزیر کا قصہ)

قرمطی اور اسماعیلی و فاطمی، قرمطی سے مراد ہر وہ شخص لیا جاتا تھا جو خلافت عباسی کا مخالف ہو۔ چنانچہ عہد عباسی میں تمام مخالفان خلافت عباسی کو قرمطی یا ملاحدہ یا اسمٰعیلیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا،

گذشتہ حاشیہ میں اس بات کو واضح کر چکا ہوں کہ قرمطی یا فاطمی اور اسمٰعیلی میں بہت زیادہ فرق ہے۔

اسماعیلی ایک خالص اور مستقل فرقہ ہے جو امامت کو حضرت صادق کے بعد ان کے صاحبزادے اسمٰعیل تک منتہی مانتا ہے اور انہیں قائم مہدی قرار دیتا ہے، فاطمیان مصر، اور اسماعیلیان ایران اسی عقیدے کے حامل ہیں۔ لیکن قرامطہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے پوتے محمد بن اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔ اور انہیں قائم مہدی قرار دیتے ہیں، لفظ "باطنی" کا دونوں پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ہر دو احکام شریعت میں تاویل کے قائل ہیں، قرامطہ کا شعار بھی فاطمیوں کی طرح پرچم سفید تھا، جس پر مرقوم ہوتا تھا:

"ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمۃ ونجعلهم الوارثین ۔"

زمین پر رہنے والے کمزور لوگوں پر ہم احسان کریں گے، اور انہیں امام، اور وارث ارض بنادیں گے"!

یہ دونوں فرقے حضرت صادق علیہ السلام پر مبنی تھے، لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل جملہ شیعہ فرقوں سے جدا مانے جاتے ہیں - ہر دو فرقوں کی روح نہفتہ مذہب تسنن سے مخالفت اور ضدیت ا... اساس خلافت عباسی ہے -

خلافت عباسی کے ہوا خواہوں اور ماننے والوں کی طرف سے بے شمار باتیں ان دونوں فرقوں کی بابت مشہور کر دی گئی ہیں جو سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہیں - البتہ اس میں شبہ نہیں کہ قرامطہ سے بعض نہایت مکروہ اور زشت حرکتیں سرزد ہوئیں۔ مثلاً حرم کعبہ میں حاجیوں کا قتل عام جس نے دونوں فرقوں کے دامن کو آلودہ کر دیا، لیکن متعصب لوگوں نے اس جرم کو تمام شیعوں اور طرفداران آل علیؑ کی گردن پر ڈال دیا،

بعض امور میں مشابہت کے باعث جہال اور متعصبین کا کیا ذکر، بعض مورخین اور علمائے بزرگ تک اشتباہ میں پڑ گئے، اور قرمطی و اسماعیلی یا فاطمی کے مابین جو فرق ہے اسے نظر انداز کر گئے -

اساس مذہب قرمطی، اسماعیلیوں کی طرح مذہب قرمطی کی اساس بھی دوسری صدی ہجری میں پڑی، لیکن اس کا نام قرمطی نہ تھا، اس فرقہ کا ظہور اس نام کے ساتھ تاریخ اسلامی میں تیسری صدی ہجری کے نیمۂ دوم کا واقعہ ہے،

جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں، اس فرقہ کا بانی، خوزستان کا ایک زاہد متقشف شخص تھا جو پوشیدہ طور پر اس مذہب کا عامل تھا اور سواد فرقہ کا ایک شخص کرمتیہ کہ جسے نبطی زبان میں "سرخ چشم" کہتے ہیں، اس کی نگہداری کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے دعاۃ مذہب میں شامل ہو گیا، بایں جہت خود اس کا مذہب کرمتیہ کے نام سے مشہور ہو گیا - چنانچہ لفظ "قرمط" یا قرمطی" اسی کرمتیہ سے وجود آیا ہے -

بعض کا قول ہے کہ اس مذہب کے ایک داعی بزرگ، کوفہ کے رہنے والے حمدان قرمط تھے

اور یہ نام ان کی کوتاہی یا دقامت کے باعث زبان زد ہوگیا،

"نوبختی نے کتاب "فرق الشیعہ" میں یہی لکھاہے، : ص ۷۲، طبع بغداد،

قرمط کا ظہور، کرمیتہ یا قرمط نے معتمد عباسی (۲۵۶ — ۲۷۹ ھ) کے آخری عہد میں سوا

کوفہ میں ظہور کیا، رفتہ رفتہ فتنہ قرامطہ نے جڑ پکڑلی اور قلمرو دولت عباسی میں ایسا آشوب

برپا کردیا کہ معتمد سے لے کر متقی کے عہد تک، یعنی تقریباً ۸۰ سال تک ان خلفا کی زندگی دوبھر رہی

ایران کے لوگ بھی اس آشوب کی اذیتوں اور مضرتوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس زمانہ سے لفظ

قرمطی مخالفان مذہب تسنن و دشمنان خلافت عباسی کے لئے زبان زد ہوگیا، اور رفتہ رفتہ ہر فرقہ

کے مخالف کو "قرمطی" کہنے لگے،

ابوالفوارس اور خلیفہ معتضد کی جھڑپ، کرمیتہ یا قرمط نے جیسا کہ کتب تاریخ

میں بہ تفصیل مندرج ہے جب پورے طور پر کوفے میں اپنے مذہب کی تخم افشانی کرلی تو شام

کی طرف بڑھے،

خلیفہ معتمد کے عہد میں کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ دعوت کوفہ میں پھیل گئی

خلیفہ معتضد (۲۷۹ — ۲۸۹ ھ) کے زمانے میں اس فرقہ کا رئیس کوفہ ابوالفوارس تھا،

معتضد نے لشکر فراہم کیا اور ابوالفوارس کی جمعیت منتشر کرکے اسے گرفتار کرلیا، وہ معتضد

کے روبرو لایا گیا،

معتضد نے سوال کیا،

"تمہارا عقیدہ ہے کہ روح خدا، اور ارواح انبیاء تمہارے اجساد میں حلول کرگئی ہے، ا

تم لوگ خطا و لغزش سے پاک ہو؟

ابوالفوارس نے جواب دیا،"

اس سوال سے آپ کا مطلب حل نہیں ہوگا،"

معتضد نے کہا" پھر کس بات سے میرا مطلب حل ہوگا؟"

ابوالفوارس نے جواب میں کہا، :

"تیرے جد عباس نے آں حضرتؐ کی وفات کے بعد دعوائے خلافت نہ کیا، پھر جب ابوبکرؓ نے وفات پائی، تو عباس کو خلافت کے لئے نامزد نہ کیا، عمرؓ نے کارِ خلافت شوریٰ کے سپرد کیا، ارکان شوریٰ چھ نفر تھے اور ان میں عباس شامل نہ تھے، خود شوریٰ نے بھی عباس کو اس منصب کا اہل نہیں قرار دیا، پھر کس دلیل سے تو مستحق خلافت بن گیا؟"

معتضد نے حکم دیا۔

"اسے قتل کر دو،!"

وہ قتل کر دیا گیا،

زکرویہ بن مہرویہ، یہ کوفہ میں قرمطی کا داعی تھا اس نے ایک گروہ اپنے گرد جمع کر لیا ۲۹۱ھ میں لوگوں نے اس کے بیٹے ابو القاسم یحییٰ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور اسے شیخ کا لقب دیا، معتضد کے ایک مولانے اصافہ سے سپاہ لے کر اسے ہلاک کر دیا اور اس کے آدمیوں کو تتر بتر کر دیا

ابو سعید حسن بن بہرام جنابی، اسی زمانے میں بحرین میں ابو سعید حسن بن بہرام جنابی نے جو سواحل فارس کا رہنے والا تھا ظہور کیا، اہالی بحرین و قطیف کی ایک بہت بڑی جمعیت اس کے گرد ہو گئی ۲۸۷ھ میں اس نے بصرے پر حملہ کیا، معتضد نے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی، جنابی نے سپاہ معتضد کے سرگروہ عباس بن عمرو غنوی کو گرفتار کر لیا اور اپنے لشکر کو شکست دی اور قتل و غارت کرتا ہوا ہجر چلا گیا، اس ہنگامے نے اہل بصرہ کو اتنا ہراساں کر دیا کہ وہ شہر چھوڑنے پر تیار ہو گئے،

یحییٰ اور ذو الشامہ، معتضد عباسی کے زمانہ میں بحرین عراق، اور شام فتنۂ قرامطہ کا مرکز بنے ہوئے تھے، ۲۸۹ھ میں زکرویہ نے اعراب کے ایک گروہ کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ اور لوگوں نے اُس کے بیٹے یحییٰ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور کوفہ سے لے کر دمشق تک آشوب برپا کر دیا، یہ جہاں بھی پہنچے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نواحی شام میں قرامطہ اور مصریوں و شامیوں کے مابین زبردست جنگ ہوئی، یحییٰ اس جنگ میں ہلاک ہو گیا اور اس کا بھائی حسین بن زکرویہ ذو الشامہ کے نام سے اس کا جانشین ہوا اور بالآخر قرامطہ ارض شام پر مسلط ہو گئے۔ یہ جس شہر میں بھی جاتے پہلے اپنی دعوت پیش کرتے، اگر مردم شہر دعوت قبول کر لیتے تو ان کی جان و مال کو امان دی جاتی، ورنہ قتل و غارت کے لئے تلوار میان سے نکل آتی، یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں تک کی جان بخشی نہ کی جاتی،

اہالی شام نے خلیفۂ عباسی المکتفی باللہ (۲۸۹ - ۲۹۵ھ) سے فریاد کی، خلیفہ خود ایک لشکر گراں لے کر شام کی طرف روانہ ہوا، قرامطہ کو شکست دی، اور بہت بڑے گروہ کو گرفتار کر لیا ۲۹۱ھ میں ذوالشامہ کو قتل کر دیا، اور نواحی شام کو اس فتنہ سے پاک کر دیا،

گو زکرویہ کے بیٹے اور خواص ہلاک ہو گئے، لیکن سرفتنہ ہنوز زندہ تھا، اس نے جماعت کی پھر سے شیرازہ بندی کی، اپنے آپ کو سید کے نام سے متعارف کر دیا، اور قاسم بن احمد کو اپنا داعی قرار دیا ۲۹۳ھ میں کوفہ پر قبضہ کر لیا اور بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا ۲۹۴ھ میں حجاج کے قافلے کو جو مکہ سے خراسان و عراق واپس جا رہا تھا ہدف ستم بنایا، ایسا قتل عام کیا کہ ایک آدمی تک نہ بچا جو اس حادثے کی خبر دے سکتا،

خلیفہ نے پھر بہت بڑا لشکر جمع کیا اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بہت سے قرامطہ اس جنگ میں مارے گئے۔ زکرویہ گرفتار ہوا اور پانچ دن کے بعد وفات پا گئے،

ابوطاہر سلیمان جنابی، زکرویہ، اس کی اولاد، اور اس کے خواص ہلاک ہو گئے، لیکن دنبالہ فتنہ ہنوز بحرین میں بدستور جنابی موجود تھا، ابو سعید حسن بن بہرام جنابی ۳۰۱ھ میں اپنے خادم کے ہاتھوں بحر کے ایک حمام میں مارا گیا، بایں صورت کہ ہجر احساء قطیف، اور دیگر بلاد بحرین اس کے قبضہ تسلط میں تھے اب اس کا بیٹا ابوطاہر سلیمان جنابی اس کا جانشین ہوا، اس نے ۳۱۱ھ میں بصرہ پر قبضہ کر لیا، اور جلد قتل و خون کیا، سارا مال لوٹ لیا، عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد اسیر کر لی، اور ہجر لوٹ گیا۔ یہاں سے مکہ کی طرف بڑھا اور بہت سے حاجیوں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا، اس فتنہ میں خلق خدا کی بہت بڑی تعداد یا تو قتل ہوئی، یا شدت گرسنگی و تشنگی سے ہلاک ہو گئی،

بغداد اور انبار پر قرامطہ کا قبضہ، ۳۱۵ھ میں ابوطاہر نے کوفہ پر چڑھائی کی اور خلیفہ المقتدر (۲۹۵ - ۳۲۰ھ) کی سپاہ سے جنگ کی اور اسے مغلوب کر دیا اور اس کے سالار یوسف بن ابوالساج کو مع ایک بہت بڑی جماعت کے گرفتار کر لیا اس واقعہ نے بغداد میں عجیب سراسیمگی پیدا کر دی، ابوطاہر نے شہر انبار پر بھی قبضہ کر لیا، اور سپاہ خلیفہ کو یہاں بھی شکست فاش دی، جہاں بھی گیا، فاتح کی حیثیت سے پہنچا۔ ان پیش قدمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سواد کوفہ میں رہنے والے دس ہزار سے زیادہ لوگوں نے جو درحقیقت قرمطی تھے اپنے مذہب کا علی الاعلان اظہار کر دیا، اور حریث بن مسعود کو اپنا پیشوا بنا لیا، اس طرح عین التمر اور اس کے نواحی میں بہت بڑی جماعت نے دین قرمطی کا اعلان کر دیا، ان کا سردار عیسیٰ بن موسیٰ تھا، یہ جہاں پہنچے

فتنہ و آشوب اپنے ساتھ لیتے گئے ، انہوں عمال بغداد کو معزول کر دیا اور خود خراج وصول کرنے لگے ،

مقتدر نے پھر ان کے مقابلے میں بہت بڑی سپاہ بھیجی اور ان کی جمعیت منتشر کر دی ،

غلاف کعبہ اور حجر اسود کی بے حرمتی ، ابو طاہر نے ۳۱۷ھ میں عجیب کام کیا ، اپنی سپاہ مکہ بھیجی اور روز ترویہ کو قتل عام کا فرمان صادر کیا ۔ مقتولین کی بہت بڑی تعداد کو چاہ زمزم میں پھینک دیا ۔ حرمت حرم تک کا خیال نہ کیا ، حجر اسود کو اکھاڑ لیا اور ہجر بھیج دیا ، اس نے ایسے افعال شنیعہ انجام دیئے کہ بقول بعض عبید اللہ المہدی تک نے اسے سرزنش کی ۔ چنانچہ اس نے اس وجہ سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا ، لیکن غلاف کعبہ چونکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا ، لہذا اس کی تلافی ممکن نہ تھی ،

خلیفہ راضی کا اظہار عجز ، ۳۲۲ھ میں خلیفہ راضی باللہ (۳۲۲ - ۳۲۹ھ) نے ایک پیام ابو طاہر کے پاس بھیجا اور خواہش کی کہ حجاج کا راستہ روکنے سے باز آجائے اور اطاعت قبول کر لے ، اپنے مقبوضہ بلاد میں سے جہاں چاہے بے فکری سے رہے ۔

قرامطہ اس سال حاجیوں کے راستے میں مزاحم نہیں ہوئے ، ۳۲۳ھ میں ابو طاہر نے پھر حاجیوں کے راستے میں روک بننا چاہا ، علویوں کے ایک گروہ نے ان کی شفاعت کی ، ابو طاہر نے یہ شفاعت اس شرط پر قبول کی کہ لوگ بغداد واپس چلے جائیں ، اور مکہ نہ جائیں ، چنانچہ اس سال کوئی شخص عراق سے سفر حج کے لئے باہر نہیں نکلا ۳۲۶ھ میں ان اسباب کی بنا پر جو تاریخ میں مذکور ہیں ، قرامطہ کی سیاست میں اختلال پیدا ہوا ۔ چنانچہ اس وجہ سے ہجر میں مقیم رہے باہر نہیں نکلے ۳۳۲ھ میں ابو طاہر کی وفات ہو گئی ،

ابن خلکان اور ابن اثیر کی تصریحات ، ابن خلکان نے ابن اثیر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کوفہ میں قرامطہ کا ظہور ۲۷۸ھ میں ہوا اور ابو سعید جنابی کا ظہور بحرین میں ۲۸۶ھ میں ہوا ، اور جنگ کے بعد بصرہ پر قبضہ ۲۸۷ھ میں ہوا شام میں قرامطہ کا سال ورود ۲۸۹ھ ہے ، حاجیوں کا قتل عام ، جامۂ کعبہ اور حجر اسود کا اتارنا اور اکھاڑ لیجانا ۳۱۷ھ کا واقعہ ہے ، یہ قول کہ عبید اللہ المہدی کی سرزنش سے متاثر ہو کر ابو طاہر نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا ، صحیح نہیں معلوم ہوتا ، کیونکہ مہدی کی وفات کے ۷ سال بعد یعنی ۳۳۹ھ میں اپنی جگہ پر دوبارہ نصب کیا گیا ۔ چنانچہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں ۲۲ سال تک رہا ، بعض کے نزدیک مدت کچھ کم بھی ہے ، بعض ۷ سال بتلاتے ہیں ، بعض ۱۷ سال ،

— واللہ اعلم ،

دمشق پر قرامطہ کا قبضہ، ابوطاہر کے بعد اس کے اعقاب اور پیروکاروں نے بحرین کے علاقہ میں غارتگری کی، ابن خلکان نے بیان کیا ہے، کہ ۳۶۰ھ میں قرامطہ نے دمشق پر قبضہ کر لیا، اور جعفر بن فلاح حاکم مصر کو قتل کر دیا،

ناصر خسرو اپنے سفر ہفت سالہ (۴۳۷ — ۴۴۴) کے اثنا میں لحسا پہنچا، اس نے قرامطہ کی تشکیلات، عقائد اور طرز حکومت کے بارے میں اپنے "سفر نامے" میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔

خلاصۂ کلام، خلاصۂ سخن یہ کہ لفظ قرمطی اور فرقہ قرامطہ کا ظہور تیسری صدی ہجری کا واقعہ ہے اس میں اور اسماعیلی و فاطمی فرقے میں زبردست فرق ہے۔ رفتہ رفتہ لفظ قرمطی ملحد و زندیق کا مترادف بن گیا۔ کبھی اسے جملہ طائف شیعہ اور فرقہ رافضی کے لئے، استعمال کرنے لگے۔ بالجملہ لفظ قرمطی، خاص معنی سے عام میں اور عام سے اعم میں تبدیل ہو گیا۔

لیکن عوام کا کیا ذکر خود علماء اور مورخین تک اشتباہ میں مبتلا ہو گئے

یہ اشتباہ چند چیزوں پر مبنی ہے،

ایک تشابہ تو دولت عباسی کے خلاف جماعت بندی، تحزّب، اور نہضت و خروج ہے دوسرا اشتراک اور بعض اعتقادات میں ہے، اور سب سے بالاتر یہ کہ پیروان عباسی اور ارباب مذہب عامہ نے بالانواع مختلف فرق شیعہ کے خلاف تعقیب شروع کر دی اور سب کو ایک آنکھ سے دیکھنے لگے

جہاں تک روافض (قرامطہ) کا تعلق ہے، انہوں نے بھی اہل سنّت کے مقابلہ میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی، تعصبات جاہلانہ اور اجرائے مقاصد سیاسی کو مذہب کے نام پر اور مذہب کے پردے میں دونوں کو بروئے کار لایا گیا، ان تمام باتوں سے ملّت اسلامیہ کو جو ضرر پہنچا وہ محتاج بیان نہیں، چونکہ یہ مطالب مہمات تاریخ میں سے ہیں، اور ان پر بہت کم تحقیقات کی گئی ہے، لہٰذا اگر اس پر میں نے ذرا بسط و تفصیل سے کام لیا، تو قابل عفو ہوں، (تفصیل کے لئے، ملاحظہ ہو کامل ابن اثیر تاریخ ابو الفدا، تاریخ ابن خلدون، محاضرات تاریخ الامم اسلامیہ، فرق الشیعہ، نوبختی طبع بغداد دول الاسلام ذہبی (ابن خلکان وغیرہ)

۸ طبقات الشافعیہ سبکی ج ۴

۹ تاریخ گزیدہ کے مطابق حسن بن صباح پہلے اثنا عشری شیعہ تھا اور عبد الملک عطاش کی تبلیغ متاثر ہو کر پیروان خلفائے فاطمی میں شامل ہو گیا، محاضرات الامم الاسلامیہ" میں ہے کہ احمد

عبدالملک عطاش بزرگ ترین دعاۃ فاطمیہ میں سے تھا، حسن بن صباح کو اس نے اس مذہب کا پیرو بنایا تھا،

۱۰ اس سلسلہ کے بادشاہوں کی تعداد آٹھ ہے ان کی مدت حکومت ۴۸۳ھ سے ۶۵۴ھ تک ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حسن بن صباح ــــ تاریخ وفات ۶ ربیع الاول، شب چہار شنبہ ۵۱۸ھ

۲۔ بزرگ امید ــــ متوفی ۵۳۲ھ ــــ!

۳۔ محمد بن بزرگ امید، ــــ متوفی ۵۵۷ھ

۴۔ خداوند حسن بن بزرگ امید علی ذکرہ السلام، متوفی ۵۶۰ھ

۵۔ خداوند محمد بن حسن بن بزرگ امید، سال وفات ۶۰۷ھ

۶۔ خداوند جلال الدین حسن نومسلمان ابن محمد بن حسن، سال وفات ۶۱۸ھ،

۷۔ خداوند علاؤ الدین محمد بن جلال الدین حسن، سال وفات ۶۵۳ھ

۸۔ خداوند رکن الدین خورشاہ بن علاؤ الدین محمد، سال وفات ۶۵۴ھ

اس سلسلہ کے بادشاہوں کو کبھی لفظ "کیا" سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ متعدد معتبر اور متداول کتب تاریخ میں مذکور ہے،

۱۱ ملاحظہ ہو جامع التواریخ، رشید الدین فضل اللہ

(٦)

عہد غزالی اور محاربات صلیبی

عہد غزالی میں جو حوادث مہمہ پیش آئے ان میں ایک زبردست حادثہ صلیبی جنگوں کا ہے، محاربات صلیبی کا سلسلہ ۴۹۰ھ سے ۶۹۰ھ تک یعنی دو سو برس تک کبھی انتہائی شدت کے ساتھ کبھی ضعف و انحطاط کے ساتھ جاری رہا، اس فتنۂ عجیب نے جملہ بلاد اسلامی کو مشغول رکھا، ہر سال ممالک اسلامیہ میں اس کے باعث نئے نئے حادثے ظہور پذیر ہوتے، ان حوادث کا بڑا حصہ ابن اثیر نے اپنی کتاب "الکامل" میں اور یافعی نے مرآۃ الجنان میں، اور ذہبی نے دول الاسلام میں اکٹھا کر دیا ہے،

اس حادثہ کا موقع ظہور بلاد روم کا وہ علاقہ تھا جو ایشیائے صغیر میں ترکوں کے اقتدار و تسلط میں تھا، جہاں قلیج ارسلان ۴۸۵ھ سے ۵۰۰ھ تک حکومت کرتا رہا تھا،

اس زمانہ میں المستعلی باللہ فاطمی (۴۸۷ھ — ۴۹۵ھ) مصر اور دیگر ممالک خلفائے فاطمی پر نافرماں روائی دے رہا تھا، المستظہر باللہ عباسی (۴۸۷ — ۵۱۲ھ) قلمرو عباسی میں خلیفہ اور حکمران تھا ابوالمظفر برکیارق (۴۸۷ — ۴۹۷ھ) اور محمد بن ملک شاہ سلجوقی (۴۹۸ — ۵۱۱ھ) ایران کے بہت بڑے حصہ پر حکومت و سلطنت کر رہے تھے حسن بن صباح (۴۸۳ — ۵۱۸ھ) الموت پر اپنا پرچم سطوت و اقتدار لہرا رہا تھا، نیز ایران کے بلاد شرقی و شمالی پر بھی مسلط تھا اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے تشکیلات میں مشغول تھا،

تاج الدولہ تتش بن الپ ارسلان مؤسس سلجوقیہ سوریہ بیت المقدس پر قابض تھا، جسے اس نے امیر سقمان بن ارتق ترکمان متوفی ۴۹۸ھ کی سپردگی میں دیدیا تھا، صلیبیوں نے ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ء میں بیت المقدس ہی کو مورد توجہ قرار دیا، اور حملے کرنے لگے،

۴۹۳ھ میں ایک صلیبی جنگ کے موقع پر، عیسائیوں کو زبردست شکست ہوئی، ۴۹۴ھ میں

پھر ایک معرکہ ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ دعوت فاطمیہ بلاد عراق و جبل میں پھیل چکی تھی، عیسائیوں نے بلاد شام کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا، ۴۹۷ھ میں ان کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے حران پر حملہ کر دیا، اور امیر سقمان کو ان سے جنگ کے لئے میدان میں آنا پڑا،

فتنۂ صلیبی میں جملہ دول اسلامی مانند دولت فاطمیہ، و سلاجقہ، و اتابکیہ و ایوبیہ وغیرہ سب کو سرگرم حرب و ضرب رہنا پڑا، اس طرح کے پے در پے وقائع مسلمانوں کی شکست یا فتح پر منتج ہوتے رہے،

ادھر ایران میں داخلی فتنہ سامانیاں برکیاروق اور سلطان محمد سلجوقی کے مابین معرکہ آرائیوں کی صورت میں رونما ہونے لگیں، جن کا سلسلہ ۴۹۲ھ سے ۴۹۷ھ تک جاری رہا۔ اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ نکلا کہ داخلی فتنہ آرائیوں کے باعث سلاجقہ ختم ہو گئے، کیونکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حسن بن صباح کو خوب موقع ملا، اس نے روز بروز نواحی ایران میں نفوذ اور پیش رفت حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور دوسری طرف اس کا زیاں ملت اسلامیہ کو پہنچا، عیسائیوں نے حصول بیت المقدس کے لئے جنگ او محاربہ کے نہ ختم ہونے والے دور کا آغاز کر دیا، اس فتنہ نے ایک اچھی صورت یہ پیدا کی کہ دول اسلامی نے نفاق باہمی سے کنارہ کشی اختیار کر کے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اس سیل بلا کو روکنے میں پوری قوت صرف کر دی

اس وقت جب محاربات صلیبی کا آغاز ہو چکا تھا، غزالی فتنہ کے اس مرکز میں ریاضت و عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول تھے، ہتھیاروں کے اس شور اور رزم و پیکار کی اس غوغائی آرائی کے وقت وہ بھی اپنے اسلحہ استعمال کرنے لگے، ـــــ فکر بلند اور اندیشہ ارجمند کے ہتھیار اور اسلحہ،! ـــــ اور کوئی شبہ نہیں انہوں نے ان ہتھیاروں سے خوب کام لیا اور کار نمایاں انجام دے ڈالا۔ اس بات کو آئندہ چل کر ہم بسط و تفصیل سے حسب موقع بیان کریں گے،!

---

(۷)

عہد غزالی کے اختلافات مذہبی

جیسا کہ فصول گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے، پانچویں صدی ہجری یا دوسرے الفاظ میں عہد غزالی تمام [illegible] جدل و پیکار فکر کا دور ہے،

علوم و معارف کی رونق بازار اور رواج عام نے مدارس اسلامی، مجامع علمی، اور مجالس مذہبی [illegible] تشکیل میں روز افزوں حصّہ لیا اور ان اداروں کا عروج علما و فقہا کے مابین متنوع قسم کے مجادلات و مناظرات کا سبب بنا، اور جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں فن خلاف و مناظرہ نے اس صدی میں سر دور سے [illegible] ترقی کی،

جس دور میں غزالی نمودار ہوئے، اختلافات علمی و مذہبی جملہ بلاد اسلامی میں بہ حد کامل موجود تھے او[ر] روز ایک نئے رنگ میں جلوہ گر ہوا کرتے تھے،

اس فصل میں میرا مقصد یہ ہے کہ انواع اختلافات اور فکری جدل و پیکار کا کچھ حصّہ پیش خدمت کر دوں،

یہ علمی اور فکری رزم آرائی زیادہ تر مذہبی اور عقائدی اختلافات پر مبنی تھی۔ اس پر جب تک نظر نہ ہو غزالی کا صحیح مقام آشکارا نہیں ہو سکتا۔

پانچویں صدی ہجری میں فرق اسلامی کے اختلافات نے مکمل طور پر ظہور کیا۔ اور ان مشاجرات نے نو[بت] کشت و خون، اور خانہ جنگی تک پہنچا دی،

مذہب تشیع کہ بعد از رحلت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اساس پذیر ہو، اور آل بویہ کے دور میں علانیہ رائج ہوا۔ ایران اور بغداد میں اس کے ماننے والوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ یہ [illegible] تشکیلات خصوصی کے اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتا تھا،

اس دور میں شیعہ اور سنی ایک دوسرے کی مخالفت میں حد سے بڑھ گئے۔ کئی مرتبہ ان دونوں فرقوں کے مابین بڑی بڑی لڑائیاں بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں میں برپا ہوئیں، اور بے اندازہ مخلوق خدا ہلاک ہوگئی،

یافعی اور ابن اثیر نے شیعوں اور سنیوں کے درمیان برپا شدہ واقعات خوں بار کو حوادث سال ہائے ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۲۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۸۰، ۴۷۸ھ، اور دیگر سالوں کے واقعات میں بشرح و بسط تحریر کیا ہے،

یہ تمام واقعات و حوادث اپنی نوعیت میں بہت سخت قسم کے تھے، مثلاً ۴۰۷ھ کا واقعہ شہر واسط میں برپا ہوا، جس کے نتیجہ میں شیعوں کے مکانات نذر آتش کر دیئے گئے، اور اہل تشیع علی بن مزید کے پاس پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرح ۴۴۳ھ میں بغداد کے محلہ کرخ میں شیعوں نے مسجدوں کے دروازوں پر "محمد و علی خیر البشر" اور "حی علی خیر العمل" کے الفاظ جو ان کے عقائد و آداب مخصوص کی حیثیت رکھتے ہیں لکھ دیئے، اس حرکت کے نتیجہ میں اہل سنت نے ایک غوغائے عظیم برپا کر دیا نتیجہ کشت و خون کی صورت میں نکلا، جس میں بہت سے زن و مرد ہلاک ہوئے، یافعی نے ۴۰۷ھ کے واقعات میں لکھا ہے۔:

شیعوں اور سنیوں کے مابین فتنہ و فساد رونما ہوا جس میں بہت سے لوگ قتل ہوئے اور بہت سے مکانات جلا دیئے گئے، ۱

اس پر دوسرے سنین کے واقعات کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے،

فاطمیین مصر اور اسماعیلیہ ایران دونوں شیعہ تھے، جو عباسیوں، سلجوقیوں، بلکہ تمام حامیان و پیروان مذہب اہل سنت کے خلاف بانواع مختلف مصروف کار تھے، اسی طرح سنی بھی، کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے دونوں طرف سے ایک دوسرے کی ضد اور مخالفت میں سخت ترین اقدامات روا رکھے جاتے تھے،

اسماعیلیہ کے داعی اور بحث ایران میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کر رہے تھے، نواحی قزوین و قہستان و خراسان بلکہ مرکز سلطنت یعنی حدود اصفہان تک میں انہوں نے غیر معمولی سطوت و قوت حاصل کر لی تھی اور سلاجقہ کو سخت پریشانی اور کوفت میں مبتلا کر دیا تھا،

۴۹۲ھ میں دعوت باطنیہ اصفہان یعنی سلاجقہ کے دار الحکومت میں پھیلنا شروع ہوگئی، چنانچہ ان نواحی میں بھی ان کی شان و شوکت میں حیرت آفریں اضافہ ہونے لگا۔

۴۹۴ھ میں اس جماعت کے پیروؤں اور حامیوں کی تعداد عراق وجبل میں بہت زیادہ بڑھ گئی، اس عیاریں کم انہوں نے بہت زیادہ قوت وشوکت حاصل کر لی،

۵۰۰ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے اصفہان کے باطنیہ سے جنگ کی، اس فرقہ کا سردار احمد بن عبدا بن عطاش قلعہ شاہدز سے زیر ہو کر آیا، اور بری طرح اصفہان میں قتل کیا گیا[۲]

۵۰۲ھ میں قاضی القضاۃ عبید اللہ بن علی خطیبی ہمدان اور ابوالاعلا صاعد بن محمد اصفہان میں عید عیدالفطر کے روز اس طائفہ کے ہاتھوں قتل ہوئے [۳]

اس طرح کے واقعات مصر کے خلفائے فاطمین (۲۹۷-۵۶۷ھ) اور اسماعیلیہ (۴۸۳-۶۵۴ھ) کے طویل دور میں برابر ہوتے رہے اور بلاد وممالک اسلامی خاص طور پر ایران میں فتنے، لڑائیاں اور ہنگامے واقع ہوتے رہے[۴] اور یہ سب کچھ کے مقابلہ میں شیعوں کی نہضت اور عباسیوں کے مقابلہ میں علویوں کو مسند آرائے خلافت کرنے کے سلسلہ میں ہو رہا تھا،

سلاجقہ اور ان کے وزیر معروف خواجہ نظام الملک نے اہل سنت کی حمایت اور خلافت عباسی کی نگ میں جملہ شیعہ فرقوں اور خاص طور پر اسماعیلیوں اور پیروان خلافت فاطمی کی سخت مخالفت کی، اور ان کے تو تمع میں یہ انواع مختلف برسرکار رہے اور ان فرقوں کے نفوذ تبلیغات کی مخالفت ہر وسیلہ اور ذریعہ کو کام میں لاکر

تعلیقات

۱؎ مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ج ۳ ۔ ص ۱۲۲ طبع حیدرآباد دکن -

۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، کتاب راحۃ الصدور (راوندی)

۳؎ مرآۃ الجنان یافعی ج ۳ ص ۱۷۱

۴؎ ابن اثیر (الکامل) یافعی (مرآۃ الجنان) ذہبی (دول الاسلام) سبکی (طبقات الشافعیہ) میں کہیں تف سے کہیں اختصار سے یہ واقعات درج ہیں -

(۸)

جامع ازہر مصر اور نظامیہ بغداد

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں فاطمی خلفا نے مصر میں جامع ازہر کے نام سے ایک عظیم درس گاہ کی تاسیس کی[۱]۔ اس تعلیم گاہ کا اصل مقصد ترویج علوم دینی اقامت شعائر مذہبی اور تائید مذہب تشیع علویہ تھا، اتفاق کی بات اہالی مصر کی اکثریت کا مذہب شافعی تھا، اور شیعہ علویہ کو فروغ مذہب شافعی سے چنداں اختلاف نہ تھا، لیکن خلفائے عباسی امام ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے، جسے مذہب شافعی اور شیعہ سے اختلاف بسیار تھا یہی وجہ ہے کہ عباسی قلمرو میں شیعہ سخت فشار میں مبتلا رہے،

جامع ازہر چوتھی صدی ہجری کے وسط میں تاسیس پذیر ہوئی، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں خواجہ نظام الملک طوسی نے بغداد میں مدرسۂ نظامیہ کی بنیاد ڈالی[۲]

اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بقول بعض بلاد عراق و خراسان کے ہر شہر میں اور بقول معروف، تمام اہم شہروں مثلاً اصفہان، بلخ، نیشاپور، ہرات، بصرہ، آمل طبرستان و موصل وغیرہ میں اسی نام سے مدرسے قائم کئے، اور نیشاپور میں ایک ہسپتال (بیمارستان) بھی نظامیہ کے نام سے تعمیر کیا،

بعض بلاد ایران مثلاً نیشاپور میں مدرسۂ نظامیہ سے پہلے بھی مدارس موجود تھے[۳] لیکن نظام الملک کی اولیت اس وجہ سے مانی جاتی ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے مدارس اسلامی کے لئے مخصوص نظم و اسلوب کی طرح ڈالی،

ان مدارس کی تاسیس سے نظام الملک کا مقصد یہ تھا کہ مذہب کے علوم و معارف رواج پائیں اور طریقۂ اہل سنت و جماعت کو شیعہ فرقوں خاص طور پر فاطمیوں کے مقابلہ میں منظم طور پہ پیش کیا جائے۔

جامع ازہر اور مدرسۂ نظامیہ کا بنیادی مقصد گویا بنیادی مقصد ان دونوں مدرسوں جامع ازہر مصر اور نظامیہ بغداد کا تبلیغ مذہب ہی تھا یہی باعث ہے کہ اس زمانہ میں مناظرہ اور جدال فکر کا زور شور بہت رہا؛

اس زمانے کے سب سے بڑے مناظر ابو اسحاق شیرازی تھے جنہیں خاص طور پر نظامیہ میں تدریس کے لئے بھیجا گیا بلکہ امر
یہ ہے کہ نظام الملک کا اصل مقصد مدرسۂ نظامیہ بغداد قائم کرنے سے یہ تھا کہ ابو اسحاق شیرازی طلبہ کو فنون مناظرہ وخلا
سے آشنا کریں[4] تاکہ اس طرح مجادلات ومناظرات کے لئے علماء کار آزمودہ تیار ہو سکیں،

بالجملہ چوتھی صدی ہجری میں جامع ازہر اور پانچویں صدی ہجری میں مدرسۂ نظامیہ کا قیام درحقیقت رقابت
شیعہ اور اختلاف تشیع وتسنن کا نتیجہ تھا،

چونکہ فرقہ اسماعیلیہ درحقیقت تمام احزاب وفرق اسلامی سے مخالفت رکھتا تھا، لہٰذا ایسا بھی ہوتا تھا کہ شیعہ
کے دیگر فرقے مثلاً امامیہ بھی جان کے خوف سے اہل سنت اور ہوا خواہان عباسی سے باطنیہ کی مخالفت میں تعاون اور رفا
میں ہم دست اور ہم داستان ہو جایا کرتے تھے۔

اسماعیلیوں کے خلاف شیعہ سنّی اتحاد، ۴۰۲ھ ایک محضر تیار ہوا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ یہ فرقہ
مجوسی ہے اور بابک خرمی کے مسلک پر عامل لوگوں کی طرح ہے، اس محضر پر سنی علماء کے ساتھ ساتھ شیعہ علماء نے بھی دستخ
تھے، ان دستخط کرنے والوں میں از جملہ بزرگان شیعہ اثنا عشری سید مرتضیٰ علم الہدیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور ان کے
نقیب الاشراف سید رضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے بھی تائید کی اور دستخط ثبت فرمائے تھے،[5]

سید رضی اور سید مرتضیٰ اور ان کے ہم خیالوں کے اس اقدام کا محرک دو طرفہ ترس جان تھا، یعنی وہ فاطمیوں
بھی خائف تھے اور عباسیوں سے بھی،

اس حالت میں کہ شیعہ اور سنّی باہم دیگر مصروف جنگ وجدل تھے۔ خود سنّی فرقے، شافعیہ، حنفیہ، حنبل
مالکیہ سخت رزم وپیکار باہمی میں مصروف تھے اسی طرح اشاعرہ اور معتزلہ بھی آپس میں الجھے ہوئے تھے، ہر طائف
علماء وفقہا دوسرے فرقہ کے عقائد کی مخالفت میں مصروف تبلیغ تھے، جس کا نتیجہ غوغائے عامہ اور عام محار
اور کشت وخون کی صورت میں رونما ہوا کرتا تھا۔

ابو نصر بن احمد ابو القاسم قشیری، یہ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں واعظ تھے، ۴۶۹ھ میں ایک مجل
کے اندر انہوں نے مذہب اشعری کی حمایت اور ابطال عقیدۂ حنبلی میں بات چھیڑی، جس سے ایک فتنۂ عظیم
جس میں بہت سے ہلاک ہوئے[6] آخر کار فخر الملک پسر نظام الملک کو برائے دفع فتنہ خود بغداد جانا پڑا، ا
فتنہ کے نتائج ۴۷۰ھ تک نمایاں ہوتے رہے اس زمانہ میں ابو جعفر بن موسیٰ بغداد کے حنبلی فرقے کے رئیس تھے
شیعہ، سنی اختلافات، نیز شافعیوں کا حنفیوں سے شدید اختلاف اور اشعریوں کا معتزلہ سے

بیشتر بلاد اسلامی میں اور خاص طور پر خراسان، اصفہان میں بہت خطرناک صورت اختیار کر گیا، اور اسلامی فرقوں کے مابین سخت دشمنی پیدا ہو گئی، ـــــ مزید بدقسمتی یہ کہ بعض وزراء و سلاطین بجائے اس کے کہ اس آگ کو بجھاتے، تعصب خام اور سوء تدبیر کے باعث اسے اور ہوا دینے لگے۔

عبد الملک کندری کا فتنہ [۹]، یہ شخص الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر تھا، اس نے ۴۴۵ھ سے خراسان کی مسجدوں میں شیعوں اور اشعریوں پر لعنت بھیجنے کا فتنہ برپا کیا، اس فتنہ کے باعث ہرج مرج عمومی قتل و غارت اور حبس و جلا وطنی کا سلسلہ شروع ہو گیا، حتی کہ امام الحرمین ابو المعالی جوینی اور استاد ابو القاسم قشیری جیسے اکابر رجال تک اس کی زد سے نہ بچ سکے۔

اس واقعہ کو اکثر مورخین نے قلمبند کیا ہے، لیکن سب سے بہتر طور پر ابن اثیر نے وقائع ۴۵۶ھ میں، اور سبکی نے متفرق مقامات پر مختصراً اور ابو سہل بن موفق ۴۵۹ھ کے حالات و سوانح کے ذیل میں مفصل تر (ج ۳، طبقات الشافعیہ) بیان کیا ہے [۱۰]

سبکی نے بعض دوسرے علماء کے احوال و سوانح کے سلسلہ میں ابو المعالی جوینی اور استاد ابو القاسم قشیری کا اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے، اور قشیری کے اصول میں لکھا ہے کہ شافعی اور حنفی فرقوں کے مابین تعصب کا بحران خراسان میں دس سال تک قائم رہا، یعنی ۴۴۵ھ سے ۴۵۵ھ تک، ! (ج ۳، ص ۲۴۵)

دربار میں جو فتنہ عمید الملک کے ہاتھوں رونما ہوا تھا وہ خواجہ نظام الملک طوسی کے حسن تدبیر سے رفع ہو گیا، اور آوارگان وطن ایک عرصہ کی سرگشتگی کے بعد پھر اپنے دیار میں امن کی زندگی بسر کرنے لگے،

فرقہ کرامیہ، اس دور میں جو فرقے اپنے پیروؤں اور سرداروں کے اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں ایک فرقہ کرامیہ بھی تھا، [۱۱] پانچویں صدی ہجری کے نیمہ اول میں اس فرقہ کے رئیس بزرگ نیشاپور میں خواجہ خلیفہ ابوبکر بن اسحاق کرامی تھے [۱۲] انہوں نے اور رئیس اہل تشیع قاضی ساعد نے شیخ ابو سعید ابو الخیر [۱۳] کے قتل کے بارے میں محضر تیار کیا تھا، یہ واقعہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ کا ہے! اس کی تفصیل کتاب "اسرار التوحید" میں موجود ہے ـــ محمود غزنوی ابوبکر کا بڑا احترام کرتا تھا، اور مذہب کرامی سے عقیدت رکھتا تھا، اس نے جو مال فردوسی کو بھیجا تھا، یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے انہی ابوبکر کو عطا کر دیا تھا، [۱۴]

اس صدی کے نیمہ دوم میں بھی کہ عہد غزالی ہے، یہ طائفہ خراسان، اور خاص طور پر نیشاپور اور طوس میں

موجود تھا اور اس نے جماعت بندی اور آشوب و فتنہ میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ،

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ غزالی کے دور میں مذہبی اور فکری اختلافات کا کیا عالم تھا؟ ایک طرف شیعہ سنی اور دوسری طرف سنی فرقے اور اشعری و معتزلی، اسی طرح بعض شیعہ گروہ باہم رزم و پیکار میں شدت کے ساتھ مصروف تھے، اور یہی وہ خانہ جنگیاں تھیں، جو مذہب کے نام پر برپا ہوئیں جو بڑے بڑے آشوب اور انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

اور یہ مذاہب و مسالک مختلفہ کے ارباب کار اگرچہ ایک دوسرے سے جنگ و پیکار میں مبتلا تھے لیکن حکما اور فلاسفہ کا طبقہ جو ان کے حریف کی حیثیت رکھتا تھا سخت بیم و خطر میں اپنے آپ کو محسوس کر رہا تھا، کیونکہ عقائد مذہبی کو، فلسفہ کے پیدا کیے ہوئے شبہات و تشکیکات عقلی کے خطرے میں گھرا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

چونکہ یہ موضوع متعدد حیثیات سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مختصر سا باب اسپرد قلم کیا جائے۔ میں خدائے تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے لغزش اور خطا سے محفوظ رکھے،

تعلیقات

لـ ۳۶۱ھ میں نومسلم سپہ سالار عساکر فاطمی جوہر صقلی کے ہاتھوں جامع ازہر کا وجود عمل میں آیا، (ملاحظہ ہو ابن خلکان، تاریخ مصر القدیم، و خطط مقریزی) یہ فاطمی خلیفہ المعز الدین اللہ کا سپہ سالار تھا، یہ تعلیم گاہ اب تک قائم ہے، مگر ہر عہد میں تغیرات قبول کرتی رہی اور ہر زمانے میں بشکل خاص معرض نمود میں آتی رہی مصر کے مشہور رسالہ الہلال نے اپنے پندرہویں سالنامے کو اس تعلیم گاہ کی تاریخ کے لئے وقف کر دیا تھا

لـ۲ـہ اس مدرسہ کی عمارت ذالحجہ ۴۵۷ھ میں شروع ہوئی، اور دوشنبہ کے دن ۱۰ ذی الحج ۴۵۹ھ کو اس کا افتتاح ہوا، (ابن خلکان)

نظام الملک کی اوّلیت کے اسباب، مدرسہ نظامیہ سے پیشتر نیشاپور میں جو مدرسے قائم تھے وہ یہ تھے،

مدرسہ بیہقیہ — یہ مدرسہ نظام الملک کی پیدائش سے پہلے قائم ہوا تھا،

مدرسۂ سعدیہ ، اسے امیر نصر بن سبکتگین ، برادر سلطان محمود غزنوی والی نیشاپور نے تعمیر کرایا تھا ،

دو اور مدرسے بھی نیشاپور میں مدرسۂ نظامیہ سے پہلے موجود تھے ۔

ا - ایک ابو سعید اسمٰعیل بن علی بن مثنیٰ استرابادی کہ یگانۂ واعظ و صوفی تھے ،

۲ - دوسرا مدرسہ ابو اسحاق اسفرائنی کے لئے تعمیر کیا گیا تھا

اسی طرح دوسرے شہروں کا بھی کم و بیش یہی حال تھا ،

با ایں ہمہ تقریباً تمام مورخین مثلاً ذہبی اور ابن خلکان خواجہ نظام الملک کو وہ پہلا شخص تسلیم کرتے ہیں جس نے ایجاد مدارس کا کارنامہ سرانجام دیا ، ابن خلکان لکھتا ہے ، :

ھو اوّل من انشار المدارس فاقتدی بہ الناس ،

یعنی وہ پہلا شخص ہے جس نے مدارس قائم کئے ، جس کی بعد میں لوگوں نے تقلید کی ،

سبکی نے طبقات الشافعیہ میں بہ ضمن حالات خواجہ نظام الملک (ج ۳ ص ۱۳۷) اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ نیشاپور میں پرانے مدرسوں کے ہوتے بھی نظام الملک کو اس باب میں پہلا موسس مدارس کیوں مانا جاتا ہے ؟ اس پر بحث کرتے ہوئے اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظام الملک وہ پہلا شخص ہے جس نے مدارس کو ترتیب خاص کے ساتھ قائم کیا ، نہ یہ کہ وہ اوّلین موسس مدارس اسلامی تھا ،

سے ملاحظہ ہو تاریخ یافعی و ابن خلکان و طبقات سبکی ،

سے یافعی ، ذکر حوادث ۴۰۲ھ

۵ ابن خلکان و یافعی

سے ابو نصر محمد بن منصور وزارت کے منصب پر طغرل اوّل ، اور الپ ارسلان کے زمانے میں فائز رہا ۴۵۶ھ میں وزارت سے معزول ہوا اور اسی سال ہلاک ہوا ،

سے محمد بن ہبت اللہ بسطامی نیشاپوری ۴۲۳ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد مدرسہ شافعیہ میں تھے ۴۴۴ھ میں ان کی وفات کے بعد ان کے اصحاب نے امام قشیری کی مساعدت سے انہیں باپ کی گدی پر بٹھایا بادشاہ کی طرف سے منصب ریاست شافعیہ و لقب "جمال الاسلام" عطا ہوا ۔

جرب عقائد کے المناک نمونے، عمید الملک حنفی مذہب تھا، شیعوں سے عموماً اور اہل سنّت کے فرقہ شافعی سے خصوصاً سخت کد رکھتا تھا۔ چنانچہ الپ ارسلان بھی ان فرقوں سے سخت بیزار اور برہم ہوگیا۔ چنانچہ اس نے حکم نافذ کیا کہ مساجد کے ممبروں پر، شیعوں اور اشعریوں پر لعنت بھیجی جائے، اسی وجہ سے شافعی حنفی اشعری اور معتزلی فرقوں کے درمیان سخت غوغا آرائی اور فساد انگیزی خراسان میں شروع ہوگئی اور شافعیہ کہ مذہبی اصول کے اعتبار سے اشعری ہیں، بدترین طور پر ہدف مصائب بنے، عبد الملک اور سلجوقی بادشاہ کی شہ پاکر اوباشوں اور غنڈوں نے بھی شافعیوں کی زندگی اجیرن کر دی، اور اس فرقہ کی آزار رسانیوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، اس فرقہ کے فقہاء علماء مانند ابو المعالی جوینی و امام قشیری اور دوسرے اصحاب نے درس وخطابت سے کنارہ کشی کرلی، ابو اسمٰعیل موفق نے عمید الملک سے کہا کہ جس فتنہ کو آپ ہوا دے رہے ہیں اس کا انجام بخیر نہ ہوگا لیکن شافعیہ کے چار اصحاب بزرگ ابو سہل بن موفق، و امام الحرمین، و قشیری، و رئیس فراتی جلاوطن کر دیئے گئے، اس پر ہنگامہ برپا ہوا، رئیس فراتی و قشیری کو نذر زندان کر دیا گیا امام الحرمین کرمان ہوتے ہوئے حجاز چلے گئے اور چار سال تک وطن سے دور رہے، ابو سہل نواحی نیشاپور میں روپوش ہوگئے، اور باخرز میں ایک جماعت حامیوں کی تیار کرکے فراتی و قشیری کو رہا کرانے کے لئے نیشاپور پر حملہ آور ہوئے، اور وہاں کے حاکم سے جنگ کی، آخر کار خواجہ نظام الملک طوسی نے فتنہ کی اس بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا،

۸؎ یہ اہل سنّت کا ایک فرقہ تھا جو تجسّم و تشبیہ باری تعالےٰ کا قائل تھا (ملاحظہ ہو ملل و نحل شہرستانی)

۹؎ ان کے حالات "تاریخ یمینی" کی شرح میں ملیں گے،

۱۰؎ شیخ ابو سعید فضل اللہ الملک بن ابو الخیر محمد میہنی پانچویں صدی ہجری کے نیمۂ اول میں ایران کے بزرگ ترین عارف دانشمند گزرے ہیں ان کی ولادت یکشنبہ ماہ محرم ۳۵۷ھ میں اور وفات روز پنجشنبہ چہار شعبان ۴۴۰ھ میں ہوئی،

کتاب "اسرار التوحید" نیز مجموعہ حالات و اقوال شیخ مشتمل بر حکایات و سوانح ضبط تحریر میں آ جا چکے ہیں، قدیم ترین کتاب جس میں ان کا ذکر ہے "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" ہے یہ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ کی تالیف ہے، جو شیخ کے معاصر تھے، وہ تیسری جلد میں لکھتے ہیں:

بلغنا ان نیساجور الیوم رجلا مکنی ابا سعید ابا الخیر ھکذا معًا من

الصوفية رجلا يلبس الصوف مرة ويلبس الحرير المحرم على الرجال ومرة يصلي الف ركعة ومرة لا يصلي لا فريضة ولا نافلة وهذا كفر محض نعوذ بالله من الضلالة

یعنی !

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آجکل نیشاپور میں ایک صوفی شخص ہے جس کی کنیت ابوسعید ابوالخیر ہے۔ یہ شخص کبھی اون کا لباس پہنتا ہے، کبھی ریشم کا جو مردوں پر حرام ہے، کبھی ایک دن میں ہزار رکعتیں پڑھ ڈالتا ہے، کبھی نماز ہی نہیں پڑھتا۔ نہ فرض نہ نفل۔ یہ کفر محض ہے۔ ہم گمراہی سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔"

کتاب کشف المحجوب میں کہ وہ بھی پانچویں صدی ہجری کی تالیف ہے، شیخ کے احوال موجود ہیں۔ سبکی نے "طبقات الشافعیہ" میں ان کا حال بزرگان شافعیہ کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

[۱] اسرار التوحید، فی مقامات الشیخ ابی سعید "چھٹی صدی ہجری کی فارسی نثر کے گراں بہا آثار میں شمار ہوتی ہے، اس کے مؤلف محمد بن منور بن ابو سعید بن ابو طاہر ابو سعید ابوالخیر ہیں، یہ کتاب ۵۷۰ھ میں لکھی گئی۔ نیز کتاب "مجموعہ حالات و سخنان" میں بھی شیخ کے حالات مذکور ہیں، اس کے مؤلف جمال الدین اور بہ روایت دیگر کمال الدین ابو روح لطف اللہ بن ابو سعید ہیں یہ ۵۵۳ھ اور ۵۷۰ھ کے مابین تالیف ہوئی ان دونوں کتابوں کے مؤلف اعقاب ابوالخیر ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے بعد جن کتابوں میں احوال شیخ تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں، ان میں تذکرۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار ساتویں صدی ہجری اور نفحات الانس جامی نویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں ان کا مآخذ وہی مذکورہ دونوں کتابیں جو شیخ کے اعقاب نے قلمبند کی تھیں۔

[۲] نظامی عروضی اسالی تالیف ۵۵۰ھ) کے "چہار مقالہ" میں فردوسی و سلطان محمود غزنوی کی باہمیت شعر و صلاحیت شاعری داستان بیان کی گئی ہے اس نے لکھا ہے کہ محمود جب اپنے کیے پر پشیمان ہوا تو فردوسی کے لیے اس نے طوس میں رقم خطیر روانہ کی لیکن معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا تو یہ ساری رقم خواجہ ابوبکر اسحٰق کرامی کو دیئے جانے کا حکم صادر کیا تاکہ جو سرائیں نیشاپور اور مرو کے راستے پر واقع ہیں، انہیں طوس کی سرحد تک وسیع کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔"

اس واقعہ سے بعض لوگوں نے رائے قائم کی ہے کہ سلطان محمود مذہب کرامیہ کا پیرو تھا لیکن اس دعوے کا اثبات مؤرخان بزرگ ابن خلکان و یافعی کی تصریحات کے باوجود اشکال سے خالی نہیں واللہ اعلم بحقائق الامور۔

---

(۹)

فلسفہ ودین

فلسفہ کی بنیاد یونان میں پڑی اور وہاں سے وہ دوسری اقوام وملل تک پہنچا، اور ارسطو وغیرہ کی کتابوں کے واسطے سے مسلمانوں تک بھی آیا، فلسفہ کی بنیاد تعقل پر ہے، اور دین کی تعبد پر، اور تعبد و تعقل کی حیثیت جداگانہ ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دین فلسفہ کے ساتھ طبعاً سازگار نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض وقت تعقل خود تعبد اور تقلید کو واجب قرار دیتا ہے، لیکن تعبد اگر از روئے عقل واجب ہو تو وہ بجائے خود عقل ہی کی ایک قسم ہوا،

متکلمین اسلام اور ان کے پیروؤں میں اصولیین احکام عقل وشرع میں تلازم کے قائل ہیں[۱] اولاً حدود ومقتضیات ہیں کہ اس موضوع پر انہوں نے متعدد مواقع پر گفتگو کی ہے[۲] ثانیاً اس تلازم میں حکم عقلی سے مراد وہ تمام احکام عقلیہ نہیں ہیں جو ارسطو، ارشمیدس، اور فیثاغورس وغیرہ سے منسوب ہیں یہ بات ہوتی تو لوگوں کو وجود انبیا ورسل اور کتب آسمانی کی کیا ضرورت رہ جاتی؟ اور متشرع اور فیلسوف کے درمیان اختلاف ہی کیا رہ جاتا؟

میں یہ نہیں کہتا کہ دین فلسفہ کا مخالف یا فلسفہ دین کا دشمن ہے۔ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ دین و فلسفہ کا طریق ومنہاج خاص ہے اس میں سے ہر ایک ہر چیز کا کشف اپنے اپنے طریق پر کرتا ہے۔ حکمت ایمانی اور چیز ہے اور فلسفہ یونانی دوسری چیز "برہان تناہی ابعاد" اور اجرام فلکی میں "استحالہ خرق و التیام" اور "امتناع اعادۂ معدوم" اور مرکز خاک[۳] کی طرف اجسام عنصری کا "میل طبعی" یہ تمام مسائل خالص فلسفیانہ ہیں اس کے برعکس مسائل دینی طرق ماثورۂ انبیا وائمہ دین کی روشنی میں سمجھے جا سکتے ہیں، البتہ اس میں شبہ نہیں کہ بعض مطالب اصول عقائد ارباب مذہب میں ایسے ہیں کہ جن میں قواعد فلسفہ سے بھی استفادہ ممکن ہے نہ یہ کہ ایک علم کے مسائل دیگر علوم سے مخلوط ہوں،

فلسفہ و دین کی آویزش سے جو معجون مرکب پیدا ہوئی وہ نہ فلسفہ کے لئے درماں بخش ثابت ہوئی نہ دین کے لئے، جو لوگ اس تگ و دو میں مصروف رہے، وہ نہ دین کا حق ادا کر سکے نہ فلسفہ کا،

بعض عجیب و غریب اقوال و عقائد جو فن کلام میں پائے جاتے ہیں وہ ہیں "مسئلہ حال" و "قدمائے ثمانیہ" و "جوہر فرد" (جزء لایتجزیٰ) وغیرہ یہ مسائل زیادہ تر اس جہت سے ظہور میں آئے کہ متکلمین نے کوشش کی کہ قواعد فلسفہ کو دینی مسائل سے ہم آہنگ بنا سکیں، چنانچہ ناگزیر ہوا کہ بعض ایسے عقائد و اقوال کا التزام کریں کہ جو در حقیقت نہ دین سے تعلق رکھتے ہیں نہ قواعد فلسفہ سے ،!

یہ بات مسلم ہے کہ ہر دین و مذہب کی اساس ایک خاص قسم فلسفہ کی ہے اور عموم مذاہب کم و بیش اصول فلسفہ سے آمیز ہے لیکن جو فلسفہ ادیان و مذاہب میں پایا جاتا ہے، وہ فلسفہ، طالس ملطی، اور ارسطا طالیس وغیرہ کے مسائل نظری اور قواعد علمی سے بالکل مختلف اور جداگانہ چیز ہے اور اس مبحث میں ہمارا مورد نظر یہی ہے

یوں تو ہر فلسفہ نے ہر دین و مذہب میں راہ بنالی ہے لیکن اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین اس سلسلہ میں جو تفاوت ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے عقل کو معزول نہیں کیا ہے بلکہ ہر جگہ احکام عقل کا قرار واقعی احترام محفوظ رکھا ہے بلکہ لوگوں کو تفکر اور تعقل کی دعوت دی ہے، اصول دین، عقلی دلائل سے درست ہو سکتے ہیں اور فروع مذہب میں علماء کا غالب گروہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عقل کا نص سے معارضہ بحث تعادل و تراجیح میں واقع ہوتا ہے تو یہ گروہ عقل کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرتا ہے۔ بایں ہمہ جب یہ دیکھتا ہے کہ موارد اختلاف میں دلائل فلسفہ، مذہبی مسلمات کے خلاف پڑتے ہیں لہذا، عقل کو خطاکار، اور عقول بشر کو حقائق خداوندی کے درک سے عاجز قرار دیتا ہے، ایک گروہ ادراکات عمومی کے برخلاف، عقل کی عمومی تفسیر کرتا ہے، سے دوسرا گروہ اس خیال کا ہے کہ خطاء عقلی کے کشف کا قائل ہے۔

بعض فلاسفہ کا اصول یہ ہے کہ جب دلائل عقلی کو دین کے برخلاف دیکھتے ہیں۔ تو دینی پہلو کی رعایت کرنا چاہتے ہیں اور ظواہر دین کی تاویل شروع کر دیتے ہیں،

ظواہر کے برخلاف تاویل و تفسیر کا مدعا در اصل یہ ہوتا ہے کہ دلائل فلسفہ کو مسائل شرع سے موافق اور ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے۔

بہر حال فلسفہ نظری قدیم، ظواہر ادیان سے بہ نظر عمومی زیادہ کبھی سازگار نہیں ہے اور علماء ایسے

موارد یہ کہ جب عقل و شرع میں معارضہ برپا ہو، بطور کلی چار گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں،

۱۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو ظاہر دین کا دامن تھامے رہتا ہے، اور عقل کو خطا کا ساور د لائل عقلی کو ناقص قرار دیتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو سراسر عقل ہی کو رہنما مانتا ہے، اور سرّ دین کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔

۳۔ تیسرا گروہ ایسے اصحاب کا ہے جو اصول مذہب کو اس کے ظاہر پر قائم رکھتا ہے اور عقل کے لئے تاویل کرتا ہے،

۴۔ چوتھا گروہ ایسا ہے جو اصول عقلی کو اس کے حال پر قائم رکھتا ہے اور ظاہر شریعت کی تاویل کرتا ہے،

دین حنیف اسلام، چونکہ اساس فلسفہ یعنی تعقّل و تفکّر سے دوسرے تمام ادیان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مانوس اور آشنا ہے چنانچہ وہ سب سے زیادہ غلبۂ فلسفہ اور ہجوم افکار کے مقابلہ میں پائدار ثابت ہوتا اور قواعد عقلی کا لحاظ رکھتا ہے، ایسا نہ ہوتا تو وہ فلسفۂ عجیب اور فلاسفۂ بزرگ جنہوں نے اسلام میں ظہور کیا، ان ظاہری اور پوشیدہ مخالفتوں کے ہجوم میں جو ہر مذہب میں رونما ہوتی رہیں، ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتے چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں ہمیں دوسرے ادیان و ملل کی تاریخ میں نظر آتی ہیں چنانچہ فلسفہ کی دین مسیح علیہ السلام سے جو کشمکش کہ آغاز تاریخ سے رہی، فلسفیانہ مدارس کی بربادی کی جو صورتیں پیش آئیں، فلاسفہ کی جلاوطنی اور فرار کے جو واقعات رونما ہوئے، ـــــ بعض لوگ تو دربار نوشیراں میں پناہ گزیں ہو کر پہونچے ـــــ نیز قرون وسطیٰ کی مذہبی جنگیں، اور فلاسفہ کی مسیحی علماء سے آویزش اور جنگ وجدل کی داستانیں اس دعوے کا بہترین ثبوت ہیں، اور بات بھی کچھ یوں ہے کہ کہاں دین مسیح جو صرف احکام تک محدود ہے، اور کہاں دین اسلام کہ اجتماعی، طبیعی و الٰہی جزئیات تک پر حاوی ہے - ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے،

یہ بات مسلّم ہے کہ جس دین کا دامن احکام و اصول و فروع جس قدر وسیع ہوگا، فلسفہ کے ساتھ خصوصاً فلسفۂ قدیم کے ساتھ کہ جس کے زیر اثر جملہ علوم و شئون اجتماعی عقلی تھے اس کا رشتہ زیادہ محکم ہوگا،

ارسطو اور افلاطون کی کمان سے نکلا ہوا جو تیر مسلمانوں نے کھایا تھا ابن رشد کے قلم کی صورت میں وہی تیر جامع مسیحیت کے سینے میں پیوست کر دیا، اور بایں طور کہ رواج فلسفہ یونان سے دین اسلام نے رنگ ہائے تازہ حاصل کیے تھے۔ یورپ میں فلسفۂ اسلامی کے شیوع نے ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا، جس سے دین مسیحی زیر و زبر ہو کر رہ گیا، اور چونکہ علمائے اسلام خود فلسفہ کے اسلحہ سے پورے طور پر مسلح تھے، لہٰذا فلاسفہ سے کامیاب جنگیں لڑتے رہتے تھے۔ اسی طرح علمائے مذہب مسیح نے بھی سلاح فلسفہ زیب تن کیے، اور فلاسفہ سے آمادۂ رزم و پیکار ہو گئے، غرض دین سے فلسفہ کی جنگ ہمہ وقت اور ہر مذہب و ملت میں کم و بیش برابر جاری رہی،

دین اسلام میں فلسفہ کا رواج بعض جہات سے نافع اور بعض جہات سے مضر ثابت ہوا اس نے ایک طرف مسلمانوں کو علوم و فنون عقلی سے آشنا کیا اور مذاہب عالم کے دوسرے طوائف کے اسلحہ سے آراستہ کیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ پایۂ اصول دین کو عقلی طور سے بھی استوار کیا جانے لگا، یہ تو تھا نافع پہلو، اور مضر پہلو یہ تھا کہ اس کے باعث تفرق کلمہ پیدا ہوا، نئے نئے فرقے ظہور میں آئے۔ نئے نئے عقائد پیدا ہوئے، اور دینی مسائل جو حد درجہ سادہ تھے، تعقید اور پیچیدگی کی زد میں آ گئے۔

علمائے دین نے مسائل کو مطالب علمی کی صورت میں مرتب کرنے کا انداز ڈالا۔ چنانچہ ان کے بعض مباحث مذہبی مثلاً قضا و قدر، اور جبر و اختیار، اور خلود عذاب جہنم وغیرہ کسی طرح فلاسفہ کے دقیق مسائل حرکت و زمان وغیرہ سے کم نہ تھے اور اسی رہ گزر سے تدریجاً عقائد مذہبی شرح کتاب عقائد نسفی اور شرح مواقف، اور شرح مقاصد اور شرح تجرید وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں[۸] ان کتابوں میں فلسفی مسائل پورے طور پر موجود ہیں،

چونکہ فلسفۂ یونان و ایران و ہند، مسلمانوں میں اچھی طرح سے شیوع پذیر ہو چکا تھا۔ لہٰذا دین اسلام میں نمایاں تغیرات نمودار ہوئے۔ چنانچہ مظاہر اسلامی میں انواع فلسفہ کی متعدد یادگاریں موجود ہیں۔ فلسفہ ہندی کے آثار ہیں —— جو مذہب تناسخ کا علمبردار ہے —— یہ ہے کہ بعض اسلامی فرقے مثلاً قرامطہ و سبائیہ بھی تناسخ کے قائل ہو گئے[۹]

اس کے لیے یہ عقیدہ صرف اسی فرقہ تک محدود نہ رہا، بلکہ جیسا کہ بعض دوسرے لوگوں نے بہ تصریح لکھا ہے کہ احمد بن حافظ معتزلی، اور ابو مسلم خراسانی بھی تناسخ کے کسی نہ کسی درجہ میں قائل تھے[۱۰]

اسی طرح تعلیمات فلسفہ ایران وحکمائے خسروانی کے اثرات فرقہ صوفیہ میں اور آثار فلسفہ یونان فرقہ معتز[لہ]
میں بخوبی نمایاں ہیں،

دوسری صدی ہجری میں منطق وفلسفہ نے علوم اسلامی میں دخل حاصل کیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے عرب[وں]
کو ان علوم سے آشنا کیا۔ وہ ایران کا دانشمند بزرگ ابن مقفع تھا ہے[10] اس نے پہلی مرتبہ فن منطق کا عربی ز[بان]
میں ترجمہ کیا، اور مسائل برہانی سے مسلمانوں کو آشنا کیا، اس کے بعد سے مسلمانوں نے کتب فلسفہ ومنطق کا سلسل[ہ]
شروع کیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں تیسری صدی ہجری میں بڑی اچھی اچھی کتب فلسفہ عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔

معتزلہ اور فن کلام، دوسری صدی ہجری میں کہ علوم منطق وفلسفہ معارف اسلامی میں داخل ہو[ئے]
ایک نیا فرقہ پیدا ہوا، جو معتزلہ کے نام سے روشناس خلق ہے، اس فرقہ نے فلسفہ کو دین کی خدمت
کے لئے استعمال کیا جو فن کلام کی صورت میں ظہور پذیر ہوا،

اس فرقہ کا موسس اور سردار ایک شخص تھا جس کا نام ابوحذیفہ تھا،

ابوحذیفہ اور عمرو بن عبید،

ابوحذیفہ[11] ایک ایرانی شخص تھا جو بصرہ میں مقیم تھا اس کا ایک موالی عمرو بن عبید[12] تھا یہ دونوں حضر[ت]
حضرت حسن بصری[13] کے شاگرد تھے، چونکہ ان دونوں نے ان کے حلقۂ درس سے کنارہ گیری اختیار کر لی تھی، جس [کے]
معنی عربی زبان میں "اعتزال" کے ہیں، لہٰذا معتزلہ کہلائے جانے لگے۔ پہلے پہل اس طائفہ کے لئے جس نے
یہ لفظ استعمال کیا وہ قتادہ بن دعامہ[14] تھا۔[15]

اکابر معتزلہ، ابوحذیفہ اور اس کے پیروں نے جو طریقہ اختراع کیا تھا، وہ اس فرقے کے بعض علم[ا]
بزرگ مثلاً، ابوہذیل[16]، نظام بصری[17]، جاحظ[18] اور ابوسہل ہلالی[19] وغیرہ کی بدولت بہت زور پکڑ گیا اور ا[نہوں]
نے ایک خاص علمی پیرایہ اور اسلوب اختیار کر لیا،

بعض بزرگان معتزلہ نے خود مسلک اعتزال میں گروہ بندی اور فرقہ سازی سے کام لیا اور اس طرح ا[س]
فرقہ کے اندر تشکیل احزاب وفرق کا سلسلہ شروع ہوگیا،[20] مثلاً فرقہ نظامیہ وہ گروہ ہے جو نظام بصری ک[ا]
پیرو ہے، ضراریہ وہ جماعت ہے جو ضرار بن عمرو کے اتباع پر مشتمل ہے،[21]

فرقہ معتزلہ کے دوسرے نام فرقہ معتزلہ کو قدریہ اور جہمیہ کے نام سے بھی
کرتے ہیں لیکن معتزلہ اپنے لئے ان ناموں کو قبول نہیں کرتے، خاص طور پر لفظ "قدریہ" سے تو بہت

ہیں کہ انہیں کے بارے میں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے،

القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ

یعنی:۔

"قدریہ" امت مسلمہ کے مجوس ہیں [۲۱]

اس باعث اس نام سے تبرا کرتے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ فرقے ایک دوسرے سے متفاوت ہیں البتہ بعض جہات سے یک دیگر مشابہ ضرور ہیں،

فرقۂ قدریہ، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ انسان کے افعال اختیاری ہیں، یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے فعل اور ارادے میں آزاد مطلق ہے اس جہت سے یہ لوگ "قدریہ" کے نام سے موسوم ہیں کہ انسان کو اپنے اعمال و افعال پر قادر و توانا مانتے ہیں،

معبد جہنی، جسے حجاج بن یوسف نے قتل کیا اور غیلان دمشقی، جسے ہشام بن عبدالملک نے دار پر چڑھایا، پہلی صدی ہجری میں فرقہ قدریہ کے بانی اور سردار گزرے ہیں،

یہ مسلک بلاد و شام و عراق میں بہت زیادہ فروغ پذیر ہوا بلکہ ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا منبع فکر بلاد و شام ہی ہے، [۲۲]

فرقہ جہمیہ، یہ فرقہ جبریہ کے نام سے بھی مشہور ہے اور اپنی فکر و عقیدہ میں مسلک قدریہ کے بالکل برعکس ہے اس کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے اعمال و افعال میں مجبور محض ہے اور ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا،

اس فرقہ کا موسس جہم بن صفوان ایک خراسانی شخص تھا، جو حارث بن سریج کے دربار میں وزیر اور دبیر کے منصب پر فائز تھا،

حارث نے خراسان میں بنوامیہ کے خلاف خروج کیا، اور ۱۲۷ھ میں ہلاک ہوا، جہم بھی اس موقع پر اسیر ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

نوبختی[۲۳] نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ"[۲۴] میں فرقہ جہمیہ، یعنی اصحاب جہم بن صفوان کو غالی ترین طائفہ مرجئہ میں شمار کیا گیا ہے،

جہمیہ، عقیدۂ جبر کے علاوہ کچھ دوسرے عقیدے بھی رکھتے ہیں مثلاً مسئلہ نفی صفات باری تعالیٰ

جو فن کلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے[25]

معتزلہ اور قدریہ وجبریہ میں مشابہت، معتزلہ فرقہ قدریہ سے تو اس بات میں متفق ہے کہ یہ بھی جبر کی بجائے اختیار کا قائل ہے، اور جہمیہ سے اس کا اشتراک فکر واجب الوجود کے نفی صفات کے بارے میں ہے یہی وجہ ہے کہ معتزلہ بھی اس نام سے موسوم ہو گئے، ورنہ جیسا کہ میں اشارہ کر چکا ہوں معتزلہ اور قدریہ وجہمیہ کے مابین نہ صرف تفاوت ہے بلکہ مخالفت اور کشمکش بھی ہے،

واصل بن عطا اور جہم کا مباحثہ، واصل بن عطا جن کا شمار بزرگان معتزلہ میں ہوتا ہے وہ اپنے ایک ساتھی کی معیت میں خراسان پہنچے اور جہم بن صفوان سے مباحثہ اور مجادلہ کیا اور اسے طریقہ جبر لازم کو ملزم گردانا۔[26]

یہ دونوں فرقے جبری اور قدری ـــــ باہم سخت مختلف الرائے تھے، اور زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انہوں نے اپنی جگہ دوسرے دونوں فرقوں ـــــ اشعری و معتزلی ـــــ کے لئے خالی کر دی۔

فرقہ اشعری، طریقہ اشاعرہ کی بنیاد، اصل میں تعلیمات جہمیہ پر ہے، تیسری صدی ہجری کے آخر، یا چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں، "اشعری" کے نام سے یہ فرقہ ظہور میں آیا، یہ نام اس کے مشہور ترین رئیس، ابوالحسن اشعری[27] کے نام کی مناسبت سے پڑا،

ابوالحسن اشعری جب معتزلہ کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے تو ایک گروہ ان کا معتقد اور پیرو بن گیا مشہور عالم قاضی ابوبکر محمد بن باقلانی متوفی ۴۰۳ھ[28] میں مذہب اشعری پر عامل تھے اور اس مسلک کی تائید و ترویج میں کوشش بسیار کی اشاعرہ و معتزلہ باہم سخت مخالف تھے، یہ مخالفت بہت جلد قتل و غارت اور کشت و خون کی حد تک پہنچ گئی، اور ہر ناحیہ کے مسلمان کئی صدیوں تک اس کے آشوب و آسیب مشغول و سرگرم رہے، جس کی ایک مثال خراسان کا وہ المیہ ہے جو ۵۵۶ھ میں پیش آیا، اور جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں

تعلیقات

[1] کل ما حکم بہ العقل حکم بہ الشرع وکل ما حکم بہ الشرع حکم بہ العقل،

یعنی:

ہر وہ بات جو از روئے عقل روا ہے از روئے شرع بھی درست ہے اور ہر وہ بات جو از روئے

جائز ہے از روئے عقل بھی مستحسن ہے،

بعض ہر دو کلی کے قائل اور ہر دو طرف سے تلازم کے قائل ہیں، بعض طرف اوّل کو موجب کلیہ اور طرف دیگر کو موجب جزئیہ تسلیم کرتے ہیں،

۲ے شرح کتاب، عضدی، و شرح مواقف و شرح مقاصد و کتاب "فصول" و شروح کفایۃ الاصول خراسانی وغیرہ سے رجوع کیا جائے۔

۳ے امام فخر الدین رازی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی شرح اشارات، نیز شیخ الرئیس بو علی سینا کی کتاب "شفا" سے رجوع کیا جائے،

۴ے یعنی ایٹم ، (رئیس احمد جعفری)

۵ے ملّا علی قوشجی کی شرح تجرید ملاحظہ ہو،

۶ے بعض متکلمین اور علمائے اصول عقل کی تعریف یوں کرتے ہیں، :

"ماعبد به الرحمٰن واکتسب به الجنان"

اور حکما کے نزدیک :

"العقل جوهر مجرد فعلاً ومادةً"

۷ے اشراقی حکما و عرفا کا عقیدہ یہ ہے کہ عقل سے بالاتر ایک مقام ہے جو صرف ریاضت و عبادت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر حقائق واقعی مشاہدے میں آجاتے ہیں اور عقل کی خطاکاریوں اور ادراکات عمومی کا کشف ہو جاتا ہے،

غزالی نے اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں اس مفہوم کو بڑے شیریں اور دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے جس پر آگے چل کر گفتگو ہوگی،

۸ے عقائد نسفی کا متن عزیز الدین نسفی کی تالیف ہے، اور اس کی شرح محقق تفتازانی صاحب کتاب "مطول" کی ہے، کتاب مواقف کا متن قاضی عضد الدین ایجی کی تالیف ہے جو خواجہ حافظ شیرازی کے ہم عصر تھے اور اس کی شرح میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کی ہے، اور کتاب "مقاصد" اور اس کی شرح ہر دو کے مؤلف محقق تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ ہیں، تجرید کا متن خواجہ نصیر الدین طوسی متوفی ۶۷۲ھ کی تالیف ہے، اس کتاب کے شروح و حواشی بے شمار ہیں،

۹ے فرقۂ سبائیہ عبدالملک بن سبا سے منسوب ہے ان لوگوں کا اعتقاد تھا۔ کہ امامت امیرالمومنین علی علیہ السلام پر ختم ہوگئی یہ لوگ حضرت علی کے مورد میں حد درجہ غلو کرتے تھے یہ پہلا فرقہ ہے جس نے ختم امامت کا عقیدہ قائم کیا، اور حب علی و تبرا از دیگراں کا علانیہ اظہار کیا (فرق الشیعہ نوبختی طبع لبغداد ص ۲۲)

۱۰ے ضحی الاسلام ص ۲۴۰

۱۱ے حکمائے خسروانی، ایران کے قدیم فلاسفہ کو کہتے ہیں، یہ فہلوی کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں ان کے بعض عقائد کتب فلسفہ مانند "اسفار" اور تالیفات شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ میں مندرج ہیں۔!

حاجی سبزواری نے "منظومۂ حکمت" میں ارشاد فرمایا ہے:

"والفہلویون الوجود عندھم حقیقۃ ذات مراتب تعم"!

عبداللہ بن مقفع، عبداللہ بن مقفع ایران کا بزرگ ترین اور مشہور ترین دانشور گزرا ہے اس کا زمانہ دوسری صدی ہجری ہے اس کا اصلی نام سہ روسنہ ربہ تھا اور اس کے باپ کا نام دادویہ تھا، یہ شہر جور (فیروزآباد) کا رہنے والا تھا، ابتدا میں مذہب زردشتی کا پیرو تھا پھر عیسیٰ بن علی خلیفہ منصور کے چچا کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، اور عبداللہ کے نام سے موسوم ہوا، اس نے بہت سی علمی اور ادبی کتابوں کا ترجمہ کیا، اور تصنیف کیں، ۱۴۲ — ۱۴۵ھ کے مابین منصور کے حکم سے بدست سفیان بن معاویہ بن یزید بن مہلب بن ابی صفرہ ہلاک ہوا،

ابوحذیفہ واصل بن عطا ابوحذیفہ واصل بن عطا اصلاً ایرانی تھا، یہ حسن بصری کا شاگرد تھا اس کی زبان سے حرف "ر" نہیں نکلتا تھا، چونکہ عربی زبان پر اسے تسلط کامل حاصل تھا، لہٰذا ادائے مقصود کے لئے جو کلمات استعمال کرتا تھا ان میں "ر" کا حرف نہیں آنے پاتا تھا،

مسلمانوں میں ایک اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یا فاسق، بعض کافر قرار دیتے تھے بعض فاسق، ابوحذیفہ کا خیال تھا کہ ایسا شخص نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ دونوں کے بیچ میں ہے اس بات پر خفا ہو کر حسن بصری نے اسے اپنی مجلس درس سے نکال دیا۔

ابوحذیفہ نے بھی حسن بصری کی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اور اپنا حلقۂ تدریس الگ قائم کرلیا۔ عمرو بن عبید بھی اس کے ساتھ شریک ہوگیا اور ان دونوں نے جو مسلک اختیار کیا، وہ مسلک

اعتزال کے نام سے مشہور ہے اس مسلک کے حامل معتزلہ کہلاتے ہیں،

ابوحذیفہ کا سال ولادت ۸۰ھ ہے اور سال وفات ۱۸۱ھ ہے۔(مقریزی وابن خلکان)

۱۲ **ابوعثمان عمرو بن عبید**، یہ شخص موالیوں (آزاد کردہ غلام) میں سے تھا، حسن بصریؒ کے سامنے اس نے بھی زانوئے شاگردی تہ کیا تھا، یہ ابوحذیفہ کا پیرو تھا، اور طریقہ معتزلہ کی ایجاد میں اس کا شریک کار تھا،

سال ولادت ۸۰ھ، وفات ۱۴۲ — ۱۴۸ھ کے مابین ہوئی۔ (ابن خلکان)

۱۳ **حضرت حسن بصریؒ**، حسن بن یسارؓ، یہ تابعی تھے، اور وقت کے بہت بڑے زاہدوں اور دانشوروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کی وفات رجب ۱۱۰ھ میں ہوئی، اسی سال مشہور معبّر (خواب کی تعبیر بتانے والے) محمد ابن سیرین کا انتقال ہوا، (یافعی وابن خلکان)

۱۴ **قتادہ بن دعامہ**، یہ ایک نابینا شخص تھے فن تاریخ وانساب کے فن میں یکتا تھے، سال ولادت ۶۰ھ سال وفات ۱۱۷ھ۔ (وفیات الاعیان)

۱۵ قتادہ ایک روز مسجد بصرہ میں آئے، عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں نے بحث وگفتگو شروع کردی قتادہ کو خیال ہوا کہ حسن بصریؒ کی مجلس درس یہی ہے، لیکن جب معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ان کی مجلس درس سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے تو کہا؛

"انّما ھؤلاء المعتزلہ"

یعنی یہ لوگ کنارہ گزشگان میں سے ہیں،

اور یہ کہکر اٹھ گئے،

اسی دن سے لفظ معتزلہ اس فرقہ کا نام پڑگیا، (ابن خلکان)

فرقہ معتزلہ کی وجہ تسمیہ میں مسعودی، البغدادی وغیرہ کے دیگر اقوال بھی، کتاب "فجر الاسلام" ص ۳۴۴ میں مرقوم ہیں،

۱۶ **ابوہذیل**، محمد بن ہذیل بن عبداللہ، معروف بہ علّاف، ان کا شمار اکابر معتزلہ میں ہوتا ہے

سال ولادت مابین ۱۳۱ — ۱۳۵ھ سال وفات ۲۳۵ھ

۱۷ **نظام بصری**، ابواسحاق ابراہیم بن سیار بن ہانی معروف بہ نظام بصری سال ولادت ۱۸۵ھ

سال وفات ۲۲۱ھ (حواشی فرق الشیعہ نوبختی و روضات الجنّات میرزا محمد باقر)

۱۸؎ جاحظ، عمرو بن بحر، متوفی ۲۵۵ھ

(عربی زبان کا صاحب طرز ادیب تھا، علوم و فنون مختلفہ میں اسے پائیہ اجتہاد حاصل تھا، بلا کا ذہین تھا فرا…
اور تبحرّ علمی میں یکتا گذرا ہے، علوم عقلی و نقلی دونوں میں مہارت تامّہ رکھتا تھا،

عرصہ ہوا، مصر سے جاحظ اور اس کے علمی و ادبی خصوصیات پر مشتمل ایک بلند پایہ کتاب "ادب الجاحظ"
شائع ہو چکی ہے،

۱۹؎ ابو سہل ہلالی (رئیس احمد جعفری)
بشر بن معتمر متوفی ۲۱۰ھ

(اکابر معتزلہ میں ممتاز اور نمایاں خصوصیات، و امتیازات کے حامل تھے،

۲۰؎ ملاحظہ ہو کتاب ملل و نحل نیز فرق الشیعہ از نوبختی، اور "طبقات المعتزلہ" (رئیس احمد جعفری)

۲۱؎ ضرار بن عمرو، یہ ابو حذیفہ کا ہم عصر تھا ایک نئے معتزلی فرقہ کا بانی تھا، اس کے بعض عقائد کتاب
"فرق الشیعہ" کے حاشیہ پر درج ہیں (طبع بغداد ص ۱۰)

۲۲؎ ملاحظہ ہو "فجر الاسلام"

۲۳؎ نوبختی، ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی تیسری صدی ہجری کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں،

۲۴؎ طبع بغداد ص ۶

۲۵؎ ملاحظہ ہو شرح مواقف و شرح تجرید قوشجی

۲۶؎ فجر الاسلام

۲۷؎ ابو الحسن اشعری، ابو الحسن علی بن اسماعیل بن اسحاق اشعری، یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے
نزاد میں سے ہیں، ان کی بے شمار تالیفات ہیں، پہلے پہل یہ مسلک معتزلہ کے پیرو تھے، پھر اس مسلک سے برگشتہ
ہو گئے اور کھلم کھلا اس کی مخالفت کرنے لگے، یہ ابو علی جبائی کے (محمد بن عبد الوہاب ۲۳۵ — ۳۰۳ھ) جو مشاہیر
معتزلہ میں شمار ہوتے تھے شاگرد تھے، لیکن پھر کچھ عرصہ بعد عقیدۂ استاد کی مخالفت کرنے لگے تو نوبت مناظرے
تک کی پہنچی،

ان کا انتقال ۳۳۰ھ میں ہوا،

ان کے معاصرین میں ابوہاشم (عبدالسلام بن ابو علی جبائی متوفی ۳۲۱ھ) بھی تھے جو بزرگان معتزلہ میں سے تھے،

تعلیقہ (وفیات الاعیان ابن خلکان، وروضات الجنات)

۲۸؎ وفیات الاعیان،

اشاعرہ اور معتزلہ کے اعتقادات

بہت سے مسائل میں اشاعرہ اور معتزلہ باہم مختلف ہیں، خاص خاص مسائل خلافیہ حسب ذیل ہیں
۱۔ افعال وخیر وشر کی ذمّہ داری، معتزلہ کہتا ہے کہ افعال خیر خدا کی طرف سے سرزد ہوتے ہیں لیکن اعمال شر کا خالق انسان خود ہے اس معاملہ میں عنان قدرت وارادہ تمام تر انسان کے ہاتھ میں ہے

اشعری کہتا ہے نیک وبد تمام اعمال خدا کے آفریدہ ہیں اور بندہ تمام تر بے اختیار اور مجبور ہے،

۲۔ عمل نہیں صرف اعتقاد کافی ہے، معتزلی کہتا ہے ایمان کے تین رکن ہیں :

(۱) اعتقاد بہ قلب وجنان

(۲) گفتار بہ زبان،

(۳) عمل بہ ارکان،

اشعری کہتا ہے ایمان کا رکن اصلی عقیدۂ قلبی ہے، اور گفتار و کردار اس اصل کی فروع ہیں، جو شخص دل سے دین کا معتقد ہے وہ مومن ہے اگرچہ از روئے عمل وگفتار اس عقیدہ پر عامل نہ ہو،

۳۔ علم خداوندی کی حقیقت، معتزلی، ذات واجب الوجود سے صفات ازلیہ مثلاً علم وقدرت اور ارادہ وسمع وبصر کی نفی کرتا ہے، وہ کہتا ہے خدائے تبارک وتعالےٰ عالم بالذات ہے، نہ کہ بہ صفت، وہ قادر ہے نہ کہ بہ صفت، یہی حال دوسرے صفات ازلی کا ہے،

لیکن اشعری[۱] ذاتِ واجب الوجود کے ساتھ صفات ازلیہ کو وابستہ مانتا ہے، [۲] مثلاً "تعدّد قدما" جس پر اکثر کتب کلام میں بحث ملتی ہے، اسی مفہوم سے مربوط ہے،

۴۔ حسن وقبح اشیا کی حقیقت، معتزلہ عقلی طور پر حسن وقبح کا قائل ہے، وہ کہتا ہے اشیا کا حسن وقبح ذاتی ہے اور عقل خود بغیر شرع کی معاونت کے اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک کرسکتی ہے، شرع کے

اور امر و نواہی حسن و قبح ذاتی کے تابع ہیں نہ یہ کہ حسن و قبح امر و نہی کے تابع ہیں اس جہت پر جن موارد میں ہمیں نص شرعی نہ ملے عقل خود استنباط احکام کر سکتی ہے ۔

لیکن اشعری حسن و قبح عقلی کا منکر ہے وہ واجب و حرام کو اسماعی قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے ہماری عقل احکام شرع میں تصرف کی اہلیت نہیں رکھتی ،

۵ - خدا کس طرح دیکھتا ہے ؟ معتزلی کہتا ہے کوئی چیز بھی اپنی "آنکھ" سے نہیں دیکھتا ۔ اور اشعری کہتا ہے کہ خدا روز رستخیز میں ہر چیز کو "بہ عیان" دیکھتا ہے ،

مسئلہ رویت میں اشاعرہ اور معتزلہ کے مابین شدید اختلاف ہے اس باب میں عقائد گوناگوں مروی ہیں ،

طائفہ ضراریہ کہتا ہے کہ انسان حواس پنجگانہ کے علاوہ ایک چھٹا حاسہ بھی رکھتا ہے اس چھٹے حاسّہ سے ہم قیامت کے دن دیدار الٰہی کریں گے ۔

۶ - گناہ کبیرہ کے مرتکب کی حیثیت ، معتزلی کہتا ہے کہ جس شخص سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے وہ نہ مومن ہے نہ کافر ، یعنی کفر و ایمان کی درمیانی منزل میں ہے

۷ - کلام اللہ حادث ہے یا قدیم ، معتزلی کہتا ہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے لہٰذا حادث ہے[۱]

اور اشعری کلام اللہ کو قدیم مانتا ہے ،

کلام لفظی کے مقابلہ میں مسئلہ کلام نفسی جو اشاعرہ کے مختصات عقائد میں سے ہے اسی مسئلہ کی ایک فرع ہے ،

۸ - اعجاز قرآن کی ماہیت ، معتزلی کہتا ہے کہ اعجاز قرآن کا سبب یہ ہے کہ انسان اس کے معارضہ اور اس کا سا کلام لانے سے منصرف کر دیا گیا ہے ورنہ اس جیسا کلام فصحائے عرب کے لئے پیش کر دینا ناممکن نہیں تھا ،

اشعری قرآن کو بالذات معجزہ مانتا ہے اور اس جیسا کلام پیش کرنا بشر کے لئے محال اور ناممکن خیال کرتا ہے ، وہ کہتا ہے کہ معجزہ عبارت ہے فعل خارق عادت سے اور ہر طرح کے معارضہ سے محفوظ ہوتا ہے ،

۹ - مسئلہ اعادہ معدوم ، معتزلی اعادہ معدوم کو ممتنع اور محال قرار دیتا ہے ۔

اشعری کے نزدیک اعادۂ معدوم ممکن ہے،

۱۰۔ خلود فی النار کے مسئلہ پر اختلاف، معتزلی کا عقیدہ ہے خلود فی النار ممکن ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے حکم سے کوئی شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جھونکا جا سکتا ہے۔

اشعری اس عقیدے کا منکر ہے، وہ خلود فی النار کا قائل نہیں۔

۱۱۔ امامت نص سے یا انتخاب سے؟ معتزلی کے نزدیک امامت نص اور تعیین سے ہوتی ہے اور اشعری کے نزدیک امامت کا تقرر امت کے اختیار میں ہے، ۲۴؎

۱۲۔ موجود و معدوم کے درمیان "حال" کا واسطہ، معتزلی کا اعتقاد ہے کہ ماہیت کا تقرر اور ثبوت اس کے وجود سے پہلے ہوتا ہے، وہ کہتا ہے ماہیت ابھی عدم میں ہوتی ہے اور قبل اس کے کہ وجود میں آئے اس کا ثبوت و تقرر ضروری ہے وہ ثبوت کو وجود کے مقابلہ میں زیادہ اعم اور عدم کو نفی کے مقابلہ میں زیادہ اعم مانتا ہے،:

وجعل المعتزلی الثبوت عم
من الوجود ومن النفی العدام

یعنی:

معتزلی وجود سے ثبوت کو، اور نفی سے عدم کو زیادہ عام مانتا ہے، ۲۵؎
بعض معتزلی کہتے ہیں کہ ثبوت و نفی کے مابین کوئی حد فاصل نہیں ہے، اور ثابت و منفی کے درمیان قضیہ منفصلہ حقیقی ہے، لیکن موجود و معدوم کے مابین ایک واسطہ ہے جسے "حال" یا "ثابت" کہتے ہیں،

اشاعرہ ان تمام باتوں کا انکار کرتے ہیں،

۱۳۔ خدا کو جزئیات کا علم ہے کہ نہیں؟ معتزلہ علم واجب الوجود کو ماہیات ثابتہ ازلی سے عبارت قرار دیتے ہیں، جس کی بنا تقرر ماہیت پر ہے جو ان کے عقائد کا جزء ہے یہ ماہیات منفردہ معتزلہ کے عقیدے میں نظیر اعیان ثابتہ ہیں یہی عقیدہ بعض متصوفین از قبیل محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین کا بھی ہے۔

جزئیات کے علم واجب الوجود کے سلسلہ میں اشاعرہ اور معتزلہ مختلف الرائے ہیں،

بعض کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا ۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ علم تفصیلی کا حامل ہے اور اس کا احاطہ علم غیر متناہی ہے ، ایک گروہ کہتا ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ جزئیات کا عالم تو ہے لیکن تفصیلی صورت میں نہیں ، کلّی طور پر ،

• ابوالمعالی جوینی غزالی کے استاد اکابر اشاعرہ میں سے تھے ، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا ،

" اللہ تعالیٰ کلیات کا عالم ہے نہ کہ جزئیات کا ، !"

اس مناسبت سے سبکی نے اپنی کتاب " طبقات الشافعیہ " میں کئی صفحے اس موضوع پر لکھے ہیں اور کوشش کی ہے کہ امام الحرمین کی طرف اس قول کی نسبت کو غلط ٹھہرائیں اور انہیں اس عقیدے سے پاک قرار دیں ۔

غزالی نے اس خیال سے کہ کہیں استاد کی تہمت ان پر بھی نہ لگ جائے ، جہاں کہیں بھی اس موضوع پر گفتگو کی ہے ، اپنے عقیدے کی صراحت کر دی ہے ، چنانچہ اپنی کتاب " نصیحۃ الملوک " میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں ،

" دے داناست بہ ہر چہ دانستنی است ، وعلم وے بہ ہمہ جزہا محیط است ، ! "

یعنی : ۔

خدا ہر دانستنی چیز کو جانتا ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے ،

۱۴ ۔ ایمان وطاعت اور کفر ومعصیت ، اشاعرہ کا عقیدہ ہے کہ ایمان وطاعت توفیق ایزدی کا کرشمہ ہے اور کفر ومعصیت خذلان الٰہی کا نتیجہ ہے اور توفیق کا مطلب ہے ، طاعت پر خلق قدرت سے ، ! " اور خذلان سے مراد ہے معصیت پر خلق قدرت سے ، ! "

اشاعرہ و معتزلہ کے موارد اختلاف کی جو مثالیں ہم نے اوپر پیش کی ہیں وہ اہم ترین مسائل خلافیہ پر مشتمل ہیں ، ان مسائل میں سے بعض ایسے ہیں جن سے بجائے خود بعض دوسرے مسائل پیدا ہوتے ہیں مثلاً " مسئلہ حال " " کلام نفسی " اسی طرح توفیق اور خذلان کا مسئلہ بھی ہے ،

جو مسائل ہم نے اوپر بیان کئے ہیں ان کے علاوہ بھی مورد خلافیہ وعد ووعید ، اسماء و احکام ، اور

(۱۳) مجمع البحرین مادّہ "غزل"

(۱۴) مقدمہ ابن خلدون،

(۱۵) البیان والتبیین از جاحظ ـ وغیرہ وغیرہ،

جس شخص کو تفصیل مطلوب ہو وہ ان کتابوں سے رجوع کرے،

۲ـ منظومہ سبزواری،

۳ـ یعنی امام اپنے جانشین کا تقرر کرتا ہے، یہ کام امت پر نہیں چھوڑتا، (رئیس احمد جعفری)

۴ـ منظومہ حاجی سبزواری

۵ـ ج ۳، ص ۲۶۱

۶ـ ملاحظہ ہوں کتب ذیل:

فرق الشیعہ (نوبختی) ملل ونحل از شہرستانی وفجر الاسلام،

عقل وسمع کے بارے میں موجود ہیں علاوہ ازیں موضوعات شخصی وجزئی بھی ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت عائشہؓ وح
طلحہؓ وحضرت زبیرؓ سے غلطی ہوئی ہے یا نہیں؟

اگر ہوئی تو وہ اس سے تائب اور برگشتہ ہوئے یا نہیں؟ یا اسی طرح غلطی کے عالم میں اس دنیا سے رخص
ہوئے؟ نیز یہ کہ معاویہؓ وعمرو بن العاصؓ نے امام برحق پر خروج کیا یا نہیں؟ اس طرح کے بہت سے
کتب عقائد میں بہ تفصیل موجود ہیں۔

خود معتزلہ بھی بعد میں کئی فرقوں کے اندر منقسم ہو گئے، اور بعض عقائد میں باہم مختلف الرائے
ہو گئے، بنو عباس کے زمانے میں معتزلہ کے دو بڑے مدرسے ایک دوسرے کے مقابلہ میں،
اور بصرہ میں قائم ہو گئے جو اختلافی مسائل میں ایک دوسرے سے بحث و مجادلہ کیا کرتے تھے، [۲]

تعلیقات

[۱] خلافیات اشاعرہ ومعتزلہ کے مآخذ، جن کتابوں نے خلافیات اشعری ومعتزلی کی مثالیں دی ہیں وہ یہ ہیں

(۱) ملل ونحل (از شہرستانی)
(۲) نہج الحق (از علامہ)
(۳) کتاب الفصل فی الملل والاہوا ر والنحل تالیف ابن حزم ظاہری،
(۴) فرق الشیعہ (از نوبختی) بر حاشیہ، طبع بغداد
(۵) شرح مواقف
(۶) شرح تجرید (از قوشجی)
(۷) شرح عضدی،
(۸) کتاب "فصول"
(۹) شرح منظومہ سبزواری
(۱۰) الوافی بالوفیات (از صفدی)
(۱۱) روضات الجنات
(۱۲) شرح ابن ابی الحدید، بر نہج البلاغۃ

(۱۱)

تبلیغات معتزلہ

معتزلہ کا ایک یہ اہم کام بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اپنے مسلک کو بڑھانے اور مقبول عام بنانے کے لئے تبلیغی انجمنیں قائم کیں اور مبلّغوں سے بھی کام لیا، ساتھ ساتھ بحث و جدل اور مناظرے کا سلسلہ بھی جاری رکھا،

تبلیغی انجمنیں اور مبلغین، واصل بن عطا نے اپنے بعض معتمدین کو متعدد مقامات پر تبلیغ مسلک کے لئے روانہ کیا، مثلاً یمن، جزیرہ آرمینہ وغیرہ، اس نے عبداللہ بن حارث کو اس مقصد کے لئے مغرب اقصیٰ روانہ کیا، اور حفص بن سالم کو جہم بن صفوان، بانی طریقہ جہمیہ (یا جبریہ) سے بحث و مناظرے کے لئے خراسان بھیجا،

عمرو بن عبید کا خیال تھا کہ لوگوں کو مسلک اعتزال کی دعوت دینا بہترین عبادت ہے، چنانچہ اس نے اپنے اصحاب اور متبعین کو دعوت و تبلیغ کا زیادہ سے زیادہ شوق دلایا اور ان سے خوب بڑھ چڑھ کر یہ کام لیا،

اکابر معتزلہ نے مخالف فرقوں مثلاً، مانویہ، مرجیہ، خوارج، اور دہریہ کے رد میں، بہت سی کتابیں تالیف و تصنیف کیں، ان کتابوں میں سے واصل بن عطاء نے ایک کتاب زبانی یاد کر لی تھی۔ ردّ مانویہ سے متعلق ایک ہزار مسائل پر مشتمل تھی[۱]

ارباب حدیث اور معتزلہ کے اختلافات، ارباب حدیث یعنی وہ اصحاب جو شریعت کے نصوص و ظواہر پر قناعت کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ احکام شرعی میں کسی طرح کا تصرف نہیں کیا جا سکتا، معتزلہ کے سخت دشمن تھے، خود معتزلہ بھی ان کے ارباب حدیث کے سخت ترین مخالف تھے۔ اور جب کبھی کسی کو موقع ملتا تو دوسرے کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا، آخر

شرعی اور عقلی براہین و دلائل سے گذر کر تکفیر، قتل اور شکنجہ و عذاب تک نوبت پہنچ گئی،
یزید بن ولید اور مروان بن محمد معتزلہ کے سرگرم اور پرجوش حامیوں میں تھے ان کے زمانے میں مسلک اعتزال نے بہت زیادہ ترقی کی،

خلیفہ مامون اور معتصم کی سرپرستی، خلیفہ مامون الرشید اور خلیفہ معتصم باللہ کے زمانے میں مسئلہ خلق قرآن، اور حدوث و قدم کلام اللہ نے ہمیشہ سے زیادہ سر اٹھایا اور اس عقیدے نے فتنوں کا دروازہ کھول دیا، یہ دونوں خلیفہ بھی مسلک اعتزال کے حامی اور قائل تھے، چنانچہ ان کے زمانے میں معتزلہ نے بیش از بیش عروج حاصل کیا، اور اس بیش از بیش عروج کا نتیجہ یہ نکلا کہ محدثین کو طرح طرح کی عقوبتوں اور اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا،

قادر باللہ اور معتزلہ، خلیفہ قادر باللہ عباسی متوفی (۴۲۲ھ) معتزلہ کا سخت مخالف تھا چنانچہ اس نے ردّ معتزلہ اور بطلان عقیدۂ خلق قرآن میں ایک کتاب بھی لکھی، چنانچہ کفر اور بددینی کے الزام میں معتزلہ کو طرح طرح کی اذیتوں اور عقوبتوں سے دوچار ہونا پڑا،

چونکہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کی نظر میں معتزلہ بددین مشہور تھے، للہذا ان کی علما سے خوب جھڑپیں ہوئیں، اور محدثین نے ان پر خوب وار کئے۱!

۱ے فجر الاسلام

بھی کلمۂ شہادتین کا زبان سے اقرار کرتا ہے وہ مومن ہے اگرچہ دل سے اس عقیدہ کا حامل نہ ہو، اور فرائض پر عمل نہ کرتا ہو،

مرجئہ امویوں اور عباسیوں کے عہد میں ، بے طرفی اختیار کرنے والا گروہ صدر اول کے صحابہ کرام میں بھی موجود تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے اواخر عہد میں بعض لوگ مانند حضرت ابو بکرہ، وعبداللہ بن عمرو وعمران بن حصین وغیرہ ایسے گذرے ہیں جو منافقشات سے بالکل الگ تھلگ رہے اور قضایا میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا،

بنو امیہ کے عہد میں اس مسلک کے پیروں کی تعداد کافی بڑھ گئی، اپنے سکوت اور بے طرفی کے باعث یہ شیعہ یا خوارج کسی گروہ میں شریک نہیں ہوئے، جو امویوں کے سخت دشمن تھے،

بنو عباس کے عہد میں فرقہ مرجئہ دوسرے احزاب وطوائف میں گھل مل گیا، اور دوسری جماعتوں اور فرقوں کے مقابلہ میں اسے جو انفرادی اور امتیازی حیثیت حاصل تھی وہ ختم ہوگئی،

مرجئہ اور خوارج میں فرق ، ابتدا میں مسلک مرجئہ ایک سادہ سا اجتماعی مسلک تھا جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، صدر اوّل کے بعض صحابہ تک اس مسلک پر عامل تھے لیکن پھر بتدریج اس پر دینی اور مذہبی رنگ چڑھنا شروع ہوا، اور شیعوں کے مقابلہ میں جو امامت کو رکن ایمان تصوّر کرتے تھے نیز خوارج اور بعض دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں جو خلفائے راشدین تک سے فسق وکفر کو منسوب کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص کلمۂ شہادتین کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے خلاف حکم کفر نہیں لگایا جاسکتا کہ اساس ایمان صرف معرفت خدا ورسولؐ ہے، فرائض پر عمل اور کبائر سے اجتناب جزو ایمان نہیں ہے اس کے برعکس خوارج کا یہ عقیدہ تھا کہ مرتکب کبیرہ اور تارک فریضہ کافر ہے، مرجئہ امام کی معرفت اور طاعت کو رکن ایمان تسلیم نہیں کرتے تھے، جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے،

جو اشخاص مسلک مرجئہ پر عقیدہ رکھتے تھے، غالی ترین شیعوں اور خارجیوں اور امویوں، بلکہ ہر اس شخص کو جو دین اسلام کو مانتا ہو، حکم کفر صادر کرنے سے احتراز کرتے تھے، تمام اہل قبلہ کو صرف ظاہر اقرار کی بنیاد پر مومن قرار دیتے تھے، حد یہ ہے کہ اخطل جیسے نصرانی شاعر تک پر کفر قطعی کا حکم نہیں لگاتے تھے، ہر گروہ اور ہر فرقے کے ساتھ ان کا برتاؤ سالمت کا تھا۔ ؎۵

مرجئہ کے نئے فرقے ، ثابت قطنہ جن کا شمار فرقہ مرجئہ کے شعراء میں ہوتا ہے، عہد اموی میں

شیعہ و معتزلہ اور مرجیہ و خوارج

عہد اموی میں مختلف فرقوں نے ظہور کیا، لیکن جملہ احزاب وطوائف کا مرجع اور اساس عبارت تھا شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، اور خوارج سے،

بیشتر اختلافات یوں عالم وجود میں آئے کہ حضرت عثمان بن عفان کے واقعہ شہادت نے جو ۳۶ھ میں واقع ہوا اور جنگ جمل اور صفین کے باعث علی بن ابی طالب علیہ السلام کے عہد خلافت میں برپا ہوئیں۔ مسلمانوں میں حق و باطل اور مصیب و مخطی کے مسئلہ پر بحث و گفتگو شروع ہو گئی،

حضرت طلحہ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ جناب معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے طرز عمل نے بنیادی اور اساسی قسم کے اختلافات رونما کر دیئے،

شیعہ، یعنی طرفداران علیؑ، اور معتزلہ یعنی اصحاب واصل بن عطا و عمرو بن عبید کے بارے ہم گفتگو کر چکے ہیں،

فرقۂ خوارج، خوارج وہ گروہ ہے جس نے واقعۂ تحکیم حکمین (ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ) کے بعد حضرت علی کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور معاویہ کی طرح ان کی بھی تکفیر کرنے لگے۔ جنگ نہروان جو حضرت علی نے اس فرقہ کے خلاف سر کی نہایت معلوم و معروف واقعہ ہے،

فرقۂ مرجیہ:۔ یہ وہ گروہ تھا جس نے قضایائے مذکورہ بالا کے سلسلے میں غیر جانبداری کی روش کو اپنایا تھا، اس کا خیال تھا ان معاملات میں ہمیں بے طرفی اختیار کرنا چاہیئے۔ اور کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے،

اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تعیین کفر و ایمان اور تشخیص ہدایت و ضلالت ہمارا کام نہیں۔ دوسروں کے کفر و ایمان کے بارے میں اظہار خیال کرنا بھی روا نہیں ہر شخص کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے، جو شخص

گزرے ہیں، یزید بن مہلب کے اصحاب میں سے تھے، انہوں نے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس میں اپنے اس مسلک کا اظہار کیا ہے ابوالفرج اصفہانی[3] نے اسے اپنی کتاب اغانی میں درج کیا ہے،

نوبختی نے لکھا ہے[4] کہ حضرت علی علیہ السلام کے واقعۂ قتل کے بعد ایک جماعت جو ان کے ساتھ تھی، اس طرح، حضرات طلحہ، زبیر اور عائشہ کے ساتھیوں کی جماعت سوا شیعوں کی ایک مختصر سی جماعت کے، معاویہ کے ساتھ ہوگئی، ان جماعتوں کا مسلک یہ تھا کہ جو شخص بظاہر اسلام کا اقرار کرتا ہو وہ مومن ہے چنانچہ یہ طائفہ مرجئہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ ہر اہل قبلہ کی نجات اور بخشش کی یہ امید رکھتا تھا۔

بعد میں مرجئہ بہ تدریج چند فرقوں میں منقسم ہو گئے اور بلاد خراسان و عراق و شام میں پھیل گئے،[5] عقیدۂ مرجئہ نے بنو امیہ کے عہد میں رواج پایا، لیکن عہد عباسی میں یہ دعوت مردہ ہوگئی، اور اس مسلک کے لوگوں میں سے کچھ مر گئے، اور کچھ دوسرے فرقوں میں داخل ہو گئے،

تعلیقات

[1] مرجئہ کا مسلک، کلمۂ مرجئہ یہ عقیدہ ماخوذ ہے "ارجاء" سے جس کے معنی ہیں اہمال تاخیر کے اور سبب تسمیہ یہ ہے کہ موردِ اختلاف میں کسی کے کفر کا حکم قطعی نہیں لگاتے، اور بات خدا پر اور کشفِ حقیقت روزِ قیامت پر منحصر قرار دیتے ہیں۔

بعض دوسرے لوگ "ارجاء" سے مراد امید آور دیتے ہیں، چنانچہ اس بنیاد پر یہ فرقہ اہل عصیاں کو کلمۂ شہادتین کے بعد مرتکب کبائر ایمان سے نا امید نہیں قرار دیتا، نہ انہیں کافر سمجھتا ہے اور سب کے لئے انجام بخیر کی امید رکھتا ہے،

[2] ملل و نحل، ابن حزم ج ۴ وفجر الاسلام ص ۲۶۶ و فرق الشیعہ نوبختی ص ۶ بغداد،

[3] ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی بہت بڑے ادیب تھے، فرقۂ شیعہ سے تعلق رکھتے تھے ان کا زمانہ چوتھی صدی ہجری ہے، ۳۵۶ھ میں وفات پائی، کتاب آغانی ان کے بہترین مؤلفات میں ہے جس کی ۲۱ جلدیں طبع ہو چکی ہیں ان کی ایک اور کتاب "مقاتل الطالبین" بھی طبع ہو چکی ہے

[4] فرق الشیعہ ص ۶

[5] مرجئہ کے ۱۶ فرقے، کتاب بیان الادیان میں مرجئہ کے ۱۶ فرقے گنائے گئے ہیں: مثلاً:

ازامیہ دغیلانیہ، تومینہ، صالحیہ، شمریہ، جہمیہ،

نوبختی نے فرق الشیعہ میں بتایا ہے کہ مرجیہ کا ایک فرقہ جہمیہ خراسان میں تھا جو پیروان جہم بن صفوان پر مشتمل تھا اور علانیہ غیلان بن مروان کا پیرو تھا، یہ لوگ شام میں تھے، ماصریہ فرقہ عمرو، یا عمر بن قیس ماصر کا ماننے والا تھا، اور عراق میں تھا،

بعض اصحاب حدیث اور امام ابوحنیفہ وغیرہ بھی مرجیہ تھے، اور فرقہ شکاک و بتریہ اصحاب حدیث ـــــ مثلاً حضرت سفیان بن سعید ثوری، شریک بن عبداللہ، محمد بن ادریس شافعی، مالک بن انس، اور ابن ابی وغیرہ ـــــ کا پیرو تھا، (ص ۶ - ۷)

بتریہ فرقہ کے لئے نوبختی نے لکھا ہے کہ یہ بھی اصحاب حدیث پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ حسن بن صباح بن حی (۱۰۰ ـــ ۱۹۶ھ) کے پیرو تھے، اور علیؑ کو رسولؐ کے بعد، افضل الناس مانتے تھے، لیکن بیعت ابوبکرؓ کو درست اور جائز قرار دیتے تھے، اور عمل میں مسلک شیخین پر قائم تھے، حضرت سالم بن ابی حفصہ اور سلمہ بن کہیل اور کثیر النواء اور حکم بن عتیبہ دوسری صدی ہجری میں اس فرقہ کے سربراہ تھے، (ص ۱۳) امام ابوحنیفہ بھی عراق کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے، (ص ۷) علاوہ ازیں امام ابویوسف اور بشر مریسی بھی اسی جماعت سے وابستہ تھے، (ص ۱۴)

---

(۱۳)

اسلام کے عہدِ اوّل میں فکری اختلافات

پہلی صدی ہجری میں اور دوسری صدی کے کچھ حصہ میں اختلافات جو کچھ تھے وہ چار فرقوں / ـــ شیعہ، معتزلہ، مرجئہ اور خوارج ـــ کے مابین محدود تھے جملہ اسلامی فرقوں کی اساس بنیادی چار فرقے تھے [۱]

مخالفت کا آغاز خلافت کے مسئلہ پر رحلت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا، پھر حضرت عثمانؓ کا حادثۂ قتل اور زیادہ اختلاف انگیز ثابت ہوا، جنگ جمل و صفین نے بھی اس آگ کو بھڑکایا، حضرت عائشہؓ طلحہ و زبیر اور معاویہ کے حضرت علی سے اختلافات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں یہیں سے بہت سے مسلمانوں کے اندر اختلاف آراء و عقائد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، بحث و گفتگو اور مجادلہ و مکابرہ کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ اور آخر میں نوبت باہمی کشت و خون تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے اور اب مسئلہ حق و باطل اور کفر و اسلام کا سامنے آجاتا ہے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف اپنے عقیدے اور دلیل کا اظہار کرتا ہے۔

خوارج کہتے ہیں جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس طرح وہ بعض صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے تھے، مرجئہ ایسے شخص کو مومن اور حسن بصری منافق قرار دیتے ہیں اور معتزلہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے نہ مومن بلکہ دونوں کے بین بین ہے کہتے ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ نہ کافر ہے نہ مومن بلکہ فاسق ہے۔

آغاز امر میں اختلاف آراء و عقائد سادہ اور جزئی تھا، رفتہ رفتہ اختلاف بڑھا، نکتہ آفرینیاں شروع ہوئیں اور نئے نئے فرقے اور گروہ پیدا ہونے لگے، ہر دور میں کچھ نئے فرقے کچھ نئے افکار و عقائد کو لے کر نمودار ہوگئے، پھر ان فرقوں کے اندر بھی فرقے پیدا ہوگئے، اور افراط و تفریط کا دور شروع ہوگیا اور ان دونوں کے مقابل اعتدال اور میانہ روی کا مسلک بھی بعض کے پیش نظر رہا۔ مثلاً جہمیہ کے اس غلو کے مقابلہ میں کہ انسان مجبور محض ہے اور معتزلہ کے اس غلو کے مقابلہ میں کہ انسان مختار مطلق ہے، شیعہ

فرقے نے اعتدال اور میانہ روی کا مسلک اختیار کیا، یعنی — "ھو بین الامرین" مطلب یہ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار مطلق بلکہ دونوں کے بین بین ہے۔

بعض اہل سنت، مثلاً مقاتل بن سلیمان جو واصل بن عطا کے ہم عصر تھے، خداوند جل شانہ کے تجسّد اور تشبیہ کے معتقد تھے اور ان کا قول تھا۔ خالق میں وہ صفات بھی ہیں جو مخلوق میں ہیں،

اس عقیدۂ خفیف کے مقابلہ میں معتزلہ نفی صفات ازلیہ کے قائل تھے،

اہل حدیث کے مقابلہ میں ظواہر شرع پر کسی طرح کا تجاوز روا نہ رکھتے تھے، معتزلہ ذاتی اور عقلی حسن و قبح کے قائل تھے اور اس طرح گویا ان کا دست تصرف احکام شرع تک دراز ہو جاتا تھا،

اس طرح ایک عقیدے کے مقابلہ میں دوسرا عقیدہ اور ایک فرقہ کے مقابلہ میں دوسرا فرقہ پیدا اور نمودار ہوتا رہا، بنو عباس کے زمانے میں جدید فرقوں اور جدید افکار و عقائد کی وہ کثرت ہوئی کہ پناہ بخدا، عقائد دینی اور مطالب جزئی نے رفتہ رفتہ مسائل کلی و علمی کی صورت اختیار کر لی، اور اس طرح کتب کلام و عقائد کی تسوید و تحریر کا دور شروع ہو گیا۔

اس عہد میں شیعہ و سنی، اور معتزلہ و اشعری، اور اصحاب رائے [2] و حدیث کے مابین بھی اختلاف ابھرے اور نمایاں ہوئے، بیشتر اسلامی فرقے اور ہر فرقے کے متکلمین نے انہی اختلافات کو اپنا مدار فکر و بحث قرار دیا،

معتزلہ کے فلسفہ سے خدمت دین کا کام لیا، اور مسائل کو علمی رنگ دیا، یہی گروہ ہے جو علم کلام کا موجد ہے،

تعلیقات

[1] فرق الشیعہ ص ۱۷،

[2] اصحاب رائے سے مراد پیروان امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن مرزبان فارسی (۸۰-۱۵۰ھ) ہیں جو دینی مسائل کے استنباط میں رائے، قیاس، اجتہاد اور استحسان پر عمل کرتے ہیں۔

اور اصحاب حدیث وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے متون و ظواہر پر اعتماد کرتے ہیں یہ پانچ فرقے ہیں، :

(۱) داؤدیہ، پیروان داؤد بن علی اصفہانی،

۲۔ شافعیہ، پیروان امام عبداللہ بن محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ

۳۔ مالکیہ، پیروان مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ

۴۔ حنلبیہ، اصحاب امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

۵۔ اشعریہ، پیروان علی بن اسماعیل اشعری از فرزندان ابوموسیٰ الاشعریؓ

(۱۴)

اصول عقائد میں شیعہ و معتزلہ کا اتفاق

شیعہ بیشتر اصول و عقائد میں معتزلہ سے ہم آہنگ اور اشاعرہ سے مختلف الرائے ہیں،
علامہ حلی لے نے کتاب "منہج الحق وکشف الصدق میں، اہل سنت فرقوں کے ساتھ شیعوں کے
موارد اختلاف، اور اغلب مسائل میں، بہ مقابلۂ اشاعرہ معتزلہ کے ساتھ اتفاق کے مسائل بیان
کئے ہیں،

ابوالمعالی محمد الحسینی العلوی نے اپنی کتاب "بیان الادیان" میں جو ۴۸۶ھ کی تالیف ہے تحریر
فرمایا ہے کہ اصول کا جہاں تک تعلق ہے شیعہ اور معتزلہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

"الا در یک چیز و آں اہل کبیرہ است، و در دوزخ کہ معتزلہ گویند چوں صاحب کبیرہ توبہ ناکردہ
از دنیا نقل کند او در دوزخ و عذاب مخلد بماند، ایشاں گویند نماند بلکہ شاید کہ ایزد تعالیٰ برآو رحمت
کند و از دوزخ بیروں آرد۔

یعنی:-

معتزلہ اور شیعہ کے مابین مابہ الاختلاف ایک مسئلہ ہے۔ اور وہ ہے گناہ کبیرہ کے مرتکب کا معتزلہ
کہتے ہیں کہ جس شخص سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا ہے، اور توبہ کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہو
وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور دائمی عذاب کا مستوجب ہو گا، شیعہ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو گا، بلکہ ہو سکتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، اور اپنی رحمت کے باعث اسے دوزخ سے نکال لے،"

ابن ابی الحدید سلے نے شرح نہج البلاغۃ میں شیعہ و معتزلہ کے بہت سے موارد اتفاق، اور شیعہ و
اشاعرہ کے بہت سے موارد اختلاف بیان کئے ہیں۔

کلام و عقائد کی جملہ کتابوں ـــــ مثلاً شرح مواقف، شرح مقاصد، ملل و نحل شہرستانی

وابن حزم، تبصرة العلوم وغیرہ ـــــ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیعہ معتزلہ سے بڑی حد تک ہم آہنگ، اور اشاعرہ سے بڑی حد تک مختلف الرائے ہیں، اور میرے خیال میں ان تمام کتابوں میں بہتر اور جامع تر کتاب "نہج الحق" ہے، جس میں تفصیل کے ساتھ، علامہ حلی نے اصول و فروع کے مسائل میں، جملہ طوائف اسلامی از قبیل اشاعرہ، وکرامیہ، وظاہریہ یا داؤدیہ وغیرہ سے امامیہ کے اختلاف کو بیان کیا ہے، ساتھ ساتھ ضمنی طور پر معتزلہ اور اشاعرہ کے موارد اختلافات بھی بیان کرتے چلے گئے ہیں،

شیعہ و معتزلہ نے مسائل دینی میں عقلی اور فلسفی دلائل بھی، اور سماعی و نقلی کے ساتھ دیئے ہیں لیکن اشاعرہ اور جملہ ارباب حدیث فلسفہ و منطق سے کوئی سروکار نہیں رکھتے صرف دلائل نقلی پر اکتفا کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ معتزلہ کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر پاتے، اور مخالف کو کافر اور زندیق کہنے لگتے ہیں اور اگر کبھی معقولات کی طرف توجہ کرتے ہیں تو حد درجہ عجیب اقوال و عقائد کا اظہار کرتے ہیں جن کی مثالیں کتب کلام میں موجود ہیں۔

تعلیقات

سلہ آیۃ اللہ علامہ حلی، آیۃ اللہ جمال الدین ابو منصور حسن بن یوسف بن مطہر (۶۴۸-۷۲۶ھ) ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ترین شیعہ متکلم اور فقیہہ گزرے ہیں، موصوف نے فقہ و اصول، رجال و منطق، اور کلام پر نوّے سے زیادہ کتب لکھی ہیں، مثلاً قواعد الاحکام اور تذکرۃ الفقہہ، فن فقہ میں، اور کشف المراد، تجرید خواجہ کی شرح میں اور خلاصۃ الاقوال، فن رجال میں، موصوف کی کتابوں میں سب سے زیادہ اہم اور معرکۃ آرا کتاب نہج الحق ہے، یہ فن عقائد میں ہے جو سلطان محمد خدابندہ کے لئے آپ نے تالیف کی تھی،

سلہ علامہ ابن ابی الحدید عز الدین عبدالحمید بن ہبۃ اللہ مدائنی بغدادی (سال ولادت ۵۸۶ھ سال وفات ۶۵۶ھ) ابن ابی الحدید، فرقہ معتزلہ کے بزرگ ترین ادیب اور مورخ ہیں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے وزیر اعظم ابن عقلمی کے معتمدین میں تھے، شرح نہج البلاغۃ کو جو ادب و تاریخ کا شاہکار ہے ابن عقلمی کے نام منسوب کیا۔ ابن ابی الحدید اور ان کے بھائی موفق الدین خلیفہ مستنصر اور معتصم کے زمانے میں اعمال دیوانی کے انچارج تھے، جب مغلوں نے بغداد کو فتح کر لیا تو یہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، آخر ابن عقلمی کی کوشش، اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی سفارش سے نجات پائی،

ہلاکو ان کے قتل سے باز آگیا ، لیکن اسی سال یعنی ۹۵۶ھ میں ان دونوں بھائیوں کا انتقال ہوگیا ،
ہلاکو کے اس حملہ اور اس کے نتائج پر ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے لیکن اس جگہ اتنا عرض کر دینا شاید نامناسب
ہو کہ اس یورش تار تار نے جہاں خلافت بغداد کو ختم کر دیا ، جہاں بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ، وہاں دو
عظیم الشان کتب خانے بھی تباہ کر دیئے جنہوں نے تاریک خانۂ عالم کو روشن کیا تھا اور ان اکابر رجال کو بھی
موت کے گھاٹ اتار دیا جن کا ثانی پھر کبھی نہ پیدا ہو سکا ، !

(رئیس احمد جعفری)

تیسری صدی ہجری تک "اشعری" نام کا کوئی فرقہ موجود نہیں تھا، معتزلہ کے سخت ترین دشمن صرف اصحاب حدیث تھے، لیکن علی بن اسمٰعیل اشعری کے ظہور کے بعد اس نام کا فرقہ عالم وجود میں آیا، اور معتزلہ کے مقابلہ میں مسلک اہل حدیث پر عمل پیرا ہوا اور معتزلہ سے اس گروہ کی مخاصمت علمائے حدیث کی موافقت میں، ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئی،

روح انتقاد اور اسلام، روح انتقاد کا پیدا ہونا، اور ہر بات کا بغیر دلیل و برہان کے یقین نہ کر لینا اسلامی تعلیمات سے اس درجہ لازم و مطابق تھا کہ اس نے خود لوگوں کی رہنمائی فکر و تعقّل اور پیروی دلیل و برہان کی طرف کی جیسا کہ قرآن میں اشارہ ہوا ہے، ..."

"قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝"

یعنی: اے رسولؐ ان کافروں سے فرما دیجئے، اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ،

یا :-

وادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة،

یعنی :- اے رسولؐ اپنے ربّ کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظہ کے ذریعہ سے بلایئے اور ان سے مجادلہ کیجئے تو بہ طریق احسن،"!

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں دستور و تعقّل کی طرف صاف رہنمائی کر رہی ہیں، اور چونکہ صرف عقائد تعبدی، مذاہب فلسفی کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ متکلّمین اسلام مجبور ہو گئے کہ اپنے آپ کو حریف کے اسلحہ سے مسلح کر لیں،

عقائد معتزلی دوسری صدی ہجری میں رائج ہوئے، اور تیسری صدی میں پورے طور پر انہوں نے قوت حاصل کی کہ اس زمانہ میں کتب فلسفہ و منطق کا عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ اور مسلمان ان سے پورے طور پر آشنا ہو چکے تھے، اور متکلّمین اسلام بیش از بیش ان علوم کے مبانی پر دسترس حاصل کر چکے تھے، بعض خلفائے بنو عباس تک مذہب معتزلہ کے پیرو تھے،

ابن اثیر لکھتا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں جعد بن درہم نے قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق معتزلہ کا عقیدہ آشکار کیا، ہشام نے اسے امیر عراق خالد قسری کے سپرد کر دیا، کہ اسے قتل کر دے، خالد نے اسے قید کر دیا۔ لیکن قتل نہیں کیا۔ ہشام نے اسے سرزنش کی اور مجبور کیا کہ فوراً

(۱۵)

عہد غزالی میں مسلک اشعری کا رواج

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ مذہب معتزلی پہلی صدی ہجری میں ظہور پذیر ہو
اس مسلک کے ارباب واصحاب نے دین کو فلسفہ میں آمیز کر دیا ، اور فن کلام ایجاد کیا ، اور عقلی مسائل کو
داخل مذہب کر دیا اور کوشش کی کہ فلسفہ نظری کو ، جو طبعاً دین سے اپنے اسلوب و روش میں جداگانہ تھا
ایک نئے راستے پر ڈال دیں ، یعنی عقل برہانی کو وحی آسمانی سے سازگار اور موافق ثابت کر دیں ،

دو دہاری تلوار ، دین کے فلسفہ میں آمیزش اور معتزلہ کے طریقۂ نو کا اسلام میں ظہور ایک دو د
تلوار کی مانند تھا جو مخالفان اسلام اور ارباب عقائد قدیمہ ـــــ جو مسلمانوں سے پہلے سے منطق و فلسفہ
آشنا تھے ، اور ان اسلحہ سے مسلح ہو کر عام طور پر مذہب کے اور خاص طور پر اسلام کے خلاف برسرکار
تھے ـــ نیز فرقہ ہائے داخلی ، مثلاً اصحاب حدیث ، ارباب سنت وجماعت کے سر پر بجلی بن کر چمک
اور تڑپنے اور گرنے لگی ، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں شیعہ بیشتر مسائل میں معتزلہ کے ہم عقیدہ تھے ، وہ
ان کے ہم آواز بن گئے ،

روح انتقاد و استدلال ، شیعہ و معتزلہ کے عقائد کے نشر و رواج نے مسلمانو
روح انتقادی اور روش استدلالی پیدا کر دی ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص کے پیچھے دوڑنے اور ہر بات پر یقین
کر لینے کی عادت جو خوئے تعبد کی علامت تھی ، دور ہو گئی ، مسائل دینی اور اشخاص معروف مانند صحا
صدر اوّل تک زیر انتقاد آنے لگے ، نظام معتزلی نے علانیہ اقوال شیخین اور ابن مسعود پر نکتہ چینی کی
اور حضرت ابو حذیفہ و ابو ہریرہ کی تکذیب کی ، ۱ ؎ معتزلہ کا ایک گروہ شیعوں کے اس عقیدے
قائل تھا کہ علی علیہ السلام ذات رسالت مآب ؐ کے بعد افضل الناس تھے ، اور دوسرے صحابہ
فضیلت رکھتے تھے ، ۲ ؎

معتصم مامون کے نقش قدم پر، معتصم عباسی بھی مامون کی طرح معتزلہ کا حامی تھا، اس کے عہد میں معتزلہ کو زیادہ سے زیادہ عروج و اقتدار حاصل ہوا، اور اصحاب حدیث سخت مخذول و منکوب ہوئے، قلمی و زبانی مناظرے کے نتیجہ میں اس نے اپنے مخالفوں کو قتل و زجر اور شکنجہ استبداد کا ہدف بنایا،

حضرات اہل حدیث، اور وہ اصحاب جو ظواہر آیات و اخبار پر متمسک تھے، عوام کی نظر میں اپنی حق گوئی اور استقلال و استقامت کے باعث احترام اور وقعت حاصل کرنے لگے، ان پر جو سخت گیریاں اور زیادتیاں ہوئی تھیں، ان کے باعث ان کی محبوبیت عوام میں بیش از بیش اضافہ ہوا، رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ یہ محبوب تر ہوتے گئے، اور معتزلہ عامہ مسلمین کی نگاہ میں بد دینی، کفر، اور زندقہ کے متہم قرار پائے، اور نسبت اعتزال کا مطلب ہی زندقہ اور کفر و الحاد ہو گیا، دین میں فلسفہ کی آمیزش پر مبالغہ اور اصرار، صحابہ کے اقوال و اعمال پر تند روی اور بیباکی اور احکام ظاہری میں تصرف کی عادت نے معتزلہ کو اور زیادہ مقہور و معتوب عوام بنا دیا،

معتزلہ بدبختی اور تباہ روزگاری کا دور، چوتھی صدی ہجری کے اوائل سے معتزلہ کی بدبختی اور تباہ روزگاری کا دور شروع ہوا، اس زمانہ میں فرقہ اشعری پھر ابھرا، اور رفتہ رفتہ جڑ پکڑنے لگا۔ جو سلوک اپنے دور اقتدار میں معتزلہ نے اہل حدیث کے ساتھ روا رکھا تھا، وہی سلوک اب اشاعرہ نے علمائے اہل حدیث کے تعاون اور اعانت سے معتزلہ کے برخلاف روا رکھا، اس گرفت میں صرف معتزلہ ہی نہیں آئے، فلسفہ و منطق کے سر پر بھی یہ تلوار چمکنے لگی،

میرے خیال میں عام مسلمانوں کے نزدیک فلسفہ بد دینی کا، اور فلسفی کفر و زندقہ کا مترادف اس لئے قرار پایا کہ متکلمین معتزلہ و شیعہ نے اہل حدیث و اشاعرہ کی ضد اور مخالفت میں منطق و فلسفہ کا حربہ استعمال کیا اور جب ان کا دور اقتدار گذر گیا، اور ان کے مخالفوں کو موقع ملا، تو ان کی روش استدلالی بھی متہم اور معتوب ٹھہرائی، علاوہ ازیں فلسفہ یونان کو مذاہب متداول سے کوئی سروکار نہ تھا اور علوم عقلی غیر مسلم ملتوں کے مذہب مثلاً مسیحیت اور طرفداران کلیسا سے مخالفت رکھتے تھے، یہ بات بھی ان کے خلاف ہی گئی،

چوتھی اور پانچویں صدی، اشاعرہ کے لئے اتنی ہی حوصلہ افزا اور کارگر ثابت ہوئی، جتنی دوسری یا تیسری صدی معتزلہ و قدریہ کے لئے ثابت ہوئی تھی۔

قتل کر دے ؛

عہدِ عباسی میں معتزلہ کا عروج ، امویوں کے زمانے میں معتزلہ کی قوت و شوکت کا یہ ع
لیکن تیسری صدی میں بعض عباسی خلفا نے یہ مسلک قبول کر لیا ، مامون اور معتصم کے زمانے میں قو
قوت و اقتدار کے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا ؛

خلیفہ مامون عقیدۂ معتزلہ کا حامل تھا ، ۳ے وہ قرآن کو وحی الٰہی لیکن مخلوق یعنی حادث نہ کہ
مانتا تھا ، اہل حدیث حضرات اس کے قدیم ہونے کے قائل تھے ۔ بعض لوگ مامون کو شیع
ہیں ، اگرچہ یہ بات صحیح نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دل میں وہ علویوں کی طرف وہ شدّ
سے مائل تھا اور علی علیہ السلام کو وہ پس از رسول افضل الناس مانتا تھا اور معاویہ پر لعن کرتا تھا ، ا
کے استادوں میں یحییٰ بن مبارک زیدی اور دوستوں ومصاحبوں میں ثمامہ بن اشرس و یحییٰ بن اک
ابراہیم بن سیار ، و الھذیل علاف وغیرہ مشائخ معتزلہ میں شمار ہوتے تھے اور فن منطق و فلسف
درک کامل رکھتے تھے ، مامون اہل حدیث کا اور ان تمام لوگوں کا جو معتزلہ سے اختلاف رکھت
سخت مخالف تھا اور ان پر طرح طرح کی سختیاں روا رکھتا تھا ، اکثر مجالس مناظرہ برپا کرتا رہتا تھا ا
شخصی طور پر علمائے حدیث سے بحث ومباحثہ کیا کرتا تھا ، علاوہ ازیں اس نے اپنے عمال کے ن
فرمان جاری کیا تھا کہ اس طرح کی مجالس قائم کریں ، اور جو شخص قرآن کے مخلوق نہ ہونے کا اعتراف نہ کر
اسے قتل و حبس اور شکنجۂ تہدید کا نشانہ بنائیں ۔

مامون کا اعتزال میں غلو ، تاریخ بغداد میں ہے کہ مامون نے یحییٰ بن اکثم کو اس کام پر
کیا تھا کہ بغداد میں چالیس سربرآوردہ علما و فقہا کو ایک مجلس میں بلائیں ۔ اس میں وہ خود شریک ہوا
مناظرے میں حصہ لیا اور سائر صحابہ پر تفضیل علی کے سلسلے میں اپنے عقیدے کا اظہار کیا
دلائل دیئے ۔ ۴ے

طبری نے مامون کے اس نامے کے چند فقرے نقل کئے ہیں جو اس نے ۲۱۸ ھ میں ا
بن ابراہیم وغیرہ اپنے عمال اور والیوں کے نام اپنے عقائد مذہبی سے متعلق تحریر کیا تھا ، نیز ان مجا
ذکر بھی کیا ہے جو تفتیش عقائد کے سلسلے میں تشکیل پذیر ہوئی تھیں اور ان علما کا نام بھی لک
جو حاضر تھے ؛

۲۔ **شیعہ اور معتزلہ کا توافق**، شیعہ کا معتزلہ سے توافق اصول عقائد میں جو نظر آتا ہے وہ زیادہ تر فنی ہے کہ ہر فرقہ کے متکلمین نے اس طرف توجہ کی، ورنہ جمہور شیعہ اور عامہ اہل سنت خواہ وہ معتزلی ہوں یا اشعری ایمانی طور پر، باہم کوئی مشابہت نہیں رکھتے، کیونکہ ان میں سے ایک فرقہ علی کا اور ان کے اعقاب کا پیرو ہے، اور دوسرا فرقہ دوسروں کا، بلاشبہ اہل تسنن میں خواص علمار کا ایک گروہ ایسا ہے جو فضائل اہل بیت کا منکر نہیں ہے، بلکہ سائر صحابہ پر تفضیل علی کا قائل ہے اور آل علی سے دوستداری اور شیفتگی کا برملا اظہار کرتا ہے، جیساکہ امام شافعی کہتے ہیں؛ :

لو کان رفضاً حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

یعنی !
اگر آل محمد کی محبت رفض ہے؛
توفرشتوں کو میرے رافضی ہونے کی گواہی دینی چاہیئے
بایں ہمہ روح ایمان میں دونوں فرقوں کا مشرب و مذاق مختلف ہے،

۳۔ **تشیع اور اعتزال کے حدود**، تشیع اور طریقۂ اعتزال کی بنیاد بہر حال عربوں کی کی مخالفت میں نہضت سیاسی پر نہ تھی، جیساکہ بعض لوگوں نے مخصوص اغراض یا ناواقفیت کی بنا پر لکھا ہے بلکہ صدر اول ہی میں تشیع کے چار ستون، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ، اور عمارؓ موجود تھے ان کے بعد بھی ایک جماعت اس مذہب کی پیرو رہی، اور پیروی آل علی کے سوا ہر چیز کو گمراہی خیال کرتی رہی، اگر شیعوں کے کچھ لوگ اغراض سیاسی رکھتے تھے تو اسے اس فرقہ کی بنیاد اور اساس سے مربوط نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ شیعوں کی غالب ترین اکثریت دین کی حمایت میں سرگرم کار تھی نہ کہ عرب یا دین عرب کی مخالفت میں،

تعلیقات

۱؎ تاویل مختلف الحدیث از ابن قتیبہ ص ۲۱ و فجر الاسلام، ص ۳۵۲

۲؎ فرق الشیعہ، و بیان الادیان و ابن ابی الحدید، و ملل و نحل،
ابن ابی الحدید نے خطبہ کتاب میں اپنے عقیدے کا ذکر کیا ہے،

غزالی اور اشعریت و شافعیت، پانچویں صدی میں کہ یہ عہد غزالی ہے، جمہور مسلمانان اہل سنت اور خاص طور پر اہل خراسان جو غزالی کا وطن تھا، اصول طریقہ اشعری اور فروغ مسلک شافعی میں زیادہ سرگرم رہے وہ لوگ جو اصحاب رائے یعنی پیروان امام ابوحنیفہ تھے ان میں سے بھی اکثر مسلک اشاعرہ کے معتقد تھے البتہ فقہائے عراق کے بعض حلقوں میں مذہب معتزلہ اب بھی متداول تھا،

کتاب بیان الادیان میں جس کا مصنف غزالی کا ہم عصر ہے مذہب اہل سنت و جماعت کو تقریباً مسلک اشعری کا ہم نوا قرار دیا ہے چنانچہ اصحاب رائے کے ذیل میں یہی لکھا ہے،

کتاب طبقات الشافعیہ سبکی اور دیگر تاریخی مؤلفات میں مرقوم ہے کہ خراسان کے علمائے بزرگ پانچویں صدی میں جہاں تک اصول کا تعلق تھا اشعری تھے، البتہ فروع میں شافعی کے پیرو تھے، بعد کے زمانے میں بھی جمہور اہل تسنن ۔ حنفی و شافعی وغیرہ ــــ اشعری مذہب تھے، علامہ نے اپنی کتاب نہج الحق میں یہی بات لکھی ہے۔

غزالی نے شعور کی آنکھیں رواج مسلک شافعی و طریقہ اشعری کی فضا میں کھولیں، کہ خراسان میں یہ فضا عام تھی، اسی فرقہ کے علما مثلاً امام الحرمین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا، اسی گہوارہ میں ان کی پرورش اور پرداخت ہوئی، اور یہ اثرات ان کی مذہبی روح پر برابر اثر انداز ہوتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ اپنے مولفات میں جہاں کہیں عقائد کا بیان کرتے ہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصول میں طریقہ اشعری اور فروغ میں مسلک شافعی کی طرف مائل ہیں،

اس بحث کے اختتام سے پہلے ناگزیر ہے کہ تین نکتے پیش نظر رہیں،:

۱۔ **فلسفہ اور دین**، جہاں کہیں میں نے دین کے ساتھ فلسفہ کی مخالفت میں کچھ کہا ہے اس سے میرا مقصد یہ نہیں کہ فلاسفہ بد دین تھے یا فلسفہ سے بددینی پیدا ہوتی ہے بلکہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ دین و فلسفہ کے مسلک و اصول میں جو اختلاف ہے اسے واضح کر دوں، دین و فلسفہ کا اپنا اپنا میدان ہے مناظرے اور حجت دینی میں جو ادیان و ملل مخالف سے برپا ہو، فلسفہ سے کام لیا جا سکتا ہے، گویا فلسفہ کی حیثیت اس جہت سے ایک معجزہ کی ہے جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں،

معجزات از بہر قہر دشمن است

بوئے جنسیت بخود آوردن است

رسائل اخوان الصفا

ہم بتا چکے ہیں کہ عصر غزالی میں اختلافات مذہبی کا کیا حال تھا؟ یہ بھی بتا چکے ہیں کہ ایمان اور فلسفۂ یونان کی آویزش نے علمار کے ایک گروہ کو اس پر آمادہ کیا کہ ان دونوں میں توافق پیدا کیا جائے اس جذبہ کے مظاہر میں سے انجمن اخوان الصفا اور رسائل اخوان الصفا بھی ہیں،

انجمن اخوان الصفا کی تشکیل، چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ایک خفیہ انجمن بغداد میں قائم ہوئی۔ اس انجمن کے ارکان اسلام کے بڑے بڑے علمارا ور دانشور تھے اس انجمن کا نام اخوان الصفا تھا، اس کی غرض وغایت کے سلسلے میں ان لوگوں کا کہنا تھا کہ دین اسلام خرافات واداہام میں ممزوج کر دیا گیا ہے اور دین ومذہب کو آلودگی ضلالت سے پاک کرنے کی راہ فلسفہ کے سوا اور کوئی نہیں شریعت عربی درجہ کمال پر پہنچ سکتی ہے اگر فلسفہ یونانی میں اس میں شامل کر دیا جائے، ہمارا مقصود اصلی یہ ہے کہ دین کو فلسفہ کے موافق اور شریعت حقہ کو آلائش ادہام سے پاک وصاف کر دیں تاکہ اسے پائداری اور استواری حاصل ہو، اور مورد قبول عقلا ودانشمندان ملل عالم بن جائے،

ایک اور بات کی ان لوگوں نے آغاز رسائل میں جو تصریح کی وہ یہ تھی کہ فلسفہ چونکہ دوسری زبان سے زبانی طور پر آیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ فلسفہ کے مقاصد اصلی کو کھول کر بیان کریں تاکہ وہ درخور فہم بن جائے،

بہ ظاہر انجمن اخوان الصفا کے ارکان کا مقصد یہی تھا، جس کا جگہ جگہ اپنے مقالات میں انہوں نے اظہار کیا ہے اگر باطن میں کوئی اور مقصد ہو تو وہ ہویدا اور آشکارا نہیں،

اخوان الصفا کی مہارت علوم وفنون، انجمن اخوان الصفا کے یہ ارکان اپنے عہد کے متداول علوم وفنون کے جملہ انواع پر کامل دسترس رکھتے تھے، اسی طرح معارف مذہبی اور تاریخ ملل وشرائع وادیان پر

۳؎ ملاحظہ ہو کتاب "عصر المامون" مامون کے عقائد دینی و سیاسی کے ذیل میں،
۴؎ تاریخ بغداد، ج ٦

مسلمانوں میں جو نئے فرقے مختلف ادوار میں پیدا ہوئے اگر وہ پیکار باہمی میں مبتلا نہ ہو جاتے تو بلاشبہ ذہنی اور فکری تشکیل میں ان کا غیر فانی حصہ ہوتا اور ان کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہوتا، لیکن پیکار باہمی نے افادیت کم کر دی اور ضرر و زیاں کا پہلو زیادہ نمایاں ہو گیا،

(رئیس احمد جعفری)

بھی پورا عبور رکھتے تھے، یہ لوگ آپس میں بیٹھ کر مسائل عقلی و دینی و اجتماعی پر بحث و گفتگو کرتے تھے
تحقیق و تدقیق کے ساتھ تبادلۂ فکر و رائے اور غور و خوض کرتے تھے۔ پھر پایان بحث میں جو بات
اور درست قرار پاتی تھی اس پر اتفاق کر لیتے تھے اور ان کا نتیجہ افکار مقالات و رسائل کی صورت میں
پر آ جاتا تھا جو آج بھی دستیاب ہوتا ہے، اله

رسائل اخوان الصفا تعداد میں ۵۱ ہیں، ان میں سے پچاس مقالے تو فنون طبیعی، وریاضی، والٰہی و مسائل
اجتماعی وغیرہ میں سے کسی ایک پر الگ الگ مشتمل ہیں ۵۱ واں مقالہ ایجاز و اختصار کے ساتھ اقسام
پر مشتمل ہے نیز مقالات کے ذیل میں ان اخوان صفا اور خلّان وفا (سچے بھائیوں اور باوفا دوستوں)
کی کیفیت معاشرت اور انجمن اخوان الصفا میں داخلہ کے شرائط بھی مرقوم ہیں،

یہ مقالات ایسے پختہ اور استوار قلم سے لکھے گئے ہیں کہ ہزار سال کی مدت گزر چکی ہے لیکن اب بھی
علمائے جہاں کی بارگاہ میں مورد و قبول و پسند نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدود فکر و اطلاعات بشر
میں دس سال کی طویل مدت گزر چکنے کے باوجود ہنوز کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا ہے۔ اس نمونہ سے اندازہ
ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دو تین صدیوں میں معارف بشری کے اندر کیسا عظیم و جلیل مرتبہ حاصل کر لیا تھا

گمنام مؤلفان رسائل اخوان الصفا، مؤلفان رسائل اخوان الصفا نے اپنا نام آشکار
نہیں کیا، انہیں صرف اپنے افکار و عقائد کے نشر و تبلیغ کی دھن تھی، یہ مقالات ایک صدی کی مدت
میں جملہ بلاد و ممالک اسلامی کے اندر پھیل گئے اور انہوں نے فکر بشری کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اور ان کا
چرچا مجامع علمی و دینی میں ہونے لگا، جو لوگ فلسفے سے سروکار رکھتے تھے خاص طور پر معتزلہ ان رسائل
کی نشر و تبلیغ میں سرگرمی کے ساتھ مصروف تھے یہ جہاں جاتے یہ رسائل ان کے جیب و دامن میں پوشیدہ
طور پر موجود ہوتے، یا بڑی رازداری کے ساتھ بلاد دور دست میں یہ انہیں بھیجا کرتے،

رسائل اخوان الصفا اندلس میں، رسائل اخوان الصفا کو سب سے پہلے جو شخص اندلس
میں لے گیا، وہ ابوالحکم عمرو بن عبدالرحمٰن کرمانی تھا، زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ جملہ بلاد اندلس میں یہ رسالے
ہاتھوں ہاتھ لئے جانے لگے، اور وہاں کے علماء اور دانشوران مقالات پر بحث و تحقیق میں مشغول
ہو گئے، ۲ه

جمعیۃ اخوان الصفا کی تشکیل اور رسائل اخوان الصفا کی تالیف پر، جب ایک صدی گذر گئی

تب یہ رسالے اندلس میں پہونچے لیکن باشندگان اندلس نے پہلی بار ان کا چرچا ابو الحکم کی زبان سے سنا اس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان رسائل کا مولف وہی تھا ،

قفطی کی روایت ہے کہ تاریخ الحکماء میں ابوحیان توحیدی نے لکھا ہے - ۳۷۳ھ میں وزیر صمصام الدولہ (یعنی ابوعبداللہ بن سعدان متولی متوفی ۳۷۵ھ) نے زید بن رفاعہ کے بارے میں اور اس کے اقوال کے سلسلے میں مجھ سے پرستش کی میں نے اس کی تفصیل اور انجمن اخوان الصفا کا حال بیان کیا میں نے کہا کہ رسائل اخوان الصفا میں نے اپنے استاد ابو سلیمان منطقی ؒ کی خدمت پیش کئے ، انہوں نے تدبر و مطالعہ کے بعد فرمایا ' :

" ان مقالات کے لکھنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ دین کی فلسفہ سے مطابقت پیدا کی جائے ، حالانکہ ان دونوں میں کوئی مطابقت نہیں ہے ، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنا مخصوص طریقہ اور اساس رکھتا ہے ' !

مؤلفین رسائل اخوان الصفا کے نام کی بحث '، ابوحیان نے رسائل اخوان الصفا کے پانچ لکھنے والے بتلائے ہیں ، جو یہ ہیں ' :

(۱) ابو سلیمان محمد بن معشر بستی معروف بہ مقدسی ،

(۲) ابو الحسن علی بن ہارون زنجانی ،

(۳) ابو احمد مہرجانی ،

(۴) عوفی اور

(۵) زید بن رفاعہ

ان میں سے بعض کا نام و نسب (مثلاً زید بن رفاعہ ہاشمی) خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں مرقوم ہے ،

شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے ' :

رسائل اخوان الصفا ۵۱ مقالات پر مشتمل ہیں ، جن کی عبارت مقدسیؔ کی ہے ، ان رسالوں کو پانچ آدمیوں نے لکھا ہے ، جن کے نام یہ ہیں ' :

(۱) ابو سلیمان محمد بن مسعود بستی معروف بہ مقدسی ،

(۲) ابو الحسن علی بن دھرون صابی

۴۔ **ابو سلیمان منطقی**، ابو سلیمان منطقی محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی مولف "صوان الحکمت" چوتھی صدی ہجری کے علمائے بزرگ میں مانے جاتے ہیں، یہی کیفیت ان کے شاگرد ابو حیان توحیدی کی ہے۔

رسائل اخوان الصفا کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مورخین و محققین کے اشہر قول کے مطابق ان کے مصنف فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھتے تھے، اور چونکہ اس فرقہ کے لوگ، قرامطہ کی وجہ سے بہت زیادہ بدنام ہو گئے تھے۔ اس لئے اپنے آپ کو پس پردہ رکھنے میں ہی انہیں عافیت نظر آئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب اپنے مصنفین کے فکر و شعور کی انتہائی بلند پردازی کا ثبوت ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

---

(۳) ابو احمد نہر جوری

(۴) عرفی بصری، اور

(۵) زین بن رفاعہ،

جرجی زیدان نے اپنی کتاب "آداب اللغات العربیہ" جلد دوم میں انجمن و رسائل اخوان الصفا کا تذکرہ کرتے ہوئے، جو پانچ نام لکھے ہیں وہ وہی ہیں جو قفطی نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں، "کتاب "الاخلاق عند الغزالی" (ص ۲۷) میں ایک مستشرق کا قول دیا ہے کہ ابو حیّان توحیدی متوفی ۳۸۹ھ خود بھی از اخوان الصفا تھے، لیکن یہ بات سراسر واہی ہے، کیونکہ ابو حیان ۴۰۰ھ تک زندہ رہے ان کی وفات بقول بعض ۴۱۴ھ میں ہوئی، سبکی نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں ان کا نام ان علمائے ذیل میں درج کیا ہے جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے، پھر ان کا شمار مورخین رسائل میں کس طرح ہو سکتا ہے؟"

جیسا کہ قفطی کے بیان اور مقدمہ مقابسات سے ظاہر ہوتا ہے ابو حیّان کا کوئی تعلق اخوان الصفا سے نہ تھا، ہاں یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے انجمن کے بعض ارکان مثلاً زید بن رفاعہ ہاشمی و مقدسی کو دیکھا تھا اور ان سے ملے بھی تھے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے مقدسی سے اخوان صفا کے عقائد کے بارے میں سوال کیا، مگر انہوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ ابو حیان نہ اخوان صفا کی برادری میں شامل تھے، نہ ان کے عقائد سے اتفاق رکھتے تھے، ـــــ واللہ اعلم،

تعلیقات

۱ے مجموعہ رسائل اخوان الصفا چند مرتبہ لیپسریگ مصر، اور ہندوستان سے شائع ہوا۔ عربی سے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا، کچھ حصہ فارسی میں بھی منتقل ہوا ہے

۲ے ملاحظہ ہو "تاریخ آداب اللغۃ العربیہ" از جرجی زیدان ج ۲، ص ۳۴۳

۳ے جمال الدین قفطی، تالیف جمال الدین ابو الحسن علی بن یوسف قفطی ص ۸۲ - ۸۸، طبع لیپسرگ، علاوہ ازیں کتاب "مقابسات" میں بھی یہی مطالب ابو حیّان سے نقل کئے گئے ہیں گویا اس کی اصل کتاب الامتاع والموانسہ ہے کہ جو ابو حیّان کے مفاوضات علمی پر مشتمل ہے جو ابو عبداللہ حسین بن احمد بن سعدان صمصام الدولہ کے ایّام میں ۳۷۲ ــ ۳۷۵ کے مابین برپا ہوئے۔

فلسفہ عصر غزالی میں!

جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ دین تعبدی اور عقائد تلقینی کا فلسفۂ استدلالی کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا، چنانچہ ہر مذہب و ملت میں ارباب مذاہب اور فلاسفہ ایک دوسرے کے حریف رہے، یونان قدیم کے فلاسفہ کے احوال و سوانح، اور محاکمۂ سقراط[1] اور مدارس فلسفہ کی بندش، اور فلاسفہ کے فرار و جلاوطنی کے نتیجہ کے طور پر، ایسا ہوا کہ چند فلسفی نوشیرواں کے دربار میں آکر پناہ گزین ہوئے، اس طرح کے بہت سے شواہد کتب تاریخ میں مل سکتے ہیں،

دوسری صدی ہجری سے منطق و فلسفہ نے معارف اسلامی میں دخل پایا، پہلی بار ابن مقفعؔ نے پہلوی زبان میں منطق کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا جو بہت جلد اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچ گیا، بعض خلفائے عباسیہ نے، اور خاص طور پر خلیفۂ مامون الرشید نے کتب فلسفہ و منطق کا یونانی اور پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کرانے کا اہتمام کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم عقلی تک دانشوروں کی دسترس شروع ہوگئی زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ یہ علوم معارف اسلامی کا جزو بن گئے اور ان کا شیوع عام ہو گیا،

فلسفہ نظری کی تفصیل عہد مامون سے شروع ہوئی، اور تیسری صدی ہجری میں علمائے بزرگ مثلاً یعقوب بن اسحاق کندی[2] اور ابن راوندی مسلمانوں میں ظاہر ہوئے چوتھی صدی ہجری کے نیمۂ اول میں نابغۂ مشہور، ابونصر فارابی (متوفی ۳۳۹ھ) ظاہر ہوا، اس نے فلسفہ و منطق کو نئی زندگی بخشی، اس صدی میں دانشوران بزرگ مثلاً ابو سلیمان سیستانی اور ان کے ہم عصروں اور شاگردوں کی بڑی جماعت، کہ جس کے نام ابوحیان توحیدی کی کتاب "مقابسات" میں ملتے ہیں نمودار ہوئی، ساتھ ہی ساتھ مذکورہ کتاب میں ان حضرات کے افکار و عقائد اور طرز مباحث علمی بھی موجود ہے، اسی صدی میں انجمن اخوان الصفا کی تشکیل ہوئی، اور رسائل اخوان الصفا تحریر کئے گئے، جو مسلمانوں میں افکار فلسفہ کی پختگی کا نمونۂ کامل ہیں،

پانچویں صدی ہجری میں فلسفہ کمال و ترقی کے انتہائی درجہ پر پہونچ گیا اس صدی کے نیمۂ اوّل میں نابغہ عظیم ابو علی سینا ۳۷۰ھ نمودار ہوا اور فلسفہ مشائی میں اس نے کتب فراواں تالیف کیں، دانشوروں کی ایک بڑی جماعت مثلاً بھمنیار بن مرزبان آذربائیجانی، مولف کتاب "تحصیل" اور ابو عبید جوزجانی نے اس کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا، واقعہ یہ ہے کہ فلسفہ نے تیسری صدی ہجری میں رواج پایا، چوتھی صدی میں فارابی اور اس کے پیرووں کے زیر سایہ اس نے پرورش پائی اور پانچویں صدی میں ابن سینا کے افکار و تالیف کے ذریعے یہ حد کمال کو پہنچا

اس کے باوجود دین اسلام نے دوسرے ادیان و مذاہب عالم کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منطق و فلسفہ عقلی کی تائید اور سرپرستی کی، گروہ فلاسفہ ہر دور میں فرق اسلامی کے مقابلہ میں نبرد منّد رہا اس گروہ کے استدلالات اور شبہات عقلی نے افکار سادہ کو مضطرب، اور دینی و مذہبی اشخاص کو بحث و مناظرہ میں عاجز اور زبوں کر دیا۔ اسلام کے ایک گروہ نے اپنے آپ کو دلائل عقلی کے حربوں سے مسلح کیا اور ہجوم فلسفہ کے مقابلے میں ثابت قدم رہ کر جنگ کی، ایک اور گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے تطبیق دین و فلسفہ میں سرگرمی دکھائی لیکن ان میں سے کوئی تدبیر بھی سودمند ثابت نہ ہوئی، ان میں سے کسی گروہ کی بھی پیش نہ گئی اور فلاسفہ مرور ایام کے ساتھ ساتھ فروغ حاصل کرتے رہے، اصول فلسفہ استوار تر ہوتا رہا، اور علوم عقلی کا رواج بڑھتا گیا، دین خطرے میں گھر گیا، یہ عقدہ روز بروز سخت تر ہوتا گیا یہاں تک کہ نوبت غزالی تک پہنچی،

غزالی نے کتب فلسفہ کا مطالعہ کیا، آثار فلاسفہ تالیفات فارابی و بو علی سینا و رسائل اخوان الصفا کا پورا پورا مطالعہ کیا اور پھر پوری قوت کے ساتھ فلسفہ مشائی کی بنیاد ہلا دی اور وہ بنیاد جو فارابی اور ابی سینا کے ہاتھوں محکم اور استوار ہوئی تھی ڈھا دی، اور وہ اساس جس پر فلاسفہ کو بڑا بھروسہ تھا، ـــــ یعنی قواعد نظری ـــــ منہدم کر دی، اس سلسلہ میں انہوں نے کتاب "تہافت الفلاسفہ" تالیف کی، اور بیس فلسفیانہ مسئلوں کو جن میں سولہ مسئلے الہیات سے، اور چار طبعیات سے تعلق رکھتے تھے، اور جو بنائے اختلاف تھے باطل کر دیا، اور فلسفیانہ دلائل سے فلاسفہ کے خرافات کو ثابت کر دیا، وہ بنیاد جسے ہر شخص استوار، اور خلل ناپذیر خیال کرتا تھا، اور جسے برہم کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی غزالی نے اپنی نیروئے فکر اور اندیشۂ محکم سے اس میں رخنہ ڈال دیا،

یہ صحیح ہے کہ غزالی نے اساس فلسفہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن ان کے افکار اس درجہ کارگر ثابت ہوئے کہ فلسفۂ اسلامی میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور مسلمانوں میں جرأت پیدا ہو گئی کہ فلسفہ کو زیر تصرف لائیں

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں جو فلسفہ کے عروج و شباب کا زمانہ ہے عام مسلمانوں کی نظر میں اس علم سے انتساب ، کفر و زندقہ سے مترادف تھا ، چنانچہ انجمن اخوان الصفا کے ارکان نے اپنا نام جو پوشیدہ رکھا ، اس کا ایک سبب یہ دہر کا بھی تھا ،

تاریخ بغداد میں جہاں زید بن رفاعہ ہاشمی یکے از اعضائے اخوان الصفا کے احوال و سوانح درج ہیں ان کے ملحدانہ عقائد بھی منقول ہیں ،

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ زنادقہ اسلام تین تھے ، ایک ابن راوندی دوسرے ابو حیان توحیدی ، تیسرے ابوالعلا اور ان تینوں میں اسلام کا کٹر دشمن ابو حیان تھا ۵

یہ تینوں اصحاب جنہوں اصحاب جنہیں ابن جوزی نے زنادیق شمار کیا ہے بہت بڑے فلسفی تھے ، اور ان کی علت کفر صرف ان کا فلسفہ سے انتساب تھا ۔"

---

۱ جس کے نتیجہ میں اسے جام زہر پینا پڑا ۔ (رئیس احمد جعفری)

۲ حالات و سوانح کے لئے ملاحظہ ہو ابن ندیم کی " الفہرست " ، ابن القفطی کی " اخبار الحکما اور ابن ابی کی " طبقات الاطبا ر

۳ ابوالحسن احمد بن یحیٰی ، اس کے عقائد مخصوص کتب کلام میں منقول ہیں سال وفات ۲۴۵ھ بقول بعض ۲۵۰ھ ،

۴ شیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا متوفی ۴۲۸ھ بقول بعض ۴۲۷ھ ، اس کی اور فارابی کی شہرت تعارف سے بے نیاز ہے کتب سوانح و تاریخ میں ان دونوں کے مفصل حالات ملتے ہیں ۔

۵ طبقات الشافعیہ سبکی ، ج ۴ ص ۲ ، اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ابن جوزی چونکہ صوفیا سے عداوت رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے ابو حیان کے بارے میں یہ بات اسلئے لکھی ہے کہ وہ متکلمین صوفی مشرب میں سے تھے ،

اور فلاسفہ مجبور ہو گئے کہ اپنے مطالب کی تمہید میں، غزالی کے افکار و عقائد کو بھی پیش نظر رکھیں،

فلاسفہ کا ایک گروہ، جو عہد غزالی کے بعد نمودار ہوا۔ فلسفہ کی حمایت میں غزالی پر حملہ آور ہوا، ان کے مشہور تر مخالفوں میں ابن رشد متوفی ۵۹۵ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں انہوں نے ان کے رد میں کتاب "تہافت التہافت" تحریر کی، اس طرح خواجہ زادہ متوفی ۸۹۳ھ نے سلطان محمد فاتح عثمانی کے اشارہ پر، ایک کتاب لکھی جس میں غزالی اور ابن رشد کے مابین محاکمہ کیا گیا تھا،

ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اور ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ بھی غزالی کے مخالفوں میں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ابن رشد کی طرح فارابی اور ابن سینا کی حمایت میں اور فلسفہ کی تائید میں کھڑا نہیں ہوا،

ابن تیمیہ فلسفہ پر اور ان تمام لوگوں پر جنہوں نے عربی زبان میں فلسفہ کو منتقل کیا، اور اس علم کو مسلمانوں میں رواج دیا۔ نفرین کرتے ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ما اظن اللہ یغفل عن المامون ولا بد ان یعاقبہ بما ادخلہ علی ھذہ الامۃ!"

یعنی :-

اللہ تعالیٰ مامون کی اس حرکت سے کہ اس نے مسلمانوں میں فلسفہ رائج کیا، درگزر نہیں کرے گا بلکہ اسے مستوجب سزا قرار دے گا،!"

ابن تیمیہ غزالی کے اس لیے مخالف تھے کہ وہ صوفی تھے۔ ابن قیم نے احیاء العلوم پر کڑی نکتہ چینی کی ہے، اور اپنے خیال میں اشتباہات غزالی کا استخراج کیا ہے لیکن ابن رشد فلسفہ کی حمایت میں غزالی کے مخالف تھے،

اس مقام پر میں یہ بات بھی صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ صرف فلاسفہ اسلام ہی نے فلسفیانہ مجلسیں — مثلاً انجمن اخوان الصفا وغیرہ — قائم نہیں کیں بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے بھی، مثلاً یہودیوں، عیسائیوں، اور زردشتیوں میں سے ان لوگوں نے بھی جو دانشور تھے اور فلسفہ و منطق میں مہارت رکھتے تھے ان علوم کو ہر جگہ رواج دیا، شاپور بن سہل (متوفی ۲۵۵ھ) یوحنا ابن ماسویہ (متوفی ۲۴۳ھ) متابن لوقا، متی بن یونس۔ اسی طرح خانوادۂ بختیشوع و حنین بن اسحاق و ماسرجویہ وغیرہ اپنے وقت کے بہترین اطباء، فلاسفہ، اور مترجمین تھے لیکن مسلمان نہ تھے،

تصوّف عہد غزالی میں

تصوّف کی بنیاد واساس وارستگی وزہد اور کشف حقائق ہے لیکن بہ طریق سیر وسلوک، یہ بات کم وبیش قدیم ترین زمانہ تاریخی سے ادیان ومذاہب کے اندر ایک مستقل وجود رکھتی ہے یہی باعث ہے کہ اس مسلک روحانی کے آغاز تاریخی کا عہد متعیّن کیا جاسکتا ہے، نہ کسی مخصوص دین وملّت کو اس مسلک کا پیشوا قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک ہم سراغ لگا سکے ہیں ہر کیش وملّت اور ہر مذہب میں زاہدوں اور عابدوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہا ہے جن کا مشرب روحانی طریقۂ عمومی سے متفاوت رہا ہے،

تصوّف پر تجلیات روح ایرانی کا اثر، لیکن اسلامی سوسائٹی میں اور خاص طور پر کشور ایران میں اس نے ایک رنگ مذہبی اور جنبش فکری کی صورت اختیار کی ہے جس کی نظیر مذاہب عالم میں کہیں نہیں ملتی، اس جہت سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ نہضت دینی اور تحوّل فکری مختصات اسلام میں سے ہے۔ اور اس فکر کی پرورش یکسر تجلیات روح ایرانی کا شاہکار ہے کلمۂ صوفی وصوفیہ کا ایک فرقۂ مخصوص کے لئے استعمال بجائے خود اسلام سے ایک خصوصی تعلّق رکھتا ہے،

یہ بات کہ لفظ صوفی کہاں سے آیا؟ اور کس کلمۂ سے کس معنیٰ میں مشتق ہے، مختلف خیالات اس باب میں ظاہر کئے جاتے ہیں اور اس سلسلے کے تمام اقوال کا اس جگہ نقل کرنا بیکار ہے،

لفظ صوفی کا اشتقاق، قشیری نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ کلمۂ صوفی کا استعمال ایک فرقۂ مخصوص کے لئے ایک اصطلاحی لفظ ہے، جس کا اشتقاق عربی زبان سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا[1] ابن خلدون نے قشیری کی عبارت نقل کرتے ہوئے۔ اور خود اس عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طائفۂ صوفی چونکہ پشمینہ پوش تھا اس لئے اس نام سے معروف ہوگیا[2]

میرے خیال میں اگر کلمۂ صوفی کا اشتقاق ہم عربی سے ثابت کرنا چاہیں تو "صوف" کو اختیار کرنا

پڑے گا، جس کے معنی پشم کے ہیں کیونکہ اس طائفہ کے لوگ اکثر پشمینہ پوش ہوتے تھے، ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ ابن خلدون اور سمعانی سے منقول ہے کہ یہ لفظ "بنو صوفہ" سے لیا گیا ہو، جو خدمت گذاران کعبہ کی جماعت تھی، کہ جماعت صوفیہ اور بنی صوفہ اور آل صرفان کے کردار و رفتار کے مابین بہرحال مشابہت پائی جاتی ہے،[۳]

بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی کلمۂ یونانی سوفیا (SOPHIA) بہ معنی حکمت، اور سوفس ([illegible]) بہ معنی حکیم دانشمند) سے لیا گیا ہے، اسی طرح لفظ "سوفسطائی" ([illegible]) سے بھی یہ ماخوذ ہو سکتا ہے نیز لفظ تصوف "تھیوسوفی" ([illegible]) (بہ معنی خدا شناسی یا حکمت الٰہی) سے بھی بے شباہت نہیں ہے، بہرحال یہ سب احتمالات ہیں جو تشابہ لفظی سے ذہن میں آتے ہیں، دلیل قاطع ان کی تائید میں نہیں ہے۔

تصوف کا آغاز اور ابتدائی دور، اساس تصوف یعنی زہد، وارستگی، اور خدا پرستی، تمام تر تعلیمات اسلامی کا پرتو ہے، اور فرقۂ زہاد و عباد کا وجود صدر اسلام ہی سے، اہل صفہ کے درمیان پایا جاتا ہے مثلاً حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، صہیب رومی، اور عمار یاسرؓ کا نام کافی ہے، لیکن "صوفی" نام کا ایک خاص فرقہ، دوسری صدی ہجری، یعنی اواخر عہد اموی کی پیداوار ہے عہد اموی میں تعلیمات اسلام اور عملِ خلفائے راشدین کے برعکس دنیا پرستی کا جذبہ ابھرنے لگا اور سلطنت مطلقۂ عربی، بجائے خدا پرستی، وخلافت حقۂ روحانی کے وجود میں آگئی، چنانچہ مذہبی لوگوں کا ایک گروہ جو شیوۂ دنیا پرستاں سے جدا تھا اموی حکومت کا مخالف بن گیا۔ اس نے امور دنیوی سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور طریق زہد و عبادت کو اختیار کر لیا، یہی طبقہ صوفیا کے نام سے پکارا جانے لگا،[۵]

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، دوسری صدی ہجری سے پہلے بھی زہاد اور عباد —— مثلاً اہل صفہ —— موجود تھے لیکن صوفی کے نام سے نہیں پکارے جاتے تھے، اور حضرت سلمان فارسی، اویس قرنی، اور حسن بصری وغیرہ کو جو بعض کتب تذکرہ میں صوفی کہا گیا ہے، تو بایں طور نہیں کہ ان حضرات کے زمانے میں یہ لفظ چل نکلا تھا بلکہ اس اعتبار سے کہ ان حضرات کے اعمال و اقوال اس فرقہ سے مشابہت رکھتے تھے، جو بعد میں صوفی کہلایا،

پہلا صوفی اور پہلی کتاب تصوف، قدیم ترین کتاب، جس میں ایک مخصوص فرقہ زہاد

در خور نقل تھے انہیں کیوں چھوڑ دیا گیا؟

فلسفۂ خسروانی کی جستجو ، کہا جا سکتا ہے کہ شاید فلسفۂ خسروانی کی خاص خاص کتابیں بھی آثار مانوی کی طرح دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں ، اور ان کا نام و اثر بالکل مٹ گیا ، یا شاید ایسا ہو کہ فلسفہ ایرینیان کتابی طور پر مرتب نہ ہو ، اور علمائے زردشتی و مانوی سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا ہو ، اور ان کی یہ یادگار صرف شیخ اشراق تک پہنچ سکی ؟ ، کیونکہ کلمات شیخ میں نور و ظلمت ، شید و شیدان ، اور انوار اسپہبدیہ پر جو گفتگو آتی ہے وہ سراسر فلسفۂ زردشتی و مانوی سے تاثر کا نتیجہ ہے ،

یہ احتمالات ایک حد تک تو قابل یقین ہیں لیکن پورے طور پر نہیں ، اور اب جو راہ رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ فلسفۂ خسروانی کے اثر و نقوش مسالک تصوّف و ایرانی میں ہم تلاش کریں اور دیکھیں کہ یہ آثار کہاں تک دستیاب ہو سکتے ہیں ؟

شیعہ و سنّی تصوّف ، معلوم ہے کہ شیعہ و سنّی میں تصوّف اسلام کا منبع زہد و تقویٰ ، اور حب آل علی علیہ السلام ہے ، رفتہ رفتہ اس نے ترقی کی اور ایک مستقل مسلک کی صورت اختیار کر لی ، اور اس طائفہ میں دانشمندان بزرگ نمودار ہونے لگے اور اکثر ایسا ہوا کہ ان کے اندیشۂ عمیق اور فکر روشن اور حاصل ریاضت و کشف و شہود میں ایران قدیم اور ہندوستان و یونان کے عقائد سے تطابق نظر آتا ہے اور تطابق اس کثرت سے نظر آتا ہے کہ ایک شخص شبہ میں پڑ جاتا ہے کہ دونوں گروہوں میں سے اقتباس کس نے کیا ہے ، اقتباس کس سے کیا گیا ہے ؟ اس خیال کی تائید میں میرے پاس بہت سے دلائل ہیں فلسفہ ہائے قدیم ، خاص طور پر طریقۂ حکمائے فارس ، دھنذ فکر تصرف کی پختگی پر کافی حد تک اثر انداز ہوا ہے میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو ہر چیز اور ہر شخص کو اپنے وطن کی خاک و آب سے نسبت دینے کو تیار رہتے ہیں لیکن جہاں تک مورد تصوّف اسلامی تعلق ہے ، فنّی اور تاریخی دلائل کی بنیاد پر میرا یہ عقیدہ ہے کہ فکر ن کا گہوارہ ایران تھا اور روح کا مل اصلی فلسفۂ ایرانی ہے ۔

دوسری صدی ہجری میں تصوّف ایک سادہ سا مسلک تھا ، تیسری صدی ہجری میں اس نے علمی صورت اختیار کی اور ایک خاص مسلک کا حامل بن گیا ، اور تعلیمات عرفانی مثلاً وحدت وجود ، فنا فی اللہ ، بقا باللہ اس صدی کے مسائل تصوّف میں داخل ہوئیں ۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایسے مرتب اور مدوّن فن کی صورت اختیار کی جو دوسرے اسلامی علوم فنون کے مبادی موضوع اور مسائل میں یکساں تھا ،

کے لیے لفظ "صوفیہ" استعمال ہوا ہے، کتاب "البیان والتبیین" ہے جس کا مولف جاحظ ہے ۶ اور

سے پہلے جو شخص صوفی کے نام سے مشہور ہوا وہ ابو ہاشم صوفی ہیں ؂

جس طرح دوسرے عقائد آغاز ظہور میں بالکل سادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری میں
بھی اپنے آغاز میں صرف زہد و تقویٰ سے عبارت تھا، صوفی ہر وہ شخص تھا جو دنیا پرستوں کے برعکس
کنارہ کش ہو، اور اپنا وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرتا ہو، لیکن بہ تدریج یہ سادگی رخصت ہو
اور اس پر تحزب یعنی گروہ بندی کا رنگ چڑھنے لگا، نیز عقائد عرفانی و مسلک اشراقی و رواقی یونان و
پہلوی ایران اور بارہ مت کا طریقہ بھی اس نے اپنا لیا اور اس طرح جماعت اسلامی میں اس نے ایک پر اس
صورت اختیار کرلی، میرے خیال میں افکار بزرگان متصوفہ میں — جو زیادہ تر ایرانی تھے — حکم
فہلوی و فلسفہ خسروانی کے اثرات بھی شامل ہوگئے اور اس طرح یہ طائفہ یادگار ایران قدیم کا وارث بھی

ایرانی فلسفے کے اثرات، عقائد فہلویون کی نمو د کتب فلسفہ میں مثلاً مولفات شیخ اشرا
شہاب الدین سہروردی، ۸ میں نیز ملا صدرا۹ کی کتاب "اسفار" میں ہمیں صاف طور پر نظر آتی ہے
سراغ منبع فلسفہ خسروانی کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے، کہ تمدن اسلامی کے عہد شباب میں
نقل کتب اور آثار فلسفہ یونان و ایران پر پوری توجہ ہوئی، فلاسفہ و متکلمین اسلام نے نقل واقوال و ضبط عقائد میں اتنا اہتمام ملحوظ رکھا کہ
کے سخیف ترین عقائد بھی نظر انداز نہ ہونے دیئے۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسری ملتوں زردشتی، مانو
مسیحی اور ایک گروہ یہودی نے بھی فلسفہ کی تعلیم و تعلم پر توجہ کی، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ گو اسلام میں
حامل علوم زیادہ تر ایرانی رہے لیکن فلسفہ ایران کا سراغ نہیں ملتا، آخر یہ فلسفہ کیا ہوا؟ اور ظہور اسلا
سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک، جب شیخ اشراق نمودار ہوئے اور اپنے آپ کو پیرو فلسفہ پہلوی
حکمائے خسروانی قرار دیا، اور اس طریقہ فلسفہ کو تازہ و استوار کیا، یہ مسلک کہاں تھا؟ کس کتاب میں
اس گروہ کے عقائد کہاں تھے؟ کس کتاب میں ثبت تھے؟ کیا وجہ ہے کہ حکمۃ الاشراق، تلویحات، اور مطا
سے پہلے کی کتب فلسفہ میں اس طائفہ کے عقائد کے اثرات نظر نہیں آتے؟

یہ صحیح ہے کہ حکمت ایران قدیم ایک طرح کا فلسفہ عملی و اخلاقی ہے اور چوتھی و پانچویں صدی ہج
کے اکابر مثلاً فارابی و ابن سینا نے ارسطو اور مسلک مشائی کی پیروی کی لیکن عقائد افلاطون و ذیمقراطیس
وابیقور و فرفوریوس، وغیرہ تو انہوں نے نقل کئے۔ لیکن حکمائے فارس کے عقائد علمی بھی قابل اہمیت

۸ ۔۔۔ بایزید بسطامی، ۲۶۱ ۔۔۔ ۲۶۴ھ کے مابین وفات پائی ان کے مرتبہ عالی کا کون معترف نہیں ؟

۹ ۔۔۔ شاہ شجاع کرمانی، متوفی ۲۷۰ھ یہ بھی نامی صوفیا میں گزرے ہیں،

۱۰ ۔۔۔ جنید بغدادی متوفی ۲۹۳ھ، طریقہ تصوّف کو ان کی ذات کے انتساب سے اعزاز حاصل ہے ،

۱۱ ۔۔۔ سری سقطی، ۲۵۱ ۔۔۔ ۲۵۷ھ کے مابین وفات پائی، ان کے شہرے سے بزم تصوّف کے بام ودر گونجتے رہے ہیں،

۱۲ ۔ امام شافعی، متوفی ۲۰۴ھ

۱۳ ۔۔ مزنی، امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ) سال وفات ۱۷۵ ۔۔ ۲۶۴ھ ۱۴ ۔۔ محاسبی، ابو عبداللہ حرث بن اسد متوفی ۲۴۳ھ)

۱۵ ۔۔۔ ذوالنون مصری، ان کی تاریخ وفات ۲۴۵ تا ۲۴۸ھ بیان کی جاتی ہے ،

۱۶ ۔ حرملہ بن یحییٰ، سال ولادت ۱۶۶ھ سال وفات ۲۴۳ھ

چوتھی صدی ہجری کا دور تصوّف ، چوصدی ہجری میں ممالک اسلامی کے اندر اور خاص طور پر ایران کے اندر تصوّف نے غیر معمولی عروج و فروغ حاصل کیا، اس فرقہ میں بہت سے اعاظم و اکابر نمودار ہوئے اور بہت سی کتابیں اس موضوع پر تالیف ہوئیں ۔

اس عہد کی معروف ترین کتب تصوّف میں "قوت القلوب" ہے، جس کے مولف ابو طالب مکی متوفی ۳۸۶ھ ہیں جس کا غزالی نے اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے ، دوسری کتاب "اللمع" ہے تصوّف کی یہ بلند پایہ کتاب ابونصر سراج طوسی کی تالیف ہے جس کا سال وفات ۳۷۸ھ ہے یہ ابونصر استاد طریقت ہیں پیر ابو الفضل حسن سرخسی کے، اور وہ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے مرشد تھے ،

اس عہد کے بعض بزرگوں کے اسماء گرامی یہ ہیں، :

ابو محمد مرتعش نیشاپوری ان کا سال وفات ۳۲۷ھ

۲ ۔ ابوالقاسم نصرآبادی متوفی ۳۷۲ھ یہ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کے استاد اور پیر طریقت تھے ،

۳ ۔ ابو محمد جریری، یہ پیر طریقت تھے شیخ محمد بن عبداللہ طبری، اور ابوالعباس قصاب آملی، اور احمد بن عبدالکریم قصاب آملی، اور شیخ محمد قصاب آملی کے ،

ابو محمد جریری کی وفات ۳۱۱ ۔۔۔ ۳۱۴ کے مابین ہوئی ،

زاہد، عابد، اور عارف ؛ عرفان و عبادت اور زہد آغاز امر میں ایک دوسرے سے جدا نہ تھے، لیکن تدریج جدا ہوتے چلے گئے، اور عابد و زاہد و صوفی و عارف، مقصود اور غایت فکر و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے۔

شیخ الرئیس نے اپنی کتاب کے نمط نہم میں فرمایا ہے :

"المعرض عن متاع الدنیا وطیبہا یخص باسم الزاہد والمواظب علی فعل العبادات من القیام والصیام ونحوہما یخص باسم العابد، والمتصرف بفکرہ الی قدس الجبروت مستدیما لشروق نور الحق فی سرہ یخص باسم العارف وقد یترکب بعض ہذہ مع بعض۔"

یعنی :

متاع دنیا اور اس کے طیبات سے جو کنارہ کش رہے وہ زاہد ہے، عبادات یعنی صوم و صلوٰۃ وغیرہ میں جو منہمک رہے وہ عابد ہے، جو اپنی فکر کو قدس جبروت سے نور حق کی تجلّی کے لئے سرِ اخفا کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رکھے وہ عارف ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک شخص ان مدارج میں سے ایک سے زیادہ پر فائز ہوتا ہے،

دانشوران ایران اور تصوّف ؛ تیسری صدی ہجری میں دانشوران ایران کا ایک گروہ رشتۂ تصوف میں داخل ہو گیا، یہ لوگ اس عمارت کے صحیح عامل اور مؤسس ثابت ہوئے،

بعض مشاہیر صوفیہ جو اس سلسلہ کے سرگروہ تھے اور جو دوسری صدی کے نیمۂ دوم سے تیسری صدی کے اواخر تک گزرے ہیں یہ ہیں :

۱ - ابوہاشم صوفی — جن کا ابھی کچھ پہلے ذکر آچکا ہے۔

۲ - سفیان ثوری، متوفی ۱۶۱ھ، جو اپنے وقت کے بزرگ ترین صوفی گزرے ہیں،

۳ - ابواسحاق ابراہیم بن ادہم بلخی متوفی ۱۶۲ھ

۴ - معروف کرخی، جو طریقۂ تصوّف کے بانیوں میں سے ہیں، اور ایرانی الاصل ہیں سال وفات ۲۰۰ھ

۵ - ابوحامد بلخی (متوفی ۲۴۰ھ)

۶ - ابواسحاق نیشاپوری، یکے از اجل صوفیائے کرام، متوفی ۲۶۵ھ

۷ - علی بن سہل اصفہانی، متوفی ۲۸۰ھ ان کا شمار بھی اپنے عہد کے بلند مرتبہ صوفیوں میں ہوتا تھا،

بہر حال پانچویں صدی ہجری ایران میں تصوف کے اہم ترین دور سے تعلق رکھتی ہے، اس صدی کے نیمہ اول میں کئی بزرگ اس رشتہ میں منسلک ہوئے، مثلاً نابغہ خراسان شیخ ابوسعید ابوالخیر (سال ولادت ۳۵۷ھ سال وفات ۴۴۰ھ) یا شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی نیشاپوری، متوفی ۴۱۲ھ مؤلف طبقات الصوفیہ و پیر خرقہ شیخ ابوسعید شیخ ابوالحسن خرقانی متوفی ۴۲۵ھ و شیخ ابوعلی دقاق متوفی ۴۰۶ھ و شیخ ابوعلی داستانی متوفی ۴۰۷ھ و شیخ ابوعبداللہ شیرازی، معروف بہ باباکوہی متوفی ۴۴۲ھ و ابومنصور اصفہانی، متوفی ۴۱۸ھ حافظ ابونعیم اصفہانی، مولف کتاب معروف "حلیتہ الاولیاء" جس میں صوفیا، زہاد، اور عباد کے احوال و سوانح مرقوم ہیں، متوفی ۴۳۰ھ و ابوعلی سیاہ متوفی ۴۲۴ھ و لقمان سرخسی از مشائخ سرخس و شیخ ابوالقاسم گرگانی متوفی ۴۵۰ھ

اس صدی کے نیمہ دوم میں، ابوعلی فارمدی (متوفی ۴۷۷ھ) جیسے بزرگ گزرے ہیں یہ علم تصوف میں حجۃ الاسلام امام غزالی کے استاد ہیں۔ نیز امام ابوالقاسم قشیری، مؤلف رسالۂ قشیریہ متوفی ۴۶۵ھ پیر ہروی خواجہ عبداللہ انصاری، صاحب "امالی" بزبان ہروی، و کتاب منازل السائرین" مقامات سیر و سلوک" ان کا سال ولادت ۳۹۶ھ ہے اور سال وفات ۴۸۱ھ و ابوعثمان نیشاپوری متوفی ۴۵۷ھ و ابوبکر نساج طوسی متوفی ۴۸۷ھ جو امام احمد غزالی کے استاد ابوالقاسم گرگانی کے شاگرد تھے، اور ان سب کے سرآمد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ — ۵۰۵ھ) تھے جنہوں نے تصوف کو عروج و ترقی کے درجہ عالی پر پہنچا دیا،

تصوف اور رجال صوفیہ، اس صدی کے اندر عربی اور فارسی زبان میں تصوف، اور رجال صوفیہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، مثلاً کشف المحجوب جو فارسی زبان میں ہے اور ابوالحسن علی بن عثمان غزنوی کی تالیف ہے، نیز کتاب " طبقات الصوفیہ" و "حلیتہ الاولیاء" و "رسالہ قشیریہ" و "امالی ہروی" و "منازل السائرین" وغیرہ کہ جن کے مؤلف معروف و مشہور رہیں۔

غزالی تصوف کے کوچہ میں، غزالی نے جب مختلف علمی و عملی مراحل طے کر لئے، تو مسلک تصوف کی طرف متوجہ ہوئے، اپنے مؤلفات مثلاً "احیاء العلوم" اور "روضۃ الطالبین" اور " " وغیرہ میں جگہ جگہ اس طائفہ کے عقائد ایسے طرز میں کہ انصاف پسند لوگوں کی نظر میں مورد و قبول ہوں، اس مسلک کی اساس و بنیاد کو قوت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور براہین و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ مذہبی گمراہیوں سے بچنے کی بشر کے لئے تنہا راہ نجات صرف طریقہ تصوف ہے، باقی تمام ضلالت اور گمراہی ہے،

۴۔ خیر نساج، متوفی ۳۲۲ھ، یہ استاد ہیں مشہور صاحب طریقت بزرگ شبلی کے،

۵۔ حسین بن منصور حلاج، یہ ۳۰۹ھ میں خلیفہ کے حکم سے قتل کیے گئے،

۶۔ ابو عبداللہ زاہد، متوفی ۳۶۹ھ

۷۔ شبلی، متوفی ۳۳۴ھ

تصوف پانچویں صدی ہجری میں، پانچویں صدی ہجری، یا دوسرے الفاظ میں عہد غزالی تصوف کی پختگی اور تکمیل کا دور ہے، اس عہد میں کثرت سے صوفیوں کی خانقاہیں قائم ہوئیں، مجلسیں آراستہ ہوئیں حلقے قائم ہوئے، اس فرقہ کے دانشور متعدد بلاد اسلامی میں خاص طور پر، ایران میں اور بالخصوص غزالی کے وطن طوس میں بہت زیادہ تھے،

خواجہ نظام الملک طوسی خود بھی صوفی مشرب تھے، اور تصوف کے بڑے زبردست پشت پناہوں میں تھے، اس طائفہ کے اکابر کے ساتھ ان کی اکثر نشست برخاست رہتی تھی، اور ان کا وہ غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ امثال ابو علی فارمدی کو اپنے حضور میں تمام علماء و فقہاء پر قدم رکھتے تھے، مجلس اشراف میں فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے ۔ اور جماعت صوفیہ کو دیگر طبقات پر ترجیح دیتے تھے ۔

علماء اور صوفی، معتزلی و اشعری اور شیعہ و سنی اور دیگر طوائف میں جدال و کشمکش کا سلسلہ جاری تھا، اس کشمکش سے جماعت ہذا الگ تھلگ تھی اور اپنے کام میں لگی تھی۔ اس صورت حال نے اسے موقع دیا کہ فراغت اور یکسوئی کے ساتھ اپنا کام کرتی رہے،

اس جماعت میں ایک گروہ ایسا بھی تھا، جو صاحب کشف و کرامت تھا، لوگ ان لوگوں کے گرد جمع تھے

اس صورت حال کا تعلق صرف پانچویں صدی سے نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اور بعد بھی یہ صورت موجود تھی،

پانچویں صدی کے علماء فقہاء میں ایک بڑا گروہ خود مشرب تصوف کا حامل تھا، اور اسی باعث صوفیا سے مزاحم نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس طائفہ کی عزت و تکریم کرتا تھا،

شیخ ابو اسحاق شیرازی اپنے عصر کے بزرگ ترین علماء میں محسوب ہوتے ہیں خلیفہ بغداد کی طرف ایک مرتبہ پورے جاہ و تجمل کے ساتھ خراسان تشریف لائے اور خراسان کے علمائے بزرگ، مثلاً امام الحرمین وغیرہ ان کی پیشوائی کے لئے موجود تھے لیکن ان کا یہ حال تھا کہ سب سے پہلے وہ ایک صوفی بزرگ سہلکی بسطامی کی خدمت میں اظہار احترام کے لئے یہ مقام بسطام حاضر ہوئے ۔

جلال الدین بلخی (سال ولادت ۶۰۴ھ، سال وفات ۶۷۲ھ) صاحب مثنوی مولانا روم، افصح المتکلّمین سعدی، شیرازی متوفی ۶۹۱ھ وشہاب الدین سہروردی، مؤلف "عوارف المعارف" (سال ولادت ۵۳۹ھ سال وفات ۶۳۲ھ) ونجم الدین رازی، معروف بہ دایہ (متوفی ۶۴۵ھ) مؤلف مرصاد العباد" و فخر الدین عراقی (متوفی ۶۸۸ھ) صاحب "لمعات" جس کی شرح جامی نے "اشعۃ اللمعات" کے نام سے لکھی ہے، افضل الدین کاشانی معروف بہ بابا افضل متوفی ۷۰۷ھ صاحب تالیفات بسیار فارسی مثلاً "خرد نامہ" و "رہ انجام نامہ" (صدر الدین محمد قونوی متوفی ۶۷۲ھ مولف "مفتاح الغیب" و محی الدین اعرابی مؤلف فتوحات مکیہ" متوفی ۶۳۸ھ وغیرہ سب ساتویں صدی کے لوگ ہیں، ا

تصوّف کے آثار پختہ ونیم رس، ساتویں صدی ہجری کے بعد بھی اس درخت کہن سال سے اثمار پختہ و نیم رس نمودار ہوتے رہے۔ مثلاً:-

شمس الدین محمد حافظ شیرازی متوفی ۷۹۱ھ وشاہ نعمت اللہ کرمانی، جنہیں بجا طور پر آٹھویں صدی میں اس اس درخت کا میوۂ دیررس کہا جاسکتا ہے،

اس صدی میں شیخ صفی الدین اردبیلی (سال ولادت ۶۵۰ھ سال وفات ۷۳۵ھ) گزرے ہیں جو شیخ زاہد گیلانی کے مرید باصفا تھے، علاوہ ازیں علاء الدولہ سمنانی (سال ولادت ۶۵۹ھ سال وفات ۷۳۶ھ) اور کمال الدین عبدالرزاق کاشانی، شارح "منازل السائرین" و "الحکم" (متوفی ۷۳۱ھ) گزرے ہیں جن کے معاصر عز الدین محمود بن علی کاشانی صاحب کتاب "مصباح الہدایہ"، و "مفتاح الکفایہ" تھے، نیز شیخ محمود شبستری بھی اس صدی کے بزرگ ہیں جو ۷۲۰ھ میں فوت ہوئے، جن کی کتاب "گلشن راز" معروف جہاں ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے نامور عارف اس صدی میں گزر چکے ہیں،

عہد زوال وانحطاط، آٹھویں صدی ہجری درحقیقت تصوّف کے خاتمہ کی صدی ہے کہ یہاں سے تصوّف کے زوال وانحطاط کا دور شروع ہوتا ہے احیاناً اگر کوئی تصوّف کا علمبردار پیدا ہوا تو بس اقوال سلف کا تکرار کرتا رہا، یہاں تک کہ مدعیان تصوّف کا صرف کام آنا رہ گیا کہ بقول مولانا روم:

ورنہ این زاغان دغل افسر وختند
بانگ بازان سفید آموختند!

غزالی نے تصوّف کو حال سابق پر باقی نہیں رکھا بلکہ اسے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر بھی کسا، اور سادہ لوح لوگوں کے لئے جو اس زمانہ میں مشہور تھے ایسے حقائق بیان کئے جو روشن تھے اور انہیں فریب متصوفہ (یعنی نقلی صوفی) سے آزاد کیا،

غزالی اور منزل سیر و سلوک، غزالی کے رہنما اور پیر طریقت آغاز امر میں ابو علی فارمدی تھے لیکن استاد سے انہیں جو کچھ ملا، اس پر وہ قناعت نہ کر سکے اور خود سیر و سلوک میں پورے طور پر منہمک ہو گئے یہاں تک کہ حقائق اچھی طرح ان پر منکشف ہو گئے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ سرمایہ ہدایت بس اسی طریقہ میں ہے اور کہیں نہیں ہے البتہ شرط یہ ہے کہ ریاکاری سے دور رہا جائے، غزالی کے مؤلفات و تبلیغات کے نشر و ظہور نے تصوّف کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اور فلسفہ کی طرح یہ فن بھی غزالی کے عہد سے، ایک مرتب اور مستقل فن بن گیا،

یوں سمجھنا چاہیئے کہ پہلی صدی ہجری میں تعلیمات اسلامی کی تخم ریزی تصوّف نے کی، دوسری صدی میں یہ بیج نمودار ہوئے، تیسری صدی ہجری میں انہوں نے قوت حاصل کی، چوتھی صدی میں بالیدگی اور رشد کے درجے تک پہنچے اور پانچویں صدی میں کامل نبحر کر لیا، اور شگوفہ ہائے تصوف کھلنے لگے اس دور میں اور اس کے بعد میوہ ہائے شیریں اس فصل سے اترنے لگے،

چھٹی صدی کے میوہ ہائے شیریں، چھٹی صدی ہجری میں شجر تصوّف سے جو تر و تازہ میوے ہاتھ آئے وہ تھے،:-

سنائی غزنوی جو سلطان سنجر سلجوقی کے معاصر تھے، اور بہرام شاہ غزنوی اور شیخ شہاب الدین سہروردی مؤلف حکمۃ الاشراق، (سال ولادت ۵۴۹ھ سال وفات ۵۸۷ھ) اور امام احمد غزالی متوفی ۵۲۰ھ، یہ امام غزالی کے بھائی تھے اور محمد بن حمویہ جوینی متوفی ۵۳۰ھ جو بقول یافعی صوفیہ خراسان کے استاد تھے،

کتاب "اسرار التوحید" جو فارسی زبان میں ادب و تصوّف کا گراں بہا شہ پارہ ہے۔ اس صدی میں تالیف ہوئی،

تصوّف کے خوب تر اور شیریں تر میوے، ساتویں صدی ہجری میں شجر تصوّف کے خوب تر اور شیریں ترین میوے تھے،:-

شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری صاحب "منطق الطیر" و "تذکرۃ الاولیاء" (متوفی ۶۲۷ھ) و مولانا

کا نعرہ، اس طرح مخالفوں کے ہاتھ میں خود انہوں نے دستاویز دے دی، اور تمام صوفیہ کفر و زندیق سے متہم کئے جانے لگے،

اس اختلاف کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ بعض دفعہ نوبت کشت و خون تک پہنچ گئی، بعض صوفیا کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کی لاشیں جلا دی گئیں، ہر دو طوائف کے علما نے ایک دوسرے کے رد میں کتابیں بھی لکھیں، ان اختلافات کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو کتاب "تبصرۃ العلوم" تالیف سید مرتضیٰ داعی رازی، وکشف المحجوب، وکتاب الفصل فی الملل والاہوا، والنحل تالیف ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ و اسرار التوحید وغیرہ سے رجوع کیا جائے، متاخرین کے آثار و مؤلفات میں یہ مسائل ملتے ہیں۔

پایان کلام: تین نکتے، اب ہم اس باب کو تین مزید نکتے بیان کر کے ختم کرتے ہیں،

نکتۂ اوّل، پہلا نکتہ یہ کہ شیعہ اور سنّی میں اساس تصوّف متفاوت ہے،

سنیوں میں تصوّف نام ہے صرف روح زہد و تقشف و عبادت و خدا پرستی کی انگیخت کا، لیکن شیعوں میں علاوہ عبادت اور دنیا سے کنارہ گیری کے ایک دوسری چیز بھی درکار ہے، اور وہ عبادت ہے ولایت اور دوستداری اہل بیت اور امام زندہ یا ولی عصر ــــ جس کے ہاتھ میں زمام امر و نہی ہوتی ہے، ــــ کی پیروی کامل سے، ویسے سنی طریقہ میں بھی قطب، یا غوث اور امام کا وجود طریقت میں پایا جاتا ہے لیکن صوفی شیعہ قطب اور امام کو پورے معنیٰ میں صاحب تصوف شمار کرتا ہے، اس کے برعکس سنی صوفی قطب کو صرف ہادی اور رہنما تسلیم کرتا ہے،

صوفیا کے شیعہ اور سنی طوائف مرور ایام سے ایک دوسرے سے قریب بھی ہوئے، اور ایک سلسلہ کے دوسرے سلسلہ میں عقائد و آداب کچھ اس طرح داخل ہو گئے کہ بعض دفعہ تو تمیز مشکل ہو جاتی ہے بعض مواقع پر تو ایسا نظر آتا ہے کہ شیعہ صوفی اور سنی صوفی میں بہ اعتبار عقائد کچھ زیادہ تفاوت نہیں، اس موضوع کے اسباب وعلل اس دفتر میں نہیں سما سکتے،

نکتۂ دوم، ابتدائی زندگی کی تربیت ہر شخص کے رشد و نمو فکر میں کامل طور پر مؤثر ہوتی ہے ایک فقیہ اور متشرع، تصوّف کی دنیا میں جو رنگ اختیار کرتا ہے وہ اس فلسفی یا شاعر کے رنگ سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس نے تصوّف کے کوچہ میں قدم رکھا ہو، کوئی فقیہ متعبد اگر صوفی ہو جائے تو وہ زاہد کامل بن کر نمودار ہوتا ہے نہ کہ رند عالم سوز کہ ہر چیز حتی کہ آداب مذہبی تک کو ناقابل التفات سمجھنے لگتا

حرف درویشاں نزدید بسے
تاگماں آید کہ ہست او خود کسے
خردہ گیرد در سخن بر بایزید
ننگ دارد از درون او یزید

تصوّف کا آغاز و انجام ، اب تک ہم نے جو کچھ کہا یہ تصوف کے تاریخی دور سے تعلق رکھتا تھا لیکن علمی و روحانی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تصوف کا آغاز زہد و تقشف سے ہوا، اور عقیدہ حلول و اتحاد، اور وحدت موجود پر اختتام ہوا کیونکہ ابتدائی اور درمیانی دور کے بعد اس میں فلسفہ ایران و ہند، اور مسلک رواقی سے و اشراقی سے یونان بھی شامل ہوگیا۔ اور نوبت عقیدۂ وحدت وجود تک پہنچ گئی، بلکہ بعض صوفیا نے تو ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وحدت موجود اور حلول اتحاد کا عقیدا پیدا کردیا،

شروع شروع میں صوفیا اور دیگر اسلامی فرقوں میں بس اتنا فرق تھا کہ یہ اہل زہد و مراقبہ و تارک دنیا تھے، پھر جب تصوّف مخصوص اصولوں اور ضابطوں کا بند ہوگیا اور ایران و ہند و یونان کا فلسفہ بھی اس میں شامل ہوگیا تو جملہ علوم و معارف اسلامی سے کامل طور پر ممتاز ہوگیا اور فرقہ صوفیہ دوسرے فرقوں سے جدا ہوگیا،

اعمال صوفیہ اور ان کی قسمیں ، اعمال صوفیہ کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ ایک عبادت ظاہر مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ، اور اس جہت سے صوفیوں اور دوسرے مسلمانوں کے مابین کسی طرح کا تفاوت نہیں ہے،

۲۔ دوسرے ریاضت شاقہ، مثلاً چلّہ کشی کہ یہ عامہ مسلمین کے طور و طریق ظاہری سے یکسر متفاوت ہے،

۳۔ تیسرے، مخصوص آداب و شعار، جو مخصوص اصطلاح "آداب دستخانی" کے ذیل میں آتے ہیں مثلاً، "خرقہ" " " "رکوہ" "میاں بند" "رقص" "سماع" "وجد" "تواجد" اور آداب رباط و خانقاہ، و خرقہ، وغیرہ، جو صوفیہ کے تمام طوائف و سلاسل میں یکساں نہیں ہیں، ـــــ

متشرع اور صوفی ، ایک متشرع شخص میں اور صوفی میں کافی اختلاف ہے، متشرع شخص ظاہر عبادت پر قانع ہے، اور ریاضات شاقہ کو بدعت شمار کرتا ہے، رقص و سماع وغیرہ کا بھی سخت مخالف ہے لبعض صوفیا نے بھی علاوہ اس کے کہ ظاہر شریعت سے کوئی سروکار نہ رکھا بعض شطحیات کا بھی ان سے صدور رہا، مثلاً "انا الحق"

ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایسے صوفیہ کو دیکھا ہے جو جزئی ترین اعمال شریعت از قبیل مندوبات و مکروہات تک پر پوری توجہ مبذول رکھتے ہیں، ہر تعلق سے آزاد ہو جاتے ہیں — نخشت زیر سر اور تارک ہفت اختر۔

نکتۂ سوم: وہ تصوف جو ایرانیوں میں پھلا پھولا اور جس کی مثال میں حافظ اور مولانا روم صاحب مثنوی کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جملہ ملل اسلامی سے نمایاں فرق رکھتا ہے، جس سے عجیب عجیب اسرار منکشف ہوتے ہیں لیکن بد قسمتی سے اس موضوع پر تحقیق کا کام نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ اب تک ایک گم شدہ کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رشتہ کا ایک تار مولوی معنوی کے ہاتھ میں آگیا ہے کہتے ہیں:

هر که را را عشق آئین بود
فوق قهر و لطف و کفر و دین بود

تعلیقات

[1] ولا یشهد لهذا الاسم اشتقاق من جهة العربیة ولا قیاس والظاهر انه لقب، ومن قال اشتقاقه من الصفا او صفاء او صفة فهو بعید من القیاس

اللغوی ، !" وکذالک من الصوف لانهم لم یختصوا ، !"

یعنی ،

اس لفظ کا عربی سے مشتق ہونا ثابت نہیں ہے نہ قیاس سے ثابت ہے ، بظاہر یہ ایک لقب ہے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے ، کہ یہ "صفا" یا "صفہ" یا "صفوہ" سے مشتق ہے تو یہ بات قیاس لغوی کے اعتبار سے بعید ہے ، ــــ اسی طرح یہ "صوف" (اون) سے بھی مشتق نہیں ہے ، اس لئے کہ صوفیہ کے لیے پشمینہ پوش ہونا ضروری نہیں تھا ،

۲ مقدمہ ابن خلدون ،

۳ اس لفظ کا اشتقاق صفا یا صفہ سے قشیری کے نزدیک درست نہیں ہے ، لیکن زمخشری نے "اساس البلاغۃ" میں اس احتمال کا اظہار کیا ہے کہ یہ لفظ "صفہ" سے ماخوذ ہے اور "صفیۃ" یعنی تشدید کو تخفیف کی غرض سے واؤ سے بدل دیا اور صوفیہ کہنے لگے ،

۴ اہل صفہ کے احوال وسوانح کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "حلیۃ الاولیا" از حافظ ابونعیم اصفہانی نیز کشف المحجوب ،

۵ ولما فشا الاقبال علی الدنیا فی القرن الثانی وما بعدہ وجنح الناس الی مخالطۃ الدنیا اختص علی العبادۃ باسم الصوفیۃ والمتصوفۃ ــ!"

مقدمہ ابن خلدون ،

۶ ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب ، معروف بہ جاحظ ۱۶۳ھ میں بہ مقام بصرہ پیدا ہوئے ، ۲۵۵ھ میں وہیں وفات پائی ، اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے "الصوفیۃ من النساک ، !" یعنی صوفیہ زاہدوں اور عابدوں کے گروہ کو کہتے ہیں ،

۷ ملاحظہ ہو جامی کی "نفحات الانس"

یہ ابوہاشم سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ اور ابراہیم بن ادہم بلخی متوفی ۱۶۲ھ کے معاصر تھے ،

(نفحات جامی ، (شذرات الذہب)

۸ **شہاب الدین سہروردی** ، یحییٰ بن حبش بن امیرک معروف بہ شیخ اشراق و شیخ مولف حکمۃ الاشراق وتلویحات ، مطارحات ، ہیاکل النور ، یزداں شناخت (فارسی زبان میں)

فخر الدین عراقی (ابراہیم بن شہریار) نے کتاب "فصوص" کی املا بلاد روم میں انہی سے کی تھی، کتاب "مفتاح الغیب" و "نفحات الٰہیہ" و "فکوک" و "تفسیر و تاویل سورۂ فاتحہ" انہی صدر الدین کے مؤلفات میں سے ہے ان کی تاریخ وفات اور مدت زندگانی کو ضبط تحریر میں کم ہی لایا گیا ہے، طبقات شعرانی" (امام عبد الوہاب شعرانی) میں ان کا سال وفات ۶۷۲ھ (قونیہ میں) تحریر ہے اس حساب سے مولانا، اور خواجہ نصیر الدین طوسی اور صدر الدین قونوی کا سال وفات ایک ہی ماننا پڑے گا، !

۱۲ے محی الدین اعرابی، مراد ہیں محی الدین ابو بکر محمد بن علی بن محمد معروف بہ اعرابی، ان کی ولادت شب دوشنبہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو ہوئی، اور وفات ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ میں ہوئی،

ان محی الدین کو بواسطہ توافق جو کنیت اور نام و لقب میں ہے، محی الدین ابو بکر محمد بن عبد اللہ معروف بہ ابن عربی صاحب "نصوص الحکم" سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان کی وفات بر قول یافعی ۵۴۳ھ میں ہو چکی تھی۔"

۱۳ے (STOICISME)

۱۴ے (PLATONISM)

۱۵ے صوفیا کے عادات و طرق کی شرح و تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو وہ کتب ذیل:

مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ، عوارف المعارف، سہروردی کشف المحجوب، "التعرف فی التصوف" فارسی میں جس کی شرح ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے،

۱۶ے بعض صوفیہ مانند محی الدین کہتے ہیں کہ قطب یا غوث ہر زمانے میں بزرگ ترین رئیس طائفہ ہوتا ہے، اس کے ماتحت رتبہ و مقام کی حیثیت سے دو اور نفر بنام امام اور چہار تن بنام اوتاد اور چہل تن بنام بجار چند تن بنام ابدال اور چند نفر بنام نقبا ہوتے ہیں، یہ تقسیم تشکیلات حزبی میں برائے تعیین مقام اشخاص روا رکھی گئی ہے،

ان کے اور بھی بہت سے مؤلفات ہیں جن کا مؤرخین نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، یہ ۵۸۷ھ میں علمائے حلب کے فتوے پر قتل کئے گئے، اسی نام (شیخ شہاب الدین سہروردی) کے ایک اور بزرگ بھی ہیں ان کا اصل نام ابوحفص عمر بن محمد ہے، یہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور عارفوں میں ہیں ان کا سال ولادت ۵۳۹ھ اور سال وفات ۶۳۲ھ کتاب "عوارف المعارف" ان کی تالیف ہے جو تصوف میں ہے، ان دونوں میں اکثر اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے،

ملا صدرا، محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا جو خاتم فلاسفہ ایران شمار ہوتے ہیں ان کے بہت سے مولفات ہیں، سب سے اونچی کتابوں میں "اسفار" وشرح اصول کافی، اور چند سورتوں کی تفسیر قرآن ہے، ۱۰۵۰ھ میں سفر حج کے ارادے سے نکلے بصرہ میں انتقال ہو گیا،

۹ **شیخ الاسلام پیر ہروی**، شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور معروف بہ پیر ہروی خواجہ عبداللہ انصاری صاحب "امامی" ہیں جو ہروی زبان میں ہے،

امالی، املار کی جمع ہے، اصطلاح قدیم میں اس سے مراد ہوتے تھے وہ درس و مواعظ اور خطبات پر اور ان کے مطالب پر مشتمل ہوتے تھے جو استاد کی از درس سے ماخوذ ہوتے تھے، اور جنہیں شاگرد لکھ لیا کرتے تھے، ان کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ہر مجلس میں روز و ماہ و سال کی تعیین پر تصریح کے ساتھ شاگرد انہیں قلمبند کر لیتے تھے، پھر استاد ان پر ایک نظر ڈال لیتا تھا، اور روایت کی اجازت دے دیتا تھا،

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ استاد شاگردوں سے جداگانہ طور پر خود اپنی یادداشتیں قلمبند کر لیتا تھا، اسے اور اس طرح کی توضیحات وحواشی کو جو بزرگانہ فن کے مطالب وعبادت پر ہوں تعلیقہ کہتے تھے،

بعض علمائے قدیم کے آثار، "امالی" کے نام سے ابتک موجود ہیں مثلاً امالی صدوق "امالی سید مرتضیٰ" و "امالی شیخ طوسی" وغیرہ

خواجہ عبداللہ انصاری نے کتاب طبقات الصوفیہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کو مجلس وعظ میں املا کیا تھا اور بعد جنہیں نویں صدی ہجری میں عبدالرحمٰن جامی نے فارسی میں منتقل کیا،

۱۰ طبقات الشافعیہ سبکی، وطرائق الحقائق

۱۱ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ترین عارفوں میں سے ہیں، عرفان وتصوف میں یہ ایک طریقہ خاص کے موجد ہیں، بقول بعض محی الدین ابن عربی اور مولانا کے معاصر تھے،

لقب "حجۃ الاسلام"

امام محمد غزالی کا لقب "حجۃ الاسلام" تھا ان کے بارے میں یہ لقب از قبیل القاب تعارف بے معنی نہ تھا، بلکہ جس طرح "ثقۃ الاسلام" کلینی متوفی ۳۲۹ھ کے لئے اور "علم الہدیٰ سید مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) کے لئے، اور "آیۃ اللہ" علامہ حلی (سال ولادت ۶۴۸ھ سال وفات ۷۲۶ھ) کے لئے حقیقی اور بجا تھا اسی طرح غزالی کے لئے بھی یہ شائستہ اور درست تھا،

عہد غزالی کے مذاہب ،غزالی اس زمانے میں وجود پذیر ہوئے جو مجادلات مذہبی کا زمانہ تھا، انہوں نے بحران جدال اور کشمکش مذاہب اور تفرق اہواء مختلفہ کے عہد میں ایک عالی مرتبت متکلم کی حیثیت سے ظہور کیا، وہ شافعی و اشعری تھے، یعنی اصول میں تابع طریقہ اشعری، اور فروع میں تابع شافعی، اپنے مسلک کے مخالفوں سے جو جملہ طوائف اہل سنت و معتزلہ و روافض (قرامطہ) و باطنیہ نیز حکماء و فلاسفہ اور پیروان مسیح پر مشتمل تھے۔ علاوہ ازیں دوسرے ملل عالم سے زبانی و قلمی مجادلہ کیا، یہ ایک تن ساری دنیا کے مقابلہ میں جو کبھی جنگ لڑ رہا تھا، اور اپنی فوق العادت، قوت و مہارت کے بل پر، ہر جگہ فتح و ظفر حاصل کر رہا تھا، دیگر ارباب مذاہب اس کے زار بیان و قلم کے مقابلہ میں ہیچ اور ناچیز ثابت ہوئے، اسی جہت سے اس کا لقب "حجۃ الاسلام" پڑ گیا،

غزالی نے مخالفوں کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں، ان کے مولفات میں کبھی کسی خاص طائفہ کو مخاطب کیا جاتا ہے کبھی مطمح نظر چند خاص فرقے ہوتے ہیں مثلاً اپنی کتاب "فیصل التفرقہ" بین الاسلام والزندقہ" اور "مستظہری" حجۃ الحق میں انہوں نے باطنیہ کا رد کیا ہے، اور "تہافت الفلاسفہ" میں حکماء اور فلاسفہ پر حملہ کیا ہے، اور "القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل" میں عیسائیوں پر تاخت کی ہے، اسی طرح "الجام العوام" اور "انتصار" اور "المنقذ من الضلال" میں نیز اسی طرح کی دوسری کتابوں میں مذاہب مختلفہ پر تنقید کی ہے

"احیاء العلوم" میں تمام طوائف اور بالخصوص مردم فریب نقلی صوفیوں پر نکوہش کی ہے اور طریقۂ تصوّف کو نقد و تحقیق کی کسوٹی پر کس کر راہ حق کو اجاگر کیا ہے تاکہ لوگ عوام فریب جال میں پھنس کر گمراہ نہ ہو سکیں،

غزالی اور فردوسی کا موازنہ، غزالی، فردوسی، طوسی کے ہم وطن تھے، فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر عجم کو زندہ کیا - غزالی نے دلیل و برہان کے ذریعہ اور زبان و قلم کی سحر طرازی سے اسلام کی تائید کی، کشور ایران کو اگر فردوسی نے شعر و سخن سے ممالک دنیا میں سر بلند کیا، تو غزالی نے فکر و تحقیق سے اس کا نام اونچا کیا - اس اعتبار سے فردوسی کی طرح غزالی کا بھی اس آب و خاک پر حق ہے، اگر مردم ایران اس کا حق سپاس نہیں ادا کرتے تو زمانہ اسے فراموش نہیں کر سکتا،

جب کوئی نابغہ علمی یا ادبی ظہور کرتا ہے، تو اس کے افکار اور نوشتے رواج پا جاتے ہیں اور اس کے بعد ایک عرصۂ دراز تک علماء، دانشور، شعرا اور ادبا اس کے زیر نفوذ رہتے ہیں، اس کے حکمات کو سند قاطع قرار دیتے ہیں اور اپنے آثار و مولفات میں حرف بہ حرف انہیں نقل کر دیتے ہیں اور کبھی یہ نابغہ اس درجہ مشہور ہوتا ہے کہ اس اخذ و نقل میں اس کا نام لینے کی ضرورت بھی نہیں محسوس نہیں کی جاتی،

خود غزالی نے فلسفہ کے بعض مطالب کو شیخ الرئیس بو علی سینا سے لیا، چنانچہ اپنی کتاب "معارج القدس" میں جہاں بقاء نفس اور سعادت و سقاوت کا ذکر آتا ہے کتاب "نجاۃ" کی عبارت پوری کی پوری نقل کر لی ہے اس طرح اپنے دوسرے مولفات میں "تہذیب الاخلاق" تالیف ابوعلی مسکویہ ۲؎ کی عبارتوں سے استفادہ کیا ہے،

خواجہ نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۷۲ھ) نے اپنی کتاب "اخلاق ناصری" میں، کئی جگہ غزالی کی اصل فارسی عبارت یا ان کی عربی عبارت کا ترجمہ درج کر دیا ہے،

غزالی پانچویں صدی کے مجدد تھے، پانچویں صدی ہجری میں یکے از توابغ ایران غزالی نے ظہور کیا، کئی صدیوں تک جو علماء اور دانشور نمودار ہوتے رہے، وہ ان کے راویان آثار کی حیثیت رکھتے تھے، غزالی کا نفوذ علمی و فکری کا علمائے مابعد کے مولفات میں بہت زیادہ نمایاں ہے، علمائے درایت و رجال کی اصطلاح میں غزالی "سرکردۂ صدی" تھے ۳؎ یعنی ان کا شمار ان نوابغ میں تھا - جنہوں نے ایک نیا عہد پیدا کیا،

غزالی کی معنوی اور ظاہری زندگی، غزالی ان نوابغ ایران میں ہیں جن کی ظاہری و معنوی زندگی التفات

۴ یعنی :

خدائے بزرگ و برتر ہر صدی کے آغاز میں ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو کارنامہ تجدد دین انجام دے گا،

ہر صدی کے مجددوں کے بارے میں کتاب "روضات" بہ ضمن احوال کلینی اور کشکول شیخ بھائی ص ۲۲۰ میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور باتفاق اقوال غزالی پانچویں صدی کے مجدد تسلیم کر لئے گئے ہیں

۵ اس حدیث کی صحت متنازعہ فیہ ہے ۔

(رئیس احمد جعفری)

عمیق کی سزاوار ہے،

خوش قسمتی سے ان کے آثار علمی و تاریخی بکثرت موجود ہیں، سو ان لوگوں میں نہیں ہیں جن کے بارے میں مورخ کو حسرت و افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا ہے کہ اسے ضروری مورد دستیاب نہ ہو سکا،

خوش قسمتی سے اس شخص کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے احوال و مقامات اور تدریجی ادوار نگاہ مردم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کے بارے میں جو تذکرے اور کتب و رسائل لکھے گئے ہیں وہ اس کا پورا پورا حق نہیں ادا کرتے اور اس کے صحیح مقام کی، دانشمندان گیتی کے درمیان تعیین نہیں کرتے، اور بات بھی یہ ہے کہ دریا کو کوزے میں بھرنا آسان کب ہے؟

آب دریا را اگر نتوان کشید
ہم بہ قدر تشنگی شاید چشید!

میرا خیال ہے کہ بزرگان علم و ادب کے مقام معنوی کی تشخیص کے لئے صرف سرگذشت حیات و ممات کافی نہیں ہے، چونکہ تذکرہ نگاری کے معمول کو بھی کسی حد تک ادا کرنا تھا اس لئے اس سے مفر نہیں لیکن اصل چیز مقام غزالی کی تعیین ہے، کتاب کی ضخامت تفصیل کی علامت نہیں، لہذا، رؤس مسائل پر اکتفا کیا گیا ہے، اور ان میں بھی، رعایت اختصار مد نظر رکھی گئی ہے،!

تعلیقات،

۱؎ علامہ کلینی ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی شیعوں کے مشہور محدث ہیں ان کی کتاب "کافی" ان چار کتابوں میں ہے جو جزو مذاہب امامیہ ہیں دوسری تین کتابیں "تہذیب" "استبصار" از شیخ طوسی (محمد بن حسن، سال ولادت ۳۸۵ھ سال وفات ۴۶۵ھ) اور "من لا یحضرہ الفقیہ" تالیف شیخ (محمد بن علی بن بابویہ متوفی ۳۸۱ھ) ہیں

۲؎ ابو علی احمد بن محمد مسکویہ رازی متوفی ۴۲۱ھ

۳؎ حدیث نبوی ہے۔ ان اللہ عز وجل یبعث (وفی بعض الروایات سیبعث) لهذه الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها (وفی روایة من یجدد لها دینها)

میں نے کہا اس میں وہ تعلیقات ہیں کہ گھر سے دور رہ کر انہیں لکھنے اور یاد کرنے میں بڑی سختیاں مجھے جھیلنی پڑی ہیں،

رہزنوں کے سردار نے کہا، گیا کہا، تو نے جو سبق پڑھے اور جو دانش حاصل کی ہے؟ ـــــ اور تیرا حال یہ ہے کہ چند کاغذات میں نے لے لئے ہیں تو سبق بھی غائب اور دانش بھی رخصت؟ یہ کیسی دانش ہے جسے رہزن تجھ سے لوٹ سکتے ہیں؟"

پھر رہزنوں کے سردار نے اسے حکم دیا کہ اس شخص کا تھیلا اسے واپس کر دیا جائے،

غزالی کہتے ہیں لٹیروں کے سردار کی یہ بات میرے لئے ہدایت خداوندی ثابت ہوئی، اس کے بعد میں نے جو کچھ پڑھا اور سیکھا اس طرح کہ پھر میرے ذہن سے نہ اترے، طوس واپس آیا اور جو کچھ اپنے تعلیقات میں لکھا تھا، تین سال کی مسلسل کوشش سے اسے ازبر کر لیا، [۴]

پھر غزالی مزید تحصیل علم کے لئے، طوس سے نیشاپور روانہ ہوئے، جو علمائے خراسان کا مرکز تھا اور وہاں کے سب سے بڑے عالم امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کی خدمت میں رہ کر پورے جوش وخروش اور کوشش و سرگرمی سے حصول علم میں لگ گئے، فنون جدل و ، اور علم کلام اور مقدمات فلسفہ پر عبور تامہ حاصل کر لیا اور ایسا پایا حاصل فرمایا کہ امام الحرمین کے شاگردوں میں جو اپنے وقت کے عالم و فاضل تھے، سب پر تفوق حاصل کر لیا، خود امام الحرمین اپنے اس شاگرد پر حد درجہ نازاں تھے، اور بقول بعض رشک کرتے تھے،

ابوالمعالی کی درس گاہ میں امام غزالی کے ہمدرسوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جن میں کیائے ہراسی اور ابوالمظفر خوانی ہم ذکر بھی کر چکے ہیں،

علوم متداولہ سے مہارت: غزالی کی عمر ابھی ۲۸ سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے عہد کے علوم وفنون متداولہ یعنی روبیات و فقہہ، اصول و حدیث، درایت و کلام اور جدل وخلاف وغیرہ میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ استاد بن گئے اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کر دیا، استاد کے دامن سے آخری وقت تک وابستہ رہے، یہاں تک کہ ۴۷۸ھ میں امام الحرمین اس دنیا سے گذر گئے،

غزالی اور نظام الملک: استاد کی رحلت کے بعد غزالی نیشاپور سے رخصت ہو کر قریب ہی معسکر (چھاؤنی) میں آگئے اور خواجہ نظام الملک طوسی (متوفی ۴۸۵ھ) کی بارگاہ سے وابستہ ہو گئے، جو علماء وفضلا سے معمور تھی،

اس موقع پر غزالی کی عمر ۲۸ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ جملہ علوم وفنون متداولہ میں سرآمد عصر بن چکے تھے،

۲۰

غزالی کے تحصیلات علمی، خاندان، نام و نسب

حجۃ الاسلام امام زین الدین ابوحامد محمد بن محمد بن احمد طوسی غزالی، برادر امام احمد غزالی، ایک ایرانی خاندان میں بمقام طوسی ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے [۱] (مطابق ۱۰۵۸ء) یہ طغرل سلجوقی کا اواخر عہد تھا،

امام صاحب کے والد محمد بن محمد مرد صالح، درویش مزاج، اور عبادت گذار تھے، لکھنے پڑھنے سے ناواقف پیشہ بافندگی، علماء فقہا، اور صلحا سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، دست و بازو کی محنت سے رزق حلال کھاتے تھے ۴۶۵ھ میں وفات پائی، اپنے ایک صوفی مشرب دوست ابوحامد احمد بن محمد راذکانی [۲] کو اپنا وصی مقرر کیا۔ اور اپنے دونوں محمد اور احمد کو ان کی سپردگی میں دے گئے ۔

راذکانی خود مرد فقیر و گوشہ نشین تھے ۔ لیکن پاس دوستی نے مجبور کر دیا اور ان تیموں کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا،

غزالی حد سے زیادہ باہوش اور تند ذہن تھے، بچپن میں علوم دینی و ادبی کی تحصیل راذکانی سے کی، پھر جرجان چلے گئے اور وہاں امام ابونصر اسماعیلی کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا، پھر کچھ عرصہ بعد طوس واپس آئے، اور یہاں تین سال تک مطالعہ و تکرار درس میں مشغول رہے،

امام اسعد میہنی [۳] غزالی سے روایت کرتے ہیں، :

"۔۔۔ جب جرجان سے طوس روانہ ہوا، راستے میں ڈاکہ پڑا، جو کچھ میرے پاس تھا سب رہزنوں نے لوٹ لیا، میں ان کے پیچھے پیچھے انہیں قسم دلاتا اور التجا کرتا دوڑا کہ جو کچھ تم نے لوٹا ہے میں نے سب کچھ معاف کیا۔ بس میرا وہ تھیلا واپس کردو، جس میں میرے کچھ کاغذات ہیں وہ تمہارے کسی کام نہ آئیں گے، میں نے بہت زیادہ منت سماجت کی تو رہزنوں کے سردار کو میرے حال زار پر ترس آگیا۔ اس نے پوچھا،

" اس تھیلے میں کیا ہے جس کے لئے اتنے بے قرار ہوئے جا رہے ہو؟"

۲۱

غزالی کا تحوّلِ روحانی

زندگی کے ۳۹ سال پورے کر لینے کے بعد، غزالی ایک نئے مرحلۂ حیات میں داخل ہوئے، جو گذشتہ مرحلہ کے مقابلہ میں بالکل جدید اور بڑی حد تک اجنبی تھا۔ ان کی روح میں تحوّل اور تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے اور اس تحوّل و تبدیلی پر انہوں نے ہر چیز نثار کر دی، اور اس کے بدلے میں ایک نیا غزالی عالمِ وجود میں آگیا،

عین اس وقت جب وہ علم شہرت، جاہ و منزلت، اور رتبہ و مقام کی حدِّ اعلیٰ پر پہنچ چکے تھے، انہوں ہر چیز سے منہ موڑ لیا، انہوں نے علم کتابی کو جاہ و حشمت کو اور اعتبارات دنیاوی کو ٹھکرا دیا، اور گروہ آزداں میں شامل ہو گئے، انہوں نے ایسے بیابان میں قدم رکھا کہ:

نوکِ ہر خار نشانِ کفِ پائے دارد

فکری پیکار و جدال، اور قیل وقال، کی جگہ اب سکوت کی کارفرمائی تھی، حال کا دور تھا، "ہفتاد و ملت" سے جو کشمکش جاری تھی وہ ختم ہو گئی، اور اب تربیت اہل جہاں ہی ان کا مرکز توجہ تھا۔

یہ کیا ہوا؟ یہ کیسے ہوا؟ —— غزالی تو عالم اور متکلم تھے، وہ صوفی وارستہ دل آگاہ کس طرح بن گئے؟ اب سے پہلے جس منزل کی طرف وہ رہروی کر رہے تھے، ہم قدموں کی کثرت تھی، لیکن اس سفر بے پایاں میں بجز آتش شوق کے نہ کوئی ہمدم تھا نہ ہم زباں، اور رسوا عشق اور آہ عالم سوز کے کوئی دوسرا توشہ نہ تھا، —— ہاں ایک سابق رفیق درس ابوالقاسم حاکمی جو بغداد سے اس کے ساتھ آیا تھا،

جو لوگ وارفتگی اور آزادی کی کیفیت سے واقف ہیں، اور آزادی و بند تعلقات کی کشمکش میں گرفتار رہ چکے ہیں خوب جانتے ہیں جاہ و مال اور علائق دنیاوی سے دستبردار ہو جانا کتنا دشوار کام ہے،

نظام الملک کے کان تک غزالی کے فضل ودانش کا آوازہ پڑچکا تھا، اس کی بارگاہ میں کئی مرتبہ غزالی نے اُدبا، علما، فقہا سے مناظرہ کیا اور غالب آئے، چنانچہ سب ہی ان کی فضیلت کے معترف ہو گئے اور روز بروز ان کو پیش گاہ وزیر اور بارگاہ سلطان ملک شاہ سلجوقی (متوفی ۴۸۵ھ) میں تقرب حاصل ہوتا گیا، اور تمام علما اور جملہ دانشوروں پر انہوں نے برتری حاصل کرلی، اور سات سال کے بعد، نظامیہ بغداد کے منصب تدریس پر فائز کئے گئے جو اس زمانہ کا بالاترین منصب علمی تھا،

یافعی کے بیان کے مطابق یہ واقعہ جمادی ۴۸۴ھ کا ہے، یہاں چار سال تک وہ تدریس وخطابت اور واعظ ومناظرہ، اور تالیف وتصنیف میں مشغول رہے، بہت سے علما وفضلا نے ان سے استفادہ کیا ان کے حلقۂ درس میں تقریبًا ۳۰۰ جید علما بیٹھتے تھے، روز بروز ان کی عزت وحرمت میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ان کا آوازۂ شہرت ہر جگہ پہنچ گیا،

بغداد کے دوران قیام میں وعظ وتدریس کے ساتھ ساتھ کتب فلسفہ کے مطالعہ میں بھی وہ سرگرم رہے اور اس علم کے رموز ودقائق سے پورے طور پر واقف ہو گئے،

تعلیقات

۱ـ ایک روایت ۴۵۱ھ کی ہے،

(صفدی)

۲ـ طبقات الشافعیہ

۳ـ اسعد میہنی، ابوالفتح اسعد بن محمد بن ابی نصر میہنی فن فقہ وخلاف کے زبردست عالم تھے ۵۲۰ھ میں بہ مقام ہمدان وفات پائی،

۴ـ اس حکایت کی روایت خواجہ نظام الملک طوسی نے بھی غزالی سے کی ہے،

(طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۳

معتزلہ اور فلاسفہ کے سخت دشمن تھے، اور غزالی، اپنے اس دور سے پہلے ان فرقوں کے زبردست حامی اور پشتیبان تھے،

چھ ماہ کے اندر جس کا آغاز رجب ۴۸۸ھ سے ہوا[۱] کشمکش دروںی نے سر اٹھایا، نتیجہ یہ ہوا کہ اضطراب افکار، تشویش خیال اور دارو گیر اندیشہ کے باعث سخت بیمار پڑ گئے لوگوں نے ان کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔

بے خبر از داد پنہانی او

کوئی انہیں دیوانہ کہتا، کوئی سودازدہ قرار دیتا۔ کوئی بڑی دلسوزی کے ساتھ تاسف کے لہجہ میں کہتا، ایسا عالم بے نظیر کام سے جاتا رہا، ایسا گوہر یکتا ضائع ہو گیا، یہ کہتا اور آہ و نالہ کرنے لگتا، ان کی صحت و تندرستی کے لئے انواع معالجات کام میں لائے گئے، لیکن کوئی تدبیر بھی سود مند ثابت نہ ہوئی۔

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود
روغن بادام خشکی می نمود!

ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں غزالی، ہر چیز چھوڑ چھاڑ بغداد سے باہر نکلے، اب ان کی عمر ۳۹ سال کی ہو چکی تھی، اسی تاریخ سے غزالی کی زندگی کا ورق الٹتا ہے، اور کتاب زندگی کا نیا باب شروع ہوتا ہے اور اب ان کی سابقہ زندگی افسانۂ ماضی ہو جاتی ہے، اور بالکل نیا دور حیات شروع ہوتا ہے، اور یہ دور، زندگی کی آخری سانس تک (۵۰۵ھ) قائم رہتا ہے،!

تعلیقات،

[۱] المنقذ من الضلال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غزالی کی مدت اضطراب و افکار چھ ماہ تھی، جس کا آغاز ماہ رجب ۴۸۸ھ سے ہوا،

لا یعرفُ الشوقَ اِلّا من یُکابِدُہٗ
ولا الصبابۃَ اِلّا من یُعانیھا

یعنی :

عشق کی لذّت وہی جان سکتا ہے جو سوختہ جگر ہو ،
اور محبّت کا رمز آشنا وہی ہو سکتا ہے جو اس کارہ گذر ہو

مرگ حقیقی سوا بند تعلقات سے آزاد ہو جانے کے اور کیا ہے ؟ اور اس جواں مرد کا کیا کہنا جو اس رسّی کو ایک جھٹکے میں توڑ ڈالے ؟

جاہ و مال اور علائق زن و فرزند سے رو گرداں ہو جانا آسان ہے ، لیکن اس قید علم و دانش سے روگرداں ہو جانا جس کی تحصیل و تکمیل میں ایک عمر صرف کر دی ہو ، اور طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے جسے حاصل کیا ہو ہرگز آسان نہیں ، خود غزالی نے جہاں تجاذب شہوات کی شرح کی ہے اس مرحلہ کو تمام مرحلوں سے مشکل تر قرار دیا ہے ، وہ کہتے ہیں " قدم اوّل ہی میں جاہ و مال سے میں نے کنارہ کشی اختیار کر لی ، لیکن قیود علم و تدریس سے جو حد درجہ سحر طراز تھیں دست بردار ہونا میرے لئے ایک کار دشوار بن گیا "

لیکن غزالی نے اس کار دشوار کو انجام دے ڈالا ،

"چھ ماہ میں وہ گرفتار کشمکش وجدانی ——— جسے وہ تجاذب شہوات کہتے ہیں ——— رہے . شک و تردید ، اور تزلزل خاطر نے ان کا محاصرہ کر لیا ، اور کوئی شبہہ نہیں یہ مرحلہ بڑا سخت تھا ، ایک طرف پابندی اعتبارات و قیود دنیادی تھے ، دوسری طرف منادی حق ، باطن کی دنیا میں آوازہ رحلت بلند کر رہا تھا ،

غزالی نے علوم و معارف متداولہ کو کشف حقائق کے لئے کافی نہیں پایا بلکہ انہیں حقیقت کا حجاب محسوس کیا ، باطن کی دنیا میں متحیر و سرگرداں ، اور جس ترازو سے حق و باطل کو تولتے تھے سبک سنگ !

اس حالت میں یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے وجدان کے برخلاف ارباب مذاہب سے جنگ کرتے اور ان کے رد میں کتابیں لکھتے ، اس موقع پر کوئی شخص نہ ان کا محرم راز تھا ، نہ ان کے درد پنہاں سے واقف تھا ، اور شاید یہ بات بھی تھی کہ بیم غوغا ، تغلّب فقہا اور زمام داران متعصب کے باعث دل کی بات زبان پہ لانے کی جرأت بھی نہ کر سکے ، کیونکہ اس زمانے میں ہر طبقہ خیال کے اکثر لوگ سنّی تھے ، اور روافض ، باطنیہ

حیاتِ غزالی کا دوسرا دور: از ۴۷۸ھ تا ۴۸۴ھ

حیاتِ غزالی کے یہ سات سال بڑے اہم ہیں، عجیب اتفاق ہے کہ جن لوگوں نے غزالی احوال و سوانح قلمبند کئے ہیں انہوں نے اس اہم ترین دورِ حیات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے،

غزالی ایران میں:- غزالی کے مکاتیب و منشات فارسی اور تمام مؤلفات سے کہیں تصریح کے ساتھ اور اشارہ تلویح کے ساتھ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیشاپور سے مہاجرت اختیار کرنے کے بعد سات سال کی مدت انہوں نے بلادِ ایران میں بسر کی اور اس مدت میں تکمیلِ اطلاعات اور تالیف و تصنیف میں مشغول رہے، اور اہلِ دانش و فضل کے ساتھ نشست و برخاست رکھی، غرض افاد اور استفادے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اہلِ حکمت و دانش کے بل پر سلطان ملک شاہ سلجوقی اور خواجہ نظام الملک طوسی (دونوں کا سالِ وفات ۴۸۵ھ) ہے، نہایت عزت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور ایک سے زیادہ مرتبہ سفارت پر فائز ہو کر بادشاہ سلجوقی کی طرف سے خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھیجے گئے،

غزالی نے ۵۳ سال کی عمر میں یعنی ۵۰۳ھ سال کی عمر میں سلطان محمد سلجوقی (۴۹۸-۵۱۱) ایک دوسری روایت کے مطابق سلطان سنجر سلجوقی (متوفی ۵۵۲ھ) کے نام جو مکتوب لکھا تھا وہ اپنی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ پیشِ نظر رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

• دنیا آنی جانی ہے، آخرت کی بادشاہی کے مقابلہ میں روئے زمین کی بادشاہی حقیر و ناچیز ہے — مملکت روئے زمین زیادہ سے زیادہ مغرب سے لے کر مشرق تک حاوی ہو سکتی ہے آدمی کی عمر دنیا میں سو سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی ہے اور جملہ روئے زمین کی بادشاہی اس بادشاہی سے جو ایزد تعالیٰ آخرت میں

حیات غزالی کا پہلا دور: از ۴۵۰ تا ۴۷۸ھ

اس مدت عہد کا ایک حصہ کودکی و بے خبری و دورہ یتیمی و بے پدری میں بسر ہوا، زندگی کا یہ دور باہمہ اور بے ہمہ تھا، ہر طرح کی فکر اور تشویش و اضطراب سے خالی،

بچپن ختم ہوا شعور کی منزل آئی اور وہ تحصیل علم میں مشغول ہوگئے، اور احمد راذکانی سے پڑھنا شروع کیا پھر دوسرے اساتذہ ابونصر اسماعیلی جرجانی اور ابو المعالی جوینی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا، بعد ازاں طوس، جرجان اور نیشاپور کے دوسرے مشائخ اور اساتذہ سے تحصیل علم کی،

تحصیل علم کا بہترین دور نیشاپور میں امام الحرمین ابو المعالی کی خدمت صرف ہوا، جو ان کی وفات ۴۷۸ھ تک جاری رہا،

امام الحرمین کی وفات کے بعد غزالی نے نیشاپور سے مہاجرت اختیار کی اور خواجہ نظام الملک طوسی کی بارگاہ سے وابستہ ہوگئے،!

سلطان رہوں گا ، نہ مال سلطان قبول کرے گا ، نہ مناظرہ اور تعصب سے سروکار رکھے گا ، بارہ سال بیت گئے اور وہ اس عہد پر قائم ہے ، امیر المومنین اور دیگر سلاطین نے اسے اس باب میں معذور جانا ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ مجلس والا سے مجھے حاضر ہونے کا ایما ہوا ہے ، میں مشہد خلیل علیہ السلام[۳] پر حاضر ہوا ، اور اپنے عہد کے خیال سے بارگاہ سلطانی میں حاضر نہیں ہوا ، اس مشہد کے سرہانے کھڑے ہو کر میں نے عرض کیا ، کہ اے فرزند رسول[ص] آپ شفاعت کریں کہ ایزد تعالیٰ بادشاہ اسلام کو مملکت دنیا میں اپنے اسلاف کا صحیح جانشین بنا دے ، اور مملکت آخرت میں سلیمان علیہ السلام کے مرتبے پر پہنچا دے کہ وہ بادشاہ بھی تھے اور پیمبر[ع] بھی ، اور بادشاہ اسلام کو توفیق دے کہ عہد خلیل علیہ السلام کی حرمت کرے ، اور جس شخص نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے ، اور خدا عزّ و شانہ سے رشتہ جوڑ لیا ہے اس کے دل کو مشولیدہ نہ کرے ، ، میرا خیال ہے کہ یہ بات مجلس عالی میں پسندیدہ تر اور مقبول تر ہوگی ، بہ نسبت اس کے کہ کوئی شخص اپنے کالبد کے ساتھ حاضر ہوا کہ رسمی باتیں بے فائدہ ہیں اگر میرا خیال صحیح ہے تو مرحبا ، اور اگر غلط ہے تو میں عہد شکن نہیں قرار دیا جاؤں گا کہ مجبوری کی حالت میں فرمان سلطان کی تعمیل کروں گا ، حق تعالیٰ آں عزیز کے دل اور زبان کو ایسا کر دے کہ کل قیامت کے دن اسے خجل نہ ہونا پڑے ، اور آج اسلام کو ضعف اور شکستگی نہ پہونچے ، !"

(والسلام ، !)

تعلیقات

سلہ امام غزالی کا مجموعہ مکاتیب فارسی ، امام غزالی کے فارسی مکاتیب بزرگان فضلائے قدیم میں سے ایک بزرگ نے جمع کر کے ان کا نام "کتاب فضائل الانام من رسائل حجۃ الاسلام" رکھا ،

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ، :

۱- ملوک و سلاطین کے نام امام صاحب کے مکاتیب ،

۲- وزرائے سلطنت کے نام امام صاحب کے خطوط ،

۳- امرا ر و ارکان دولت کے نام امام صاحب کی تحریریں ،

۴- فقہا اور ائمہ دین کے نام امام صاحب کے رسائل ،

دے گا وہی نسبت رکھتی ہے جو ایک ڈھیلے کی ہوتی ہے ، روئے زمین کی تمام ولایتیں اور ان کی نعمتیں اس ڈھیلے کے گرد و غبار سے زیادہ نہیں ، پھر ایک کلوخ اور گرد و غبار کلوخ کی قیمت کیا ہوئی ؟ اور ازل و ابد کے مقابلہ میں سو برس کی مدت کیا چیز ہے جس پر اظہار شادمانی کیا جائے ، ؟

اے بادشاہ اپنی ہمت بلند رکھ اور خدائے تعالےٰ سے سوائے بادشاہی جاوید کے کسی اور چیز پر قناعت نہ کر ، اور یہ بات دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بادشاہ پر آسان ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سلطان عادل کا ایک دن کا عدل اسی سال کے برابر ہے ، جب کہ ایزد سبحانہ وتعالیٰ نے وہ ساز و سامان عطا کیا ہے جو دوسروں کو اسی سال کی عبادت سے بھی نہیں مل سکتا ، پھر یہ ایک روز جس کے مقابلہ میں سب کچھ ہیچ ہے تو کیوں نہیں حاصل کرتا ،

دنیا کا حال جو کچھ ہے اسے جان لے تاکہ تیری آنکھیں کھل جائیں ، بزرگی کا قول ہے کہ اگر دنیا کوزہ زریں ہوتی اور عقبیٰ کوزۂ سفالیں ، تو عاقل باقی رہنے والے کوزۂ سفالیں کو فنا ہو جانے والے کوزہ زریں پر ترجیح دیتے حالانکہ دنیا فنا ہو جانے والا کوزہ سفالیں ہے ، اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والا کوزہ زریں ، وہ شخص کس طرح عاقل کہا جا سکتا ہے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے ،

اور آج تو وہ حال ہے کہ ایک ساعت کا عدل سو سال کی عبادت کے برابر ہے ، مردمان طوس پر رحم کر کہ وہ ظلم بسیار برداشت کر رہے ہیں ، قحط سالی نے انہیں تباہ کر دیا ہے ، سو سو برس پرانے درخت جڑ سے خشک ہو گئے ہیں ، روستائیوں کے پاس سوا پوستین اور مٹھی بھر عیال گرسنہ و برہنہ کے کچھ نہیں رہ گیا ہے اگر تو چاہے تو ان کی کملی اتار لے ۔ تاکہ وہ ننگ دھڑنگ اپنے بال بچوں کے ساتھ کسی تندور میں کود پڑیں لیکن ان کی کھال کھینچنے کا حکم نہ دے ، اگر تو نے ان سے مطالبات جاری رکھے تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے اور پہاڑوں سے سر ٹکرا کر ہلاک ہو جائیں گے ، اسی کا نام کھال کھینچنا ہوا ۔

تجھے جاننا چاہیے کہ یہ شخص جو تجھے خط لکھ رہا ہے ۵۳ سال عمر کے گزار چکا ہے چالیس سال تک اس نے دریائے علوم میں غوطہ زنی کی ، اور بیس سال سلطان شہید کے زمانے میں بسر کئے ، ۲۵ اور کئی بار بعض اہم امور کے سلسلے میں سلطان اور امیر المومنین کے مابین سفارت کے فرائض انجام دیئے ، اور علوم دین میں ستر کے قریب کتابیں تصنیف کیں ، اس نے دنیا کو اس اس کے اصل آب و رنگ میں دیکھا ۔ وہ ایک عرصہ تک بیت المقدس اور مکہ میں مقیم رہا ، اور راستے بر سر مشہد ابراہیم خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ عہد کیا کہ نہ پیش

حیات غزالی کا تیسرا دور: از ۴۸۴ تا ۴۸۸ھ

ملک شاہ سلجوقی کے دربار، اور خواجہ نظام الملک طوسی کی بارگاہ میں غزالی کو تقرب خاص اور تمام علماء وفقہا پر تقدم حاصل تھا، ۴۸۴ھ میں خواجہ نظام الملک کی استدعا پر انہوں نے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منصب تدریس قبول کیا اور اسی تدریس پر جلوہ فرما ہو گئے،

نظامیہ بغداد کی مدت تدریس واقامت، تقریباً چار سال ہے، یعنی ذی قعدہ ۴۸۴ھ سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ تک [۱]

اس مدت میں تین سال انہوں اس طرح گذارے کہ وظائف تدریس کی انجام دہی کے علاوہ مطالعہ کتب، اور فلاسفہ وحکماء کے عقائد پر غور اسی میں صرف کیا، نیز حقائق مذاہب اور آئین ہائے تحقیق پر توجہ مبذول رکھی، وہ شب وروز اس کام میں مصروف ومنہمک رہے یہاں تک کہ عقائد فلاسفہ وارباب مذاہب کی پر احاطہ کامل حاصل کر لیا،

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، ماہ رجب ۴۸۸ھ سے غزالی انقلاب احوال روحانی سے دوچار ہوئے، اضطراب خیال اور تشویش افکار میں مبتلا ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مناصب سے دستکش ہو گئے، مقامات ظاہر سے کنارہ کر لیا اور بغداد سے کوچ کا فیصلہ کر لیا، !

تعلیقات

[۱] یافعی نے آغاز تدریس جمادی الاول ۴۸۴ھ لکھا ہے اور سبکی نے مہاجرت از بغداد کا مہینہ ذالحجہ ۴۸۸ھ لکھا ہے۔ (مراۃ الجنان وطبقات الشافعیہ)

۵ - نامہ ہائے متفرقہ و مواعظ و نصائح ،

۲ - یعنی ملک شاہ سلجوقی ،

ایک نسخہ میں بیس کے بجائے سات سال کی مدّت لکھی ہے ،

۳ - امام رضا علیہ السلام ،

کی تھی، رشید الدین وطواط دربار اتسز خوارزم شاہ کے مشہور شاعر اور ادیب بلخ کے مدرسۂ نظامیہ کا سند یافتہ تھا،
افصح المتکلمین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ (یا ۶۹۴ھ) نے نظامیہ کے ثمر پیش رس تھے،

مدارس نظامیہ کے مدرسوں اور شاگردوں کی تعداد، خاص طور پر مدرسۂ نظامیہ بغداد کی اتنی زیادہ ہے کہ ان کے ناموں کے ذکر، اور احوال و سوانح کے تذکرے کے لئے ایک مستقل اور جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے

خواجہ نظام الملک جو ملک شاہ کے مذاہب حنفی کا عامل تھے، اور علمائے مذہب شافعی کا بے حد لحاظ رکھتے تھے، اور بڑے بڑے معلموں کو اس طائفہ سے انتخاب کرتے تھے، مدرسۂ نظامیہ بغداد بھی، دوسرے مدارس نظامیہ کی طرح فرقۂ شافعیہ سے اختصاص رکھتا تھا،!"

تعلیقات

سلطان ملک شاہ کی رواداری، سلطان ملک شاہ نے محلہ کران اصفہان میں ایک مدرسہ قائم کیا، لوگوں نے سوال کیا یہ مدرسہ کس طائفہ مذہب کے لوگوں کے لئے ہے؟ سلطان نے جواب دیا،!

" اگرچہ میں حنفی مذہب ہوں، لیکن یہ مدرسہ میں نے فی سبیل اللہ قائم کیا ہے، لہٰذا اسے کسی قوم سے مخصوص کرنا، اور اس سے کسی فرقہ کو محروم رکھنا مناسب نہیں، چنانچہ منقول ہے کہ اصحاب ہر دو امام (ابوحنیفہ و شافعی) اس مدرسہ میں برابر برابر رکھے گئے، چونکہ سلطان حنفی تھا لہٰذا لوگوں نے چاہا کہ امام ابوحنیفہ کا نام امام شافعی سے پہلے لکھا جائے، مگر خواجہ نے یہ بات نہ مانی،

(تجارب السلف)

مدارس نظامیہ

ایران کا دستور نامدار خواجہ نظام الملک نے نشر علوم معاون پر خصوصی توجہ مبذول کی، اہل علم و معرفت اور دانشوروں کے لئے وسائل آسائش فراہم کئے، شب و روز اسی سعی کوشش میں مصروف رہے کہ اہل دانش و عرفان یکسوئی اور سکون خاطر کے ساتھ لوگوں کی تعلیم و ہدایت کا فریضہ انجام دیں، چنانچہ انہوں نے متعدد مدرسوں اور خانقاہوں کی بڑے بڑے شہروں مثلاً اصفہان، نیشاپور، بلخ، ہرات اور بصرہ و بغداد میں بنیاد ڈالی، علاوہ ازیں شفاخانے بھی تعمیر کئے، مدرسوں کا نام "نظامیہ" رکھا، اور ہر بیمارستان اور مدرسے کے لئے اوقات، واموال، اور ذخائر قرار کا بندوبست کیا، نوجوانان ملک، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہیں مدارس نظامیہ کا رخ کرتے تھے، وہاں ان کے لئے ہر قسم کا بندوبست بھی تھا، وہیں رہتے بھی تھے، عوائد و اوقات سے ان کے ضروریات بہ آسانی پورے ہو جاتے تھے، اور نہایت اطمینان و آسائش کے ساتھ نامی گرامی استادوں کے حلقۂ درس سے مستفید ہو کر عالی ترین درجات علوم و فنون طے کرتے تھے،

مدارس نظامیہ کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری مستقل طور پر حکومت وقت یا متولیوں کے ہاتھ میں تھی، جن کا تقرر حکومت کی طرف سے ہوتا تھا، ہر مدرسہ میں ایک کتاب خانہ (لائبریری) اور ایک ایک کتاب دار (لائبریرین) بھی ہوا کرتا تھا، کتاب داروں کا انتخاب بلند پایہ علما و ادبا میں سے کیا جاتا تھا،

استاد (پروفیسر) کا مقام بالاتر تسلیم کیا جاتا تھا، ان پروفیسروں کی نامزدگی ہمیشہ دربار شاہی کی طرف سے ہوا کرتی تھی، ہر پروفیسر کے چند معید ـــــ نائب ـ معید ہوا کرتے تھے، کچھ واعظ بھی مقرر ہوتے تھے، جو اوقات معینہ پر وعظ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے، ایران کے ادبا و علما کا بہت بڑا گروہ انہی مدارس نظامیہ کا تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھا اور اوقات علمی سے استفادہ کر کے اس منصب علم پر پہنچا تھا، انوری، ابیوردی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ نامور شعرا نے بھی نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں تحصیل علم

باپ کے پاس تحصیل علم کی، اور نظامیہ میں مدرس ہو گئے، روز شنبہ ماہ شعبان ۵۳۱ھ میں بہ مقام اصفہان وفات پائی،

۳- **صدرالدین خجندی:** صدرالدین ابوبکر محمد بن عبداللطیف بن محمد ثابت خجندی، یہ رئیس شافعیہ اصفہان تھے، نیز مقرب دربار سلطان و خلیفہ وقت بھی، اصفہان سے رخت سفر باندھا، بغداد پہونچے، وہاں مدرسہ نظامیہ کی کرسی تدریس پیش کی گئی، اور یہ فریضہ انجام دینے لگے،

پھر جب بغداد سے اصفہان واپس آرہے تھے راستے میں ہمدان اور کرخ کے مابین صحت وعافیت کے ساتھ سوئے، اور صبح کے وقت دفعتہً اس دنیا سے رخت ہو گئے،

یہ واقعہ ۲۲ شوال ۵۵۲ھ کا ہے،

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کی وفات پر اصفہان میں ایسا فتنہ عظیم برپا ہوا جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے،

۴- **ابوالقاسم خجندی** - ابوالقاسم صدرالدین عبداللطیف بن محمد بن ثابت خجندی یہ خانوادہ خجندی کے مشہور فقہا، ادبا، اور شعرا میں شمار ہوتے تھے،

ولادت رجب ۵۳۵ھ وفات، جمادی الاولی ۵۸۰ھ - [1]

۵- **محمد بن عبداللطیف خجندی،** محمد بن عبداللطیف بن محمد عبداللطیف بن محمد بن ثابت خجندی نوادۂ ابوبکر خجندی، یہ بھی رؤسائے شافعیہ میں شمار ہوتے تھے، اور اپنے زمانہ کے اکابر رجال میں مانے جاتے تھے کچھ عرصہ تک نظامیہ بغداد کے ناظر اوقات بھی رہے،

تعلیقات

[1] العراضہ در تاریخ سلجوقیہ

[2] مفضل بن سعد بن حسین مافروخی اصفہانی

[3] طبقات الشافعیہ سبکی، ج ۴ ص ۲۱۰

۲۶

نظامیۂ اصفہان اور خانوادۂ خجندی

اصفہان کا مدرسۂ نظامیہ اپنے مدرّس معروف صدر الدین خجندی کے نام پر "صدریہ" کے نام سے مشہور ہوگیا، [1] اور جیسا کہ مافروخی [2] مؤلف کتاب "محاسن اصفہان" نے لکھا ہے، دس ہزار دینار کی جاگیر اور جائداد اس کے نام وقف تھی،

خواجہ نظام الملک نے اس مدرسۂ نظامیہ کا منصب تدریس خانوادۂ خجندی کو سونپا تھا، یہ خاندان اصفہان کے سربرآوردہ ترین شافعیہ میں سے تھا،

اس خانوادے کے بعض اعیان علماء مدرسۂ نظامیہ بغداد میں بھی منصب تدریس یا نظارت اوقات پر فائز تھے، مثلاً:

۱۔ **ابوبکر خجندی**، ابوبکر محمد بن ثابت بن حسن بن علی خجندی متوفی ۴۸۳ھ مؤلف کتاب روضۃ المناظر و زواہر الدار، ان کا شمار اصفہان کے ائمہ علماء فقہا میں ہوتا تھا، یہ نظام الملک کی طرف سے نظامیہ اصفہان کے مدرس نامزد ہوئے، اطراف و اکناف کے لوگ نظامیہ اصفہان کے لئے رخت سفر باندھ کر حاضر ہوتے، اور ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرتے، اس زمانے کے علماء و فقہا کی ایک بڑی جماعت ان کی شاگرد رہے،

ابوعبداللہ بن ابوسعد جورے کے رہنے والے تھے (سال وفات ۵۲۵ھ) نظامیہ اصفہان کے طلباء میں رہ چکے تھے، اور ابوبکر خجندی سے تحصیل علم کی تھی،

ابوعلی اصفہانی حسن بن سلمان بن عبداللہ بن فتی نہروانی (سال وفات ۵۲۵ھ) بھی شاگردان نظامیہ اصفہان میں سے تھے، نیز کچھ عرصہ تک نظامیہ بغداد میں تدریس کے منصب پر فائز تھے [3]

ابوسعد خجندی، ابوسعد احمد بن محمد بن ثابت بن حسن بن علی خجندی، ابوبکر خجندی کے بیٹے تھے

نظامیہ بغداد

مدارس نظامیہ میں نظامیہ بغداد سب سے زیادہ معروف و مشہور ہے، اس کی بنیاد بھی نظام الملک کی رہین منت ہے، اس کی تعمیر کا آغاز ماہ ذی الحجہ ۴۵۷ھ میں ہوا، دو سال کی مدت میں عمارت اتمام کو پہونچی اور بروز شنبہ دہم ذی القعدہ ۴۵۹ھ رسم افتتاح عمل میں آئی [1] اس موقع پر علماء و اعیان رجال کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، بنائے مدرسہ میں نظام الملک کے معتمد ابوسعید احمد بن محمد نیشاپوری صوفی تھے [2] شیخ ابومنصور بن یوسف نظام الملک کی طرف سے تولیت امور مدرسہ پر مامور تھے، ابن بطوطہ نے ۵۸۱ھ میں اس مدرسہ کو دیکھا تھا، وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ نظام الملک نے ۲ لاکھ دینار اس کی تعمیر پر صرف کیے، اور ہر سال پچاس ہزار دینار طالب علموں کے نفقے اور "ذرتے" پر صرف کرتا تھا: یہاں چھ ہزار طالب علم علوم فقہ، تفسیر حدیث اور ادب کی تحصیل میں مشغول تھے، مدرسہ کے جملہ مصارف برداشت کرتا تھا نص وقف نامہ کی رو سے خازن دار الکتب کو ہر ماہ دس دینار ملتے تھے، [3] اس سے دوسرے مصارف کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے،

اس مدرسہ کی تولیت نظام الملک کے اعقاب و احفاد کے لئے مخصوص تھی، ۶۳۷ھ میں امیر سلیمان بن نظام الملک یکے از احفاد خواجہ نظام الملک نظامیہ بغداد کے متولی تھے، یہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں ابن الفوطی نے لکھا ہے کہ یہ صاحب وجد و حال تھے، ایک مرتبہ اسی عالم میں کہ وجد و حال کی کیفیت میں مبتلا تھے، اپنا جامہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اور اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا، اور اپنا تمام مال مستحقین کو بخش دیا، یا وقف کر دیا، یہ واقعہ جس مجلس میں پیش آیا وہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی کی مجلس تھی، [4]

مدرسہ نظامیہ بغداد کے کتاب دار آغاز تاسیس میں ادیب معروف خطیب تبریزی تھے جو کچھ عرصہ تک منصب تدریس پر فائز رہے، [5] اور ۵۰۲ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، [6]

۲۷

نظامیۂ نیشاپور

خواجہ نظام الملک نظامیہ نیشاپوری کی کرسئی تدریس غزالی کے استاد اور اپنے وقت کے بزرگ ترین عالم امام الحرمین ابو المعالی جوینی متوفی ۴۷۸ھ کی خدمت میں پیش کی، امام الحرمین، شافعی علماء میں غیر معمولی فضل وکمال، اور احترام واعزاز کے حامل تھے،

امام الحرمین کے بعض شاگرد بھی مرتبۂ خاص پر فائز ہوئے، مثلاً ابو نصر عبدالرحمٰن بن ابو بکر احمد سراج (سال ولادت ۴۴۴ھ سال وفات ۵۱۸ھ) اور ابو الحسن کیا ہرسی ہمدرس غزالی متوفی ۵۰۴ھ اپنے استاد کے معید ـــ نائب ـــ کے منصب پر بھی فائز رہے تھے،!

مستنصریہ کی تاسیس کے بعد کہ جس کے بانی وحامی خلیفۂ وقت، اور ارباب حکومت تھے، مدرسۂ نظامیہ کی رونق رخصت ہونے لگی، اور یہ بہ تدریج کے دور حکومت میں اور بحران غلبۂ تاتار میں یہ آثار مٹ گئے اور بلاد اسلامی کی علمی و ادبی یادگاریں بالکل فنا ہو گئیں، ۱۳ھ

تعلیقات

۱ھ ابن خلکان

۲ھ تجارب وسلف ص ۲۷۰

۳ھ تجارب وسلف بہ ضمن احوال سید نصیر الدین بن مہدی، ص ۳۳۴، طبع طہران،

کمال الدین ابوالفضل، کمال الدین ابوالفضل عبدالرزاق بن فوطی متوفی ۷۲۳ھ

ان کے احوال وسوانح کے لئے ملاحظہ ہو، خود انہی کی ایک گراں بہا تالیف "الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی الماۃ السابعہ" طبع بغداد کا مقدمہ،

۴ھ ، خانوادۂ ابن جوزی میں ایک جماعت مشاہیر علماء اور واعظان شیریں گفتار پر مشتمل ہے، ان لوگوں کے احوال پورے طور پر دستیاب نہیں ہوتے، اس کتاب کی تالیف کے دوران میں، اس خانوادے کے چھ مشاہیر کے حالات دستیاب ہو سکے جو مختصراً یہ ہیں، :

، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابوالحسن علی بن محمد جوزی یہ مذکورۂ بالا بزرگ ہیں یہ حنبلی مذہب کے فقہائے بلند پایہ میں شمار ہوتے تھے اس خانوادے کے مشہور علماء، مورخ اور واعظ چھٹی صدی ہجری میں گزرے ہیں، جن کی بہت سی تالیفات موجود ہیں۔ جن میں تاریخ میں اہم ترین کتابیں ہیں،

۱۔ المنتظم فی تاریخ الامم ،

۲۔ شذور العقود فی تاریخ العہود،

اس کی عبارت کے بارے میں مشہور ہے کہ صنعت متحمل الضدین کی حامل ہے اختلاف شیعہ و سنی "مفاضلۂ ابوبکر و علی پر لکھتے ہیں، :

عطا ملک جوینی، عطا ملک جوینی متوفی ۶۸۱ھ؂ نے حکومت بغداد کے زمانۂ قیام میں بہتری اصلاحات مدرسۂ نظامیہ کی طرف غیر معمولی توجہ کی، ۶۷۰ھ میں بازار نظامیہ میں آگ لگ گئی، سارا بازار جل گیا اور بے اندازہ سامان تجارت برباد ہوگیا، اور بہت سے لوگ ہلاک ہوئے، اور عطا ملک نے اوقاف مدرسہ کے حاصلات سے تجدید عمارت مدرسہ کا حکم صادر فرمایا، ؂۸

شرف الدین ہارون جوینی، ۶۷۱ھ میں شمس الدین ہارون بن شمس الدین صاحب جوینی مدرسۂ نظامیہ میں مسند درس پر نشست فرما ہوئے، اس موقع پر ان کے چچا عطا ملک جوینی اور تمام مدرسین علماء، فقہا اور درباری لوگ حاضر تھے، ؂۹

چونکہ عطا ملک کے ہاتھ میں بغداد کی زمام حکومت تھی، اس لئے خانوادۂ جوینی نے علوم و معارف کی طرف پوری توجہ کی، اور مدرسۂ نظامیہ سے پورا استفادہ کیا،

ابن بطوطہ مدرسۂ نظامیہ میں، آٹھویں صدی ہجری میں مشہور جہانگیر و سیاح ابن بطوطہ بغداد آیا، یہ واقعہ ماہ رجب ۷۲۷ھ کا ہے، اس نے مدرسۂ نظامیہ کی بہت تعریف کی ہے، اور کہتا ہے کہ دنیا کی عظیم ترین عمارتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، ؂۱۰

مدرسہ نظامیہ خوارزم، نظامیہ بغداد اسلامی دنیا کا سب سے بڑا دار العلوم تھا، چھٹی صدی ہجری میں ایک شخص خواجہ نظام الملک ایک دوسرے وزیر نے جو خوارزم شاہ کے وزیر تھے، خواجہ بزرگ نظام الملک کی تقلید میں مدرسۂ نظامیہ خوارزم اور جامع مرو کی بنا رکھی، یہ دونوں وزیر تھے، اور دونوں مذہب شافعی پر عامل تھے، اور اپنے مذہب میں تعصب بھی رکھتے تھے، اور نشر دانش و فضیلت میں حریص بھی تھے، لیکن وہ جو مثل مشہور ہے، کہاں یہ حسن، کہاں وہ حسن؟ یہی یہاں بھی صادق آتی ہے، یہ خواجہ نظام الملک دوم، بھی بدست ملاحدۂ اسماعیلیہ جمادی الآخر ۵۹۶ھ میں کشتہ ہوئے، ؂۱۱

بغداد کی علمی حیثیت:- ساتویں صدی ہجری میں بغداد اور دیگر بلاد اسلامی میں مدرسۂ نظامیہ کی تقلید میں کئی مدرس اور دار العلوم قائم ہوئے، مثلاً مدرسہ بشیریہ اور مدرسۂ عصمتیہ وغیرہ ان مدارس میں سب سے بہتر اور عظیم تر مدرسۂ مستنصریہ تھا، ؂۱۲ جس کی تعمیر و تاسیس خلیفہ المستنصر باللہ عباسی متوفی ۶۴۰ھ تھا، یہ مدرسہ رجب ۶۳۱ھ با صد شان و شوکت قائم ہوا، نظامیہ کے برعکس جو صرف شافعی فرقہ کے لئے تھا اس کے دروازے اہل سنت کے ہر چہار فرقوں کے لئے کھلے ہوئے تھے،

"شیخ رجل ابوالفرج جوزی نے ترک سماع کی نصیحت کی تھی"، !

اس سے مراد یہ ابن جوزی ہیں نہ کہ ابن جوزی بزرگ کہ جن کا زمانہ سعدی کے ایام تحصیل واقامت بغداد سے مطابقت نہیں رکھتا۔

٦۔ **شمس الدین ابن جوزی**، شمس الدین ابوالحسن معروف بہ سبط ابن جوزی ساتویں صدی ہجری کے یگانہ علماء و مورخین میں سے ہیں، ایک معرکہ آرا کتاب "مرآۃ الزمان" ان کی تالیف ہے، جو تاریخ پر ہے اور چالیس جلدوں میں ہے، ابن خلکان نے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ کتاب دیکھی تھی جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، اس خاندان کے مذکورہ پانچ اصحاب حنبلی تھے، لیکن سبط ابن جوزی مذہب حنفی کے پیرو تھے، یہ ۵۸۲ھ میں پیدا ہوئے، اور شب سہ شنبہ   ۶۵۴ھ کو دمشق میں فوت ہوئے،

عون الدولہ بن ہبیرہ کے وزیر آزاد   سے حافظ ابن جوزی نے اپنی لڑکی بیاہی تھی، شمس الدین اسی دختر کے بطن سے تھے، اور اسی اعتبار سے ابن جوزی کے نام سے منسوب ہوئے، اسی خاندان کے مفصل حالات ابن خلکان، الحوادث الجامعہ، یافعی، دول الاسلام ذہبی اور کامل ابن اثیر سے دستیاب ہو سکتے ہیں،

٥ الحوادث الجامعہ ص ۱۲۴

٦ کہتے ہیں جب مدرسہ نظامیہ کی تاسیس کا مکمل ہو گیا، تو دار الکتب کے خازن ابوزکریا خطیب تبریزی بنا دیئے گئے،

٧ الحوادث الجامعہ ص ۳۷۱

٨ الحوادث الجامعہ ص ۳۷۱

٩ رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲، ص ۱۰۸۔ بطوطہ یورپ،

١٠ طبقات الشافعیہ ج ۴

١١ **مدرسۂ بشیریہ**، مدرسۂ بشیریہ کا روز پنجشنبہ ۱۳ جمادی الآخر ۶۵۳ھ کو بغداد میں افتتاح ہوا، اس مدرسہ کی بانی خلیفہ مستنصر کی ایک کنیز تھی، اس کے مدرسوں اور معلموں میں سراج الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، !

مدرسۂ عصمتیہ، اس کی بنا و تاسیس علاء الدین صاحب دیوان کی رہین منت ہے، ۶۷۱ھ میں اس کی عمارت مکمل ہوئی، اور رسم افتتاح عمل میں آئی، یہ مدرسہ چاروں فرقوں — حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی — کے لئے

"افضلهما من كانت ابنته تحته!"

یعنی:

ان دونوں میں افضلیت اسے حاصل ہے جس کی بیٹی اس کے حبالۂ عقد میں ہو،!"

اس جواب کی ہر شخص اپنے عقیدے کے مطابق تفسیر کر سکتا ہے، ان کی ولادت ۵۰۸ – ۵۱۰ھ کے مابین ہوئی، وفات شب جمعہ کو ۱۲ رمضان ۵۹۸ھ بہ مقام بغداد ہوئی،

۲ - محی الدین ابو محمد یوسف بن عبدالرحمٰن جوزی،

یہ ابن جوزی کے بڑے بیٹے ہیں، بغداد میں محتسب تھے مدرسۂ مستنصریہ میں حنبلی طلبا کو پڑھاتے تھے، خلیفہ مستنصر عباسی کے دربار میں مقام و مرتبۂ عالی پر فائز تھے، کئی بار سلاطین و ملوک وقت کی خدمت میں بطور سفیر بھیجے گئے، ولادت شب شنبہ کو ذی القعدہ ۵۸۰ھ، میں ہوئی، اور محرم ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا تو یہ مارے گئے،

۳ - شرف الدین عبداللہ، ان کے حالات دستیاب نہیں ہوئے -

۴ - تاج الدین عبدالکریم، شرف الدین عبداللہ اور تاج الدین عبدالکریم یہ دونوں محی الدین مذکور کے بھائی ہیں، یہ دونوں بھی اپنے بھائی محی الدین کے ساتھ ہنگامہ تاتار میں، حملہ بغداد کے وقت کشتہ ہوئے

۵ - جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن جوزی، جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن یوسف جوزی یہ محی الدین کے بیٹے ہیں اور علامہ ابن جوزی کے پوتے ہوتے ہیں ۶۳۱ھ میں اپنے والد کی نیابت کرتے ہوئے جو خلیفہ کی طرف سے کار سفارت پر مصر میں مامور تھے، مدرسۂ مستنصریہ میں حنبلیوں کے مدرس تھے، اس سال ماہ رمضان میں ان کے والد محی الدین مصر سے مراجعت فرماتے ہوئے، اور خود کرسی تدریس پر [illegible] فرما ہوتے -

جمال الدین ۶۴۵ھ میں مدرسۂ مستنصریہ کے اندر حنبلی مدرس تھے اور اپنے والد و چچا کے ساتھ غلبۂ تاتار کے وقت کشتہ ہوئے یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے،

یہ ابوالفرج بن جوزی بھی اپنے جدّ بزرگوار کی طرح نوابغ وعاظ و مجلس گویاں میں شمار ہوتے تھے، ان کی مجلس میں لوگوں کو حال آ جاتا تھا، چونکہ ان کا نام کنیت، لقب، اپنے جدّ ابن جوزی سے بالکل موافق ہے اس لئے بسا اوقات لوگ اشتباہ میں پڑ جاتے ہیں، مثلاً شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں،

موفق الدین قاسم بن ابی الحدید مدائنی نے ایک قصیدہ پڑھا، جس کا مطلع یہ تھا، !

مستنصر کے دورِ حکومت سے پہلے
چشم فلک نے ایسا منظر نہ دیکھا تھا،

ان رسمی کارروائیوں کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی جو طرح طرح کی خوش ذائقہ مٹھائیوں پر مشتمل تھی، اور لوگوں کو خلعت دیئے گئے، نظامیہ صرف شافعیوں کے لئے تھا، لیکن اس کے برعکس مستنصریہ اہل سنت کے چاروں فرقوں کے لئے تھا، ایک فارسی شاعر اسی مدرسہ کی مدح میں کہتا ہے:!

نیست چوں بغداد شہرے در ہمہ روئے زمیں
باز چوں مستنصریہ در ہمہ بغداد نیست
چار حد آں بہ نور چار مذہب روشن است
حبذا جائے کہ مثلش در دو دو ہفتاد نیست

مستنصریہ کے تشکیلات اور شعب دروس کی کیفیت یہ تھی کہ ہر چہار مذاہب میں سے ہر فرقہ کا جدا ایوان تھا، اور جدا اساتذہ مدرسوں کا لباس رسمی سیاہ تھا، ہر مدرس ایک چھوٹے سے چوبی قبہ کے اندر ایک کرسی پر بیٹھتا تھا اور اس کے داہنے بائیں ایک معید ہوتا تھا جو کچھ استاد کہتا تھا، یہ معید اسے دہراتے جاتے تھے،

اس مدرسہ کے شعبوں میں سب سے اہم شعبہ فقہہ کا تھا،

شعبۂ دار الحدیث میں ایک استاد، دو قاری، دس محصل، شنبہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو علم حدیث کا درس ہوتا تھا،

شعبہ طب میں ایک استاد بزرگ، ہوتا تھا، جو بیمار طلبہ کا معالج بھی ہوتا تھا، اس کے ساتھ اس کے معاون ہوتے تھے، خاص طور پر ایک کحّال ہوتا تھا جو صفہ ساعت میں نشست رکھتا تھا،

شعبۂ ریاضی میں علم حساب اور فرائض کی تعلیم دی جاتی تھی،

اس طرح نحو اور ادبیات کے جدا جدا شعبے تھے، اور الگ الگ اساتذہ،

ہر فرقہ کا ایک واعظ بھی ہوتا تھا، جو اوقات مخصوصہ میں وعظ کہتا اور خطبہ دیتا تھا،

مدرسہ کے اندر طلبا کے لئے حمام کا بہت اچھا انتظام تھا،

مدرسہ کے پہلو میں ایک عمارت یتیموں کے لئے مخصوص تھی،

وقف تھا،

قاضی عز الدین ابو العز شافعی مدرس تھے،

عفیف الدین ربیع بن محمد حنفیوں کے مدرس تھے،

شرف الدین داؤد حنبلیوں کو درس دیتے تھے،

مجد الدین مالکی مدرس تھے،

شہاب الدین علی بن عبداللہ ناظر اوقات تھے

(الحوادث الجامعہ)

۱۲۔ مدرسۂ مستنصریہ، مدرسۂ مستنصریہ ۶۲۵ھ میں قائم ہوا، اس کی بنا سات سال میں پایۂ تکمیل کو پہونچی اور عمارت ۶۳۱ھ میں مکمل ہوئی، اس کام میں بے شمار دولت صرف ہوئی، میری عمارت موید الدین ابوطالب محمد بن عقلمی تھے، روز دوشنبہ ۵ جمادی الآخر کو وزیر نصیر الدین ابوالازہر بن ناقد (سال ولادت شوال ۵۷۱ھ وفات شب جمعہ ۶ ربیع الاول ۶۴۳ھ) مدرسہ میں آئے، اور موید الدین ابن عقلمی اور ان کے بھائی علم الدین ابوجعفر وزیر موصوف کے ساتھ ساتھ تھے، وزیر نے اس مدرسہ کی چوکھٹ چومی اور بانی کے لئے دعائے خیر کی، اور موید الدین اور اس کے بھائی کو اور اس کے حاجب عبداللہ بن جمہور کو خلعت شاہی عطا کیا، اسی طرح تمام معماروں، مزدوروں، صنعت گروں، اور فراشوں کو بلکہ ان تمام لوگوں کو کہ جس حیثیت میں بھی کام کیا تھا، حسب مرتبۂ انعام واکرام سے سرفراز کیا، وزیر نے اس موقع پر جو کتابیں مدرسہ کو نذر کیں ان کے حمالوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی، اور ان کی تعداد اسّی ہزار سے زیادہ تھی،

شیخ عبدالعزیز اور ان کے بیٹے ضیاء الدین احمد کو ترتیب فہرست پر مامور کیا گیا - اور کتابوں کو حسب موضوعات علوم مرتب کریں، تاکہ ہر کتاب آسانی سے دستیاب ہو سکے،

روز پنجشنبہ دس رجب ۶۳۱ھ کو وزیر نے قدم رنجہ کیا، اور مدرسہ کا افتتاح کیا، اس موقع پر امراء، حجاب، اور جملہ طبقات علماء و اعیان و ملوک و اشراف، نیز اعیان تجار حاضر تھے، خود خلیفہ بھی پس پردہ تشریف فرما تھے، اور یہ کارروائیاں دیکھ رہے تھے،

تشکیلات مدرسہ آداب مخصوص کے ساتھ سمع حاضرین تک پہونچائی گئیں، اور خطبات وتقاریر کے مظاہرے ہوئے، شعراء نے خلیفہ مستنصر اور مدرسۂ مستنصریہ کی مدح میں شاندار قصیدے پڑھے

مدرسۂ مستنصریہ کے معیدوں میں قاضی نظام الدین بندنیجی کا ۶۷۷ھ میں انتقال ہوگیا۔

مدرسان طب میں سے ابن قیص نصرانی تھا، جس کے بارے میں مؤلف "تجارب وسلف" کا قول ہے:

"جس زمانہ میں یہ فقراتی مدرسۂ مستنصریہ میں تھا، تدریس طب ابن قیص کے ذمہ تھی وہ حد درجہ بوڑھے ہو چکے تھے اور بہت زیادہ ضعیف تھے، شرف الدین طبیب ان کے نائب تھے، یہ مدرسہ کے ساعت میں گھڑی کی نگرانی کرتے تھے۔

۶۶۰ھ میں عطا ملک جوینی نے مستنصریہ کی عمارت میں اضافہ کیا، یہ کام حمید الدین خراسانی کی نگرانی میں انجام پایا۔

۶۹۶ھ میں سلطان غازان خان نے مدرسہ اور کتاب خانہ کا معائنہ کیا، اس موقع پر ابن الفوطی مدرسہ کے کتاب دار تھے۔

۷۲۷ھ میں ابن بطوطہ یہاں آیا، اور یہاں کی فصیح تدریس پر اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا۔"

مدرسۂ مستنصریہ کے حالات وکوائف کے لئے ملاحظہ کیجئے:

"الحوادث الجامعہ" رحلۃ ابن بطوطہ، دول الاسلام ذہبی، یافعی، ابن خلکان اور تجارب و سلف وغیرہ۔

سے آخری نشان مدرسۂ نظامیہ کا، مدرسۂ نظامیہ کا آخری نشان باقی ماندہ ایک ایوان تھا، جو پہلی جنگ عظیم تک (۱۳۳۵ھ) قائم اور موجود تھا، خلیل پاشا (گورنر عراق؟) نے سڑک چوڑی کرنے کا حکم دیا، اور یہ ایوان اس میں آگیا، یہاں جو "پنجہ علی تھا" اسے شیعیوں نے ایک معروف مقام ام میں منتقل کر دیا۔ (ماخوذ از مقالۂ سودمند فاضل ارجمند آقائے سعید نفیسی در مجلۂ "تعلیم و تربیت")

تمام محصلین اور مدرسین اور دیگر ملازمین کو حسب مرتبہ اوقاف مدرسہ سے وظیفہ اور مشاہرہ ملا کرتا تھا،

اسی سال یعنی ۶۳۱ھ میں قاضی ابو الجیب عبد الرحمٰن بن قاضی یحییٰ ناظر اوقات معین ہوئے، عبداللہ بن ثامر کو مشرف کا منصب ملا، ابو منصور فاضل بن محمد کو کاتب مقرر کیا گیا، عدل بن ابو احمد کو خازن بنایا گیا،

مدرسہ کے افتتاح کے روز جو معروف مدرس مقرر ہوئے وہ یہ تھے:

۱۔ محی الدین ابو عبداللہ محمد بن محی الدین بن فضلان شافعی (متوفی شوال ۶۳۱ھ) مدرس شافعیہ۔

۲۔ رشید الدین ابو حفص عمر بن محمد فرغانی حنفی، مدرس حنفیہ متوفی ۶۳۲ھ

۳۔ ابو الحسن علی مالکی، یہ بہ صورت نیابت مدرسہ مالکیہ تھے،

۴۔ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن یوسف بن جوزی ۶۳۱ھ میں اپنے والد محی الدین یونس بن جوزی کے نائب کی حیثیت سے حنبلی مدرس تقرر ہوئے، اور ۶۴۵ھ میں مستقل مدرس ہو گئے، ماہ رمضان ۶۳۱ھ میں محی الدین مصر سے واپس آکر پھر مسند نشین ہو گئے،

ابن فضلان کی وفات کے بعد ابو المعالی عبد الرحمٰن بن مقبل واسطی شافعیہ کی تدریس پر مامور ہوئے اور ۶۳۳ھ میں معزول ہو گئے،

۶۳۵ھ میں قاضی عبد الرحمٰن بن مغانی مدرس حنفیہ مقرر ہوئے،

ابن انصاری نے ۱۲ ماہ تک فرائض تدریس انجام دیئے۔ پھر وطن کی واپسی کے خیال پر مستعفی ہو گئے۔ یہ واقعہ ۶۳۵ھ کا ہے،

جمال الدین ابن جوزی اور مدرس شافعی شہاب الدین زنجانی اور مدرس مالکی سراج الدین عبداللہ اور حنفی مدرس قاضی عبد الرحمٰن مقرر ہوئے،

وزیر نے ان حضرات کو ہدایت کی کہ اپنی تصنیفات میں سے کچھ پڑھائیں صرف کتب مشائخ بزرگ تدریس پر اکتفا کریں،

حنبلی واعظوں میں شیخ جلال الدین عبد الجبار تھے، جو ۶۸۱ھ میں فوت ہوئے، اسی سال ایک فقیہ بالاخانے سے صحن میں گرے اور وفات پا گئے، اسی سال جمال الدین بن ابا نحوی مدرس فن نحو مدرسہ مستنصریہ کا انتقال ہو گیا، اور یہ منصب رشید الدین رازی کو تفویض ہوا،

۲۹

مدرسان نظامیہ بغداد

از آغاز قیام ۴۵۹ھ تا غزالی (۴۸۴-۴۸۸ھ)

خواجہ نظام الملک کا مقصود یہ تھا کہ ابو اسحاق شیرازی کو جو اپنے وقت کے بزرگ ترین علمائے شافعیہ میں سے تھے، مدرسہ نظامیہ کے یوم آغاز سے کرسی تدریس پر متمکن کر دیں، لیکن انہوں یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبور ہو کر ابو نصر بن صباغ کو پہلے ان سے تدریس پر مامور کیا، اور اس طرح وہ نظامیہ بغداد کے پہلے مدرس بنے،

بعض مورخین کا بیان ہے کہ ابو منصور یوسف کارپرداز مدرسہ نے جب دیکھا کہ یوم افتتاح پر حاضر نہیں ہوئے، تو اس نے ابن صباح کو منصب تدریس پر مامور کیا۔

بعد میں خواجہ نظام نے عمید ابو سعید کو اس کام پر مامور کیا کہ جس طرح بھی ابو اسحاق کو یہ منصب قبول کرنے پر راضی کریں، بہر حال ابن صباغ نے بیس دن تک، یعنی مدرسی کر سکے، اسی اثنا میں جس طرح بھی ہوا ابو اسحاق کو راضی کیا گیا، آخر انہوں نے نظام الملک کی درخواست قبول کر لی، اور یکم ذی الحجہ ۴۵۹ھ کو کرسی تدریس متمکن ہو گئے۔

ابو اسحاق ۴۵۹ھ سے آخر مدت حیات ۴۷۶ھ تک یعنی تقریباً ۱۷ سال تک مدرسہ نظامیہ کے مدرس رہے،

ابو اسحاق کے انتقال کے بعد شیخ ابو سعد بن ابو سعید متولی اور ان کے جانشین ہوئے، لیکن یہ بیس روز کے بعد معزول کر دیئے گئے،

ابو سعد کی معزولی کے بعد ابن صباغ پھر مدرس بنا دیئے گئے، یہ ۴۷۷ھ تک تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس کے بعد معزول کر دیئے گئے، ان کے بعد ، ابو سعد متولی کا تقرر کر دیا گیا

وہ اپنی وفات یعنی ۱۸ شوال ۴۷۸ھ تک اس منصب پر فائز رہے،

۴۷۹ھ میں شیخ ابو القاسم نظامیہ کے مدرس بنائے گئے اور یوم یکشنبہ یکم جمادی الآخرہ سے انہوں نے تدریس شروع کردی، اور پھر اپنی وفات ۴۸۲ھ تک اس منصب پر سرفراز رہے،

ابو القاسم کی وفات کے بعد حسین بن علی طبری مؤلف کتاب "عدہ" (جو ربانۂ غوامض کی شرح ہے) کہ ابو اسحاق شیرازی کے اجل تلامذہ میں سے تھے، اس منصب پر فائز ہوئے کئی سال تک استقلال کے ساتھ اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے اس کے بعد ان کا شریک کار ابو محمد فامی شیرازی بنا دئے گئے، اب ترتیب کار یہ تھی کہ ایک دن یہ درس دیتے تھے، ایک دن وہ،

حسین طبری اور ابو محمد فامی اسی طرح باہمی اشتراک کے ساتھ کام کرتے رہے، یہاں تک ۴۸۴ھ میں نوبت امام محمد غزالی تک پہونچی، غزالی ماہ ذی القعدہ میں، اور بقول یافعی جمادی الاولی ۴۸۴ھ میں مدرسۂ نظامیہ کی کرسی تدریس پر رونق افروز ہوئے، اور ۴۸۸ھ تک اس منصب پر متمکن رہے، اس سال انہوں نے تمام مناصب اور مقامات دنیاوی سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور ماہ ذالقعدہ میں اور بنوشتہ سبکی ذی الحجہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے باہر چلے گئے، اور مورخین کے ایک بڑے گروہ کے بیان کے مطابق ان کے بھائی احمد غزالی (متوفی ۵۲۰ھ) کو اپنا جانشین بناگئے،

حسین بن علی طبری، غزالی کے بعد، نظامیہ کے مدرس بنائے گئے، انہوں نے ۴۹۵ھ میں وفات پائی،

پس رشتہ تدریس نظامیہ بغداد از آغاز تاسیس تا عہد غزالی اس طرح ہے:

ابن صباغ پھر ابو اسحاق شیرازی نے بعد ازاں ابو سعد متولی، ان کے بعد ابن صباغ، پھر ابو سعد متولی ان کے بعد ابو القاسم ( ) بعد ازاں حسین بن علی طبری، و ابو محمد فامی، سب سے آخر میں امام غزالی [1]

تعلیقات

[1] ابو اسحاق کی موت کا نظام الملک کو صدمہ، ابن خلکان اور یافعی کا بیان ہے کہ جب شیخ ابو اسحاق شیرازی نے وفات پائی تو مؤید الملک بن نظام الملک نے بجائے ابو سعید متولی کا ماتم ...

١١- ابو بکر خجندی ۵۵۲ھ

١٢- ابوالنجیب سہروردی عبدالقاہر بن عبداللہ متوفی ۵۶۳ھ، یہ ۵۴۵ھ میں مدرس مقرر ہوئے، اور ۵۴۷ھ میں معزول ہوئے،

١٣- مبارک بن مبارک، شیخ شافعیہ بغداد، متوفی ۵۸۵ھ

١٤- ابوالخیر احمد بن اسماعیل طالقانی متوفی ۵۹۰ھ

١٥- ابوالقاسم محمود بن مبارک واسطی متوفی ۵۹۲ھ

١٦- عماد کاتب اصفہانی، ابوعبداللہ محمد بن محمد متوفی ۵۹۷ھ، انہوں نے تعلیم بھی نظامیہ بغداد میں حاصل کی تھی،

١٧- ابن دہان نحوی، متوفی ۶۱۲ھ یہ علم نحو کے مدرس تھے، کئی بار انہوں نے اپنا مذہب بدلا، پہلے حنبلی تھے، پھر حنفی ہوئے، پھر برائے تدریس نظامیہ شافعی ہوگئے، اس پر ایک شاعر نے چوٹ کرکے کہا،

وما اخترت دین الشافعی تدینا

ولکنما تہوی الذی منہ حاصل

یعنی:

تو نے شافعی مذہب دیانت کے ساتھ نہیں اختیار کیا ہے، بلکہ منفعت بخش سمجھ کر اختیار کیا ہے،

١٨- ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن فضلان متوفی ۶۳۱ھ پہلے پہل یہ مدرس اور ناظر اوقاف نظامیہ بغداد تھے اس کے بعد مدرسہ مستنصریہ میں فرقہ شافعی کے مدرس ہوگئے،

١٩- نجم الدین ابو محمد عبداللہ خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کے آغاز خلافت (۶۴۰ھ) میں مدرسہ نظامیہ کرسی تدریس پر بیٹھے،

٢٠- قاضی عزالدین ابوالعز محمد بن جعفر بصری متوفی ۶۷۲ھ، یہ حادثہ بغداد کے بعد ۶۵۶ھ میں منصب تدریس پر مامور ہوئے،

٢١- شمس الدین محمد بن حکیم متوفی ۶۹۴ھ، یہ خواجہ نصیر الدین طوسی سے تعلقات اور خط وکتابت رکھتے تھے، ۶۶۰ھ میں صاحب دیوان کے عہد حکومت میں مدرس مقرر ہوئے،

٢٢- شرف الدین ہارون بن شمس الدین صاحب دیوان ۶۷۱ھ میں کرسی تدریس پر نشست فرما ہوئے،

جانشین شیخ کردیا، جب یہ خبر نظام الملک کو پہونچی تو اس نے اس تقرّر پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اور کہا :
" ضروری تھا کہ شیخ ابواسحاق کے احترام میں ایک سال تک یہ منصب خالی رکھا جاتا ، "
پھر اس نے ابوسعد کو معزول کردیا، اور ابن صباغ کو مامور کر دیا،

ابن صباغ اور ابوسعد کی رقابت ، ابن صباغ اور ابوسعد متولی بر سر مقام تدریس ایک دوسرے سے رقابت کا اظہار کرتے تھے ، اور ایک دوسرے کے خلاف سازش میں مصروف رہتے تھے ،

سبکی اور ابن خلکان دونوں نے لکھا ہے کہ دوسری مرتبہ جب ابن صباغ معزول ہوئے ، تو اصفہان چلے گئے ، وہاں بھی سازش میں مصروف رہے ، لیکن کامیاب نہ ہوسکے ، اس اندوہ و الم میں بیمار پڑے اور جس سال معزول ہوئے تھے اسی سال وفات پاگئے (۴۷۷ھ)

۲۔ **مدرسان مدرسۂ نظامیہ** ، امام غزالی کے بعد مدرسان نظامیہ بغداد اور بعض وعاظ و شاگردان مشہور اس مدرسہ کے عبارت ہیں اصحاب ذیل سے :

۱۔ امام احمد غزالی ، متوفی ۵۲۰ھ
۲۔ حسین بن علی طبری ، متوفی ۴۹۵ھ
۳۔ ابوزکریا یحییٰ بن علی خطیب تبریزی متوفی ۵۰۲ھ ، یہ پہلے پہل کتاب دار کے منصب پر فائز ہوئے تھے ،
۴۔ ابوالحسن کیا علی بن محمد طبری متوفی ۵۰۴ھ
۵۔ ابوبکر محمد بن احمد بن حسین بن عمر شاشی صاحب المستظہری ، متوفی ۵۰۷ھ ، یہ کیا کے ہراسی کی وفات کے بعد ، ۵۰۴ھ میں مدرس ہوئے تھے ،
۶۔ ابوالحسن علی بن محمد استرابادی متوفی ۵۱۶ھ
۷۔ ابوسعید میہنی متوفی ۵۱۷ھ
۸۔ ابن برہان فقیہ ، ابوالفتح احمد بن علی متوفی ۵۲۰ھ
۹۔ ابوعلی اصفہانی حسن بن سلمان متوفی ۵۲۵ھ یہ نظامیہ اصفہان کے تعلیم یافتہ تھے ، اور نظامیہ بغداد میں آکر مدرس ہوئے ۔
۱۰۔ ابونصر عبدالرحیم بن امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۵۱۴ھ ، یہ نظامیہ کے مشہور و معروف واعظ تھے ،

۳۰

غزالی کا عہد مسافرت و ریاضت

○

از ۴۸۸ھ تا ۴۹۸ھ

۴۸۸ھ میں کہ غزالی کے انقلاب و تحوّل روحانی کا سال آغاز ہے وہ ایک مرحلۂ تازہ میں داخل ہوئے، ان کی زندگی کا یہ دور اعہد سابق سے یکسر ممتاز اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، اس تحول کا اثر یہ ہوا کہ ایک بالکل نئے غزالی سے دنیا روشناس ہوئی، جس کی نظیر علمائے اسلام میں مشکل سے ملے گی،

ماہ رجب ۴۸۸ھ میں غزالی کی روحانی حالت حد درجہ سخت اور طاقت فرسا ہوگئی، ان کے تمام افکار و عقائد اضطراب و تشلیش کے بھنور میں آگئے، حال یہ تھا کہ خلفائے عباسی و سلاجقہ کی قلمرو میں اور فقہائے اہل سنت کے حصار میں وہ مجبور طاعت تھے، لیکن باطن میں اہل ظاہر کے بالکل مخالف تھے، لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ ارباب مذاہب سے برسر جنگ ہوسکتے، اور ان کے رد عقائد میں کتابیں تحریر سکتے، آخرکار انہوں نے بغداد کو چھوڑا، اور ہر چیز سے دست بردار ہو گئے،

بغداد کو ترک کرنے کا عزم مصمم غزالی نے کر لیا، دل میں ارادہ یہ تھا کہ شام جائیں اور وہاں اقامت اختیار کریں، اور ریاضت میں زندگی بسر کریں، اس زمانے میں شام زاہدوں اور صوفیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، خلیفہ اور سلطان وقت کے ڈر سے انہوں نے سفر حج کا بہانہ کیا، اپنے بھائی امام احمد غزالی کو مدرسہ نظامیہ میں اپنا جانشین مقرر کیا، اور حسب روایت معروف، بہ تصریح خود مندرجہ کتاب "المنقذ من الضلال" ماہ ذی القعدہ میں، اور بنوشتۂ طبقات الشافعیہ ذی الحجہ ۴۸۸ھ میں ہر چیز سے منہ موڑ کر، اور بغداد کو الوداع کہہ کر آمادہ سفر ہوئے، ابو القاسم حاکم طوسی متوفی ۵۲۹ھ کہ غزالی کے ہمدرس اور دیرینہ دوست تھے اس سفر میں ساتھ تھے،

اس موقع پر ان کے والد، چچا اور رجال و اعیان دولت کی بہت بڑی تعداد موجود تھی،

۲۳ - نصیر الدین فاروقی ۶۷۲ھ میں مدرسہ نظامیہ کے مدرس بنائے گئے،

۲۴ - ابو منصور سعید بن محمد، احمد بن عبداللہ شاشی، ابوالفتح مدآد احمد بن محمد یہ سب بھی مدرسان مدرسہ نظامیہ تھے،

۲۸ - ابن انباری، کمال الدین (ولادت ۵۱۳ھ وفات ۵۷۷ھ) مشہور علمائے نحو اور ادب میں تھے،

۲۹ - حافظ ابن عساکر ابوالقاسم علی بن حسن (سال ولادت ۴۹۹ھ سال وفات ۵۷۱ھ)

۳۰ - ابو حامد نوذی طوسی محمد بن محمد متوفی ۵۶۷ھ

مدرسان نظامیہ بغداد کے حالات و سوانح کے لئے ملاحظہ ہوں کتب ذیل:

طبقات الشافعیہ سبکی، مرآۃ الجنان یافعی، دول الاسلام ذہبی، الحوادث الجامعہ ابن فوطی، ابن خلکان، تجارب السلف،

۳۱

غزالی دمشق میں

مشہور روایتوں کے مطابق ۴۸۹ھ میں، غزالی وارد دمشق ہوئے، اس وضع میں جو درویشاں آوارہ اور قلندران بیاباں نورد کا شیوہ ہے، جامۂ درویشی زیب تن، جامع اموی میں پہونچے، اور منارۂ غربی کو اپنی خلوت گاہ ذکر و فکر بنایا، یہاں بڑی سخت ریاضتیں کیں، اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنالیا، مسجد اور عبادت گاہ کی صفائی اور درستی اپنے ذمہ لے رکھی تھی، کل تک جو شخص روئے زمین کے بڑے بڑے ملوک و سلاطین کا ہم مسند تھا، آج جھاڑو اس کے ہاتھ میں تھی اور مزبلۂ مسجد و خانقاہ صاف کر رہا تھا،[۱] اور کہہ رہا تھا،

شربت بہ دستِ غیر و بہ جام حبیب زہر
انصاف دہ کہ من بہ ستانم کدام را

کہتے ہیں[۲] کہ دمشق کے عہد اقامت میں ان کی نشست زیادہ تر جامع اموی کے زاویۂ شیخ نصیر مقدسی میں رہا کرتی تھی، جو بعد میں غزالیہ کے نام سے مشہور ہوا[۳]

ایک روز مفتیان شام کی ایک جماعت صحن مسجد میں موجود تھی۔ ایک شخص آیا اور اس نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس کے جواب میں یہ لوگ عاجز رہ گئے، ایک مرد مجہول کی طرح غزالی بھی وہاں بیٹھے تھے، لیکن خاموش رہے۔ جب مسئلہ پوچھنے والا چلنے لگا تو یہ سوچ کر مبادا یہ مسلمان درماندہ نہ رہ جائے اس کے مسئلہ کا جواب دیدیا، وہ شخص مضحکہ خیز انداز میں غزالی کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ مرد عالی کس طرح ایسے مسئلہ کا جواب دے سکتا ہے جس کے حل میں مفتیان بزرگ عاجز رہے؟ مفتیوں نے یہ حال دیکھا تو سائل کو بلایا، وہ واپس جا رہا تھا لوٹ آیا، اور غزالی کا جواب سنایا، غزالی کا جواب سنکر فقہاء مجتہد کو بڑی حیرت ہوئی، اور تعریف و احوال کے لئے ان کے پاس آئے، فوراً محسوس کرلیا یہ تو

غزالی نے زندگی کے اس سال (۴۸۸ھ سے ۴۹۸ھ تک) بلاد وشام وجزیرہ وبیت المقدس اور حجاز میں بسر کیے،

درویشوں اور قلندروں کی صورت وسیرت اختیار کر کے ہر جگہ کا گشت کیا اور اس تمام مدت میں ہمیشہ زہد وعبادت، اور فکر وخلوت، رہے، تصنیف وتالیف کا شغل بھی جاری رہا،

مشہور اقوال کی بناپر وہ بغداد سے دمشق وارد ہوئے، اور دو سال تک شام میں اقامت رکھی اور یہاں کی مشہور جامع دمشق [1] میں معتکف رہے، جس جگہ وہ عبادت وریاضت کرتے تھے وہ مسجد کا غربی منارہ تھا،

شام سے وہ بیت المقدس تشریف لے گئے، اور ایک عرصہ تک ریاضت وحکومت اور زیارت مشاہد شریفہ میں مشغول رہے، یہاں خلوت گاہ کے طور پر زیادہ تر قبۃ الصخرہ کو استعمال کرتے تھے،

بیت المقدس سے تربت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کو روانہ ہوئے، اور جیسا کہ اپنے فارسی مکاتیب میں لکھا ہے، ۴۸۹ھ میں تربت خلیل ؑ پر انہوں نے عہد کیا کسی سلطان کے دربار میں حاضر نہیں ہوں گے، اور کسی بادشاہ سے مال ودولت قبول نہیں کریں گے، اور نہ کبھی مناظرہ کریں گے، نہ تعصب کا اظہار کریں گے، [2]

شام اور بیت المقدس کے سفر کے بعد بہ قصد حج عزم حجاز کیا ۴۹۸ھ میں ادائے مناسک حج وزیارت مکہ ومدینہ ومشاہد مشرف سے فارغ ہو کر عزم مراجعت وطن کیا، اور اسی سال طوس واپس تشریف لے آئے، !

تعلیقات

[1] یہ مسجد، اور جامع اموی" کے نام سے بھی مشہور ہے کہ یہ ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ ہے،

[2] اپنے اس سال کے سفر کے دوران میں غزالی نے تربت خلیل ؑ کی کئی مرتبہ زیارت کی، ایک مرتبہ ۴۸۹ھ میں گئے، اور وہاں تین عہد کیے۔

۳۲

غزالی بیت المقدس میں

جیساکہ خود غزالی نے کتاب "المنقذ من الضلال" میں اشارہ کیا ہے اور دیگر بلند پایہ مورخین نے تصریح کی ہے غزالی کے عہد مسافرت کا ایک بلکہ بیشتر حصہ بیت المقدس میں بسر ہوا، جہاں ان کا مشغلہ خلوت و ریاضت تھا،

اس سفر دہ سالہ کا اہم ترین تحفہ کتاب " احیاء العلوم " ہے، جو کتب اخلاق میں اپنی مثال نہیں رکھتی اور غزالی کے بعد جس کسی نے بھی علم اخلاق پر خامہ فرسائی کی ہے، اس کتاب سے استفادہ، یا اقتباس و تقلید پر مجبور ہو گیا ہے،

کتاب "اربعین" اور دوسرے متعدد رسائل بھی اس دہ سالہ سفر کی یادگار ہیں،

مشہور یہ ہے کہ غزالی نے کتاب احیاء العلوم بیت المقدس میں تحریر کی، اور جو جگہ اس کام کے لئے منتخب کی، وہ قبہ صخرہ کا شرقی گوشہ تھا[1]

حسب تصریح مورخین، نیز ان شواہد اور ادلہ کی موجودگی میں جو ہمارے پاس ہیں، یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ احیاء العلوم ۴۸۸ھ اور ۴۹۸ھ کے مابین تصنیف ہوئی اور بلاشبہ ان کے دس برس کے طویل عہد مسافرت کے آثار و یادگار میں اسے مرتبۂ امتیاز حاصل ہے، کیونکہ اس سے پہلے اس کتاب کا نام کہیں اور سننے میں نہیں آتا، اور اس مسافرت کے بعد، بلکہ اس کے دوران میں اس کتاب کا نام شہرت پذیر ہو گیا۔

کتاب کے دیباچہ سے بھی یہ بات صریحی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب غزالی کے عہد تحوّل روحانی کے آثار میں سے ہے، وہ جب عمر تلف شدہ کے اوقات گراں مایہ کی تلافی و تدارک پر آمادہ ہوئے علوم رسمی کے کوچہ سے نکل کر عمل اور تزکیۂ نفس کی منزل میں قدم رکھا، اور تاریکی سے نور حقیقی کی طرف

ایک مرد دانش مند ہے، چنانچہ ان سے تدریس کی استدعا کی، غزالی اس اندیشہ سے کہ کہیں پھر قیل وقال کے چکر[۳] میں گرفتار ہو جائیں، اس رات دمشق سے باہر چلے گئے،

یہ بھی روایت ہے کہ غزالی دمشق کے مدرسہ امینیہ میں وارد ہوئے ——— یہاں حلقۂ درس قائم تھا، استاد نے درس میں غزالی کے اقوال کا حوالہ دیا، اور غزالی کا قول ہے (قال الغزالی) کی تکرار شروع کر دی، غزالی کو ہم اعجاب و غرور پیدا ہوا، ——— اس کے باعث دمشق چھوڑ کر چلے گئے

شیخ نصر مقدس دمشق میں اپنے وقت کے بہت بڑے عابد و زاہد تھے، ان سے غزالی کی ملاقات اور جامع اموی میں بہ سمت غربی زاویۂ مخصوص کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

ذہبی[۴] کا قول ہے یہ دونوں باہم مجالست رکھتے تھے، بعض کا قول ہے کہ غزالی شیخ نصر سے ملاقات کا اشتیاق رکھتے تھے، لیکن جس روز وارد دمشق ہوئے اسی دن ان کی وفات ہو گئی - ایک اور قول یہ ہے کہ شیخ نے وصیت کر کے غزالی کو اپنا جانشین بنا دیا تھا، چنانچہ ان کے زاویہ میں مجلس ارشاد و تدریس انہوں نے قائم کر لی،

ذہبی کا قول ظاہر تاریخ سے منافات نہیں رکھتا، لیکن دوسرے اقوال ضرور غور طلب ہیں، شیخ نصر کا انتقال ۴۹۰ھ میں ہوا، اور غزالی حسب اقوال ۴۸۹ھ میں وارد دمشق ہوئے جانشین شیخ خود ان کی وصیت کے مطابق ان کے ایک شاگرد نصر اللہ مصیصی تھے نہ کہ امام غزالی[۵]

میرے خیال میں غزالی بہ ضمن مسافرت دہ سالہ کچھ عرصہ تک زاویۂ شیخ میں اپنے افادات سے لوگوں کو ضرور مستفید کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ زاویۂ شیخ بعد میں غزالیہ کے نام سے مشہور ہوا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی ہجری میں سبکی نے بھی لکھا ہے کہ یہ زاویہ "غزالیہ" کے نام سے مشہور تھا[۶]

اس سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک شخص مجہول کی نشست برخاست کے باعث اس کا نام بدل جاتا، اور اسی کے نام سے معروف ہو جاتا،

بعض دوسرے مورخین ——— مثلاً سبکی[۷] و یافعی[۸] ——— نے تصریح کی ہے کہ غزالی جامع اموی دمشق کے زاویہ میں تدریس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، لیکن خود غزالی نے اس سلسلہ میں اپنے قلم سے کچھ نہیں لکھا ہے۔

بہر حال ان تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غزالی اپنے دوران قیام دمشق میں کچھ عرصہ تک خلوت

"تاریخ فلاسفۃ الاسلام" تالیف محمد لطفی میں شائع ہوا ہے ۔

۲ؔ ملاحظہ ہو مقدمۂ المنقذ، و تاریخ آداب اللغۃ العربیہ و مجلۂ الہلال ۱۵ ج ۶

حیات غزالی کا یہ پہلو جو اس باب میں پیش کیا گیا ہے ان کی ہمہ جہتی اور اوج روحانی کا غماز ہے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ غزالی کی شخصیت اپنے عہد میں بھی اور بعد میں بھی یگانہ تھی ۔

(رئیس احمد جعفری)

گامزن ہوئے ، جو کچھ بھی گفتنی تھا اس کتاب میں کہہ ڈالا اور اسرار نہفتی کو ضمیر صاحب دلال پر محمول کر دیا، انہوں نے اس کتاب کو برائے طب قلوب بہ منزلہ تقویم سے قرار دیا ہے، اپنی کتاب "المستصفی" میں کہ عمر کے آخری سالوں کی تصنیف ہے "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" کا ذکر کیا ہے - اور کتاب "المنقذ من الضلال" جو خود ان کے قول اور مورخین کی تصریح کے مطابق نیشاپور میں ، ۴۹۹ھ اور ۵۰۰ھ کے مابین یعنی سفر دہ سالہ کے اختتام کے ایک سال بعد تالیف کی تھی[2] بعض مطالب کی شرح کو احیاء العلوم پر محول کرتے ہیں، نیز کیمیائے سعادت اور دیگر مولفات کا جو اس زمانہ میں شہرت پذیر ہو چکے تھے۔ ذکر فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احیاء العلوم بغداد سے مہاجرت کے بعد طوس میں مراجعت سے پہلے یعنی ۴۸۸ھ اور ۴۹۸ھ کے مابین تالیف ہوئی ، اور چونکہ اظہر احتمالات کی بنا پر ان کے اوقات مسافرت زیادہ تر بیت المقدس میں صرف ہوئے ، لہٰذا احتمال قوی یہ ہے کہ یہ کتاب وہیں مکمل ہوئی ، لیکن یہ بات کہ اس کتاب کی تالیف پر کتنی مدت صرف ہوئی ، اور خاص طور پر کس مقام پر اس کام کا آغاز ہوا قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، بہ ظاہر اتنا سفر میں جو وقت بھی ، ذکر و فکر ، اور خلوت و ریاضت سے بچا اپنی یادداشت قلمبند کرتے رہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ چار جلدوں پر مشتمل ایک خاصی بڑی کتاب تیار ہو گئی ،

یافعی نے بعض مورخین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غزالی ۴۸۸ھ میں دمشق آئے ، اور اقامت شام کے دو سال کے زمانے میں احیاء العلوم کی تصنیف و اسماع میں صرف کیے ، اس روایت کی بنا پر احیاء العلوم کی تالیف شام میں ہوئی ، نہ کہ بیت المقدس میں ، لیکن ۴۸۸ھ میں غزالی کا ورود شام ، قول مشہور کے خلاف ہے ، اور اتنی بڑی کتاب کا دو سال کی مدت میں شدید ریاضت کے باوجود مکمل کر لینا ممکن نہیں ، گو غزالی جیسے نابغہ سے مستبعد بھی نہیں ، کتاب کیمیائے سعادت بھی جو فارسی زبان کی کتب اخلاق میں احیاء العلوم عربی کی ٹکر کی ہے ، آثار سفر دہ سالہ ، یا طوس میں مرجعت کے بعد گوشہ نشینی کے زمانے کی تالیف ہے ، !

تعلیقات

[1] احیاء العلوم کا محل تصنیف ، احیاء العلوم کے محل تصنیف کا ایک فوٹو

حجاز سے طوس میں غزالی کی مراجعت

ایران سے باہر غزالی کا دورہ سفر و ریاضت دس سال تک محیط رہا، ۴۹۸ھ میں بیت المقدس سے حجاز تشریف لے گئے۔ اور مراسم و مناسک حج، اور زیارت مشاہد متبرکہ سے فارغ ہو کر اپنے وطن طوس واپس تشریف لائے،

آغاز مسافرت میں ان کی نیت یہ تھی کہ اب وطن واپس نہیں آئیں گے، لیکن زن و فرزند کی محبت بالآخر اپنے دیار میں انہیں کھینچ لائی۔ [1]

شاید بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ طوس میں غزالی کی مراجعت کا سبب میدان جنگ ہائے صلیبی سے فرار تھا، جس کا کچھ حال گذشتہ صفحات میں ہم درج کر چکے ہیں،

بادی النظر میں یہ احتمال واقعی ذہن میں پیدا ہوتا ہے لیکن صلیبی جنگوں کے اسناد تاریخی کی طرف اگر رجوع کیا جائے تو غلطی واضح ہو جائے گی، کیونکہ صلیبی جنگیں ۴۹۰ھ سے شروع ہوئیں، اور تقریباً اس زمانے میں ایشیائے صغیر اور شام کے متعدد مسلمان شہروں پر عیسائیوں نے تسلط حاصل کیا ۴۹۱ھ مطابق ۱۰۹۸ء میں انہوں نے انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بیت المقدس کا رخ کیا اور یہ حقیقت معلوم و مشہور ہے کہ فتح بیت المقدس میں تقریباً ستر ہزار مسلمان شہید تیغ ستم ہوئے، اور بہت سے علماء و فضلا بھی، جن میں حافظ ابو القاسم رملی خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس حادثے میں کشتہ ہوئے [2]

غزالی نے کم و بیش دس سال اس کشور فتنہ و فساد میں بسر کئے اور برابر ریاضت و مجاہدت میں مشغول رہے، اس موقع پر ہم ایک مرتبہ پھر غزالی کی زندگی کو طرفہ تر دیکھتے ہیں، وہ آگ جس نے خشک و تر کو جلا کر خاکستر کر دیا، غزالی نے اپنی آنکھوں سے اس کے شعلے اٹھتے اور بھڑکتے ہوئے دیکھا، وہ یقیناً محسوس کرتے ہوں گے کہ جو ستر ہزار مسلمان ان معرکوں میں ہلاک ہوئے ان میں وہ بھی شامل ہو سکتے ہیں، ہو سکتا تھا کہ وہ اس آتش

۳۳

غزالی مہد عیسیٰؑ میں

سبکی نے کتاب "بقیۃ المشتاق الی ساکنی العراق" سے بخط مؤلف[1] نقل کیا ہے، کہ میں نے ابو الفتوح نصر بن محمد بن ابراہیم مراغی سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ:

"امام ابو حامد غزالی اور اسماعیل حاکمی، اور ابو الحسن بصری، اور ابراہیم شباک جرجانی اور غربا و صلحا کا ایک گروہ بیت المقدس میں مہد عیسیٰؑ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور قوال گا رہا تھا،

اتیتک لما ضاق صدری من الھوی
ولو کنت تدری کیف شوقی اتیتنی

یعنی:-

محبت سے میرا سینہ جب معمور ہو گیا تو میں تیرے پاس آ موجود ہوا،
کاش تجھے اندازہ ہوتا میرا شوق کس طرح کشاں کشاں مجھے تیرے در تک لایا،

ابو الحسن پر تو حال کی کیفیت قوال کے یہ بول سنتے ہی طاری ہو گئی، انہوں نے کچھ اس طرح وجد کیا کہ تمام حاضرین پر تاثر کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی، محمد کازوانی کو تو وجد و کیف و حال نے بے قابو کر دیا"[2]

اس تصریح سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ابو القاسم حاکمی سفر بیت المقدس میں غزالی کے ہم سفر تھے۔!

تعلیقات

[1] تالیف ابو سعد بن سمعانی
[2] طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۰۵

۳۵

غزالی :- بزرگ ترین مجاہد حقیقت اسلام

کتاب "الاخلاق عند الغزالی" کے مؤلف نے [۱] ایک حد تک غزالی پر چوٹ کی ہے کہ صلیبی معرکہ آرائیوں میں حصہ نہ لے کر انہوں نے شرف جہاد سے اپنے آپ کو محروم رکھا، اور اپنے "صومعہ" میں زہد وعبادت اور تالیف میں مشغول رہے،

ان سطروں کا لکھنے والا نہیں چاہتا کہ اس اہم ترین فقہی و تصوفی موضوع پر گفتگو کو طول دے کر بحث کو لمبا کرے، البتہ مورد غزالی کے سلسلہ میں دفع توہم کی خاطر چند امور پر گفتگو ضروری ہے،

۱- شریعت اسلام میں جس جہاد کا ذکر ہے، اور جس کا قرآن کریم نے حکم دیا ہے، یہ ہے:

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ،

یعنی :-

اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، ——!

اور بروایت فریقین (سنی و شیعہ) آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لغدوۃٌ او روحۃٌ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا ،

یعنی :—

اللہ کے راستے میں شام کرنا یا صبح کرنا، ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے،

اسی طرح دوسری آیتیں اور حدیثیں ہیں، [۲]

سب سے پہلی تو یہ ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں اس پر متفق ہیں کہ جہاد ایک فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین [۳] جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے، وما کان المومنون لینفروا کافۃً -!

۲- دوسرے یہ کہ "غزوہ" اور "محاربہ" کا مطلب مرنا اور مار ڈالنا ہی نہیں ہے،

عالم سوز سے دور تر مقام پر چلے جائیں، لیکن وہ مرنے سے نہیں ڈرتے تھے، نہ اپنے خون کو دوسرے مسلمانوں کے خون سے رنگین تر تصور کرتے تھے، چنانچہ وہ اس طرح سرگرم کار مشغول وفکر رہے کہ کسی شخص یا کسی چیز سے کوئی ہراس ان کے اندر نہیں پیدا ہوا ، !

تعلیقات

۱ "فسرت الی الحجاز ثم جذبتنی الھمم ودعوات الاطفال الی الوطن تعاودنی لعل ان کنت العبد الحق عن الرجوع الیہ وآثرت العزلۃ ایضاً حرصاً علی الخلوۃ وتصفیۃ للذکر (ص ۱۳۰ المنقذ بالتصحیح "آثرت" بجائے "اسرت")

۲ تفصیل کے لیے "تاریخ ابوالفدا" اور ابن اثیر سے رجوع کیا جائے ،

تنقید کے نشانہ بنانے میں ذرا جھجک نہ محسوس کی، اور جب اس نتیجہ پر پہونچے کہ بیشتر مفاسد اجتماعی علمارِ سوء اور فاضلان دستار بندکی کج دماغی کا ثمر ہیں تو اس طائفہ کی تربیت اور مذمت میں بالکل دریغ نہ کیا، اور یہ فرقہ عادات و اخلاق میں جس طرزِ تکلم کا خوگر تھا اس نے جدل و مناظرہ کو خوشنمائی اور جدال بنا دیا تھا غزالی نے اپنی مجالس وعظ اور اپنے مؤلفات مثلاً احیاء العلوم، اور المنقذ من الضلال وغیرہ میں ادلّہ قاطعہ، بیانات دی، اور حکمات شیریں گوش زد جہاں کرنے میں کوئی تامل نہ کیا، احیاء العلوم کا ایک معرکہ آرا باب، جو اس کتاب کا پہلا باب ہے، علم و علماء، اور آداب تعلیم و تعلّم سے اختصاص رکھتا ہے، اور اس زمانے میں جب بقول غزالی علم و دین تباہ ہو چکے تھے اور ہر طرف سے خطرات و مہالک سر اٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے اس کتاب کی تالیف کو اپنے اوپر واجب قرار دیا۔

ایک مقام علماء سوء کی نکوہش میں فرماتے ہیں،:

واحترز عن الاغترار بتلبیسات علماء السوء فان شرّهم علی الدین اعظم من شر الشیاطین ہ

یعنی:-

علماء کی تلبیسات کا فریب کھانے سے بچو، کیونکہ دین کے معاملہ میں، ان کا شر شیاطین کے شر سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے،

اصلاح دین و اخلاق کے سلسلہ میں غزالی نے جو عقیدہ قائم کرلیا، اور جس رائے پر پہونچے اسے پوری قوت قلب و صراحت لہجہ کے ساتھ فاش و برملا کہہ گذرے، اور خفیف ترین بیم و ہراس سے بھی دوچار ہوئے بغیر اصنام جاہلیت و اوہام کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، پوری ہمت مردانہ کے ساتھ سرگرم کار رہے اور غوغائے باطل کے اندیشہ سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے، چونکہ چراغ ہدایت ان کے ہاتھ میں تھا، لہٰذا ظلمت تنہائی سے ہراساں ہونے کا سوال ہی نہ تھا، جتنا جتنا بد اندیشوں کی طرف سے افکار و طغیان کا مظاہرا ہوا، اتنے ہی اتنے دعوت و ہدایت میں وہ پختہ تر محکم ہوتے چلے گئے، اور راہ کارواں کو سگان راہ کی ہاؤ ہو سے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے،

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
ہر کسے بر طینت خود می تند

راہ خدا میں جہاد کی متعدد قسمیں ہیں، اور ان میں بعض ایسی ہیں جو اپنے موارد کے اعتبار سے، جنگ اور اور سایہ شمشیر میں جنت حاصل کرنے سے بہتر ہیں، (ان الجنۃ تحت ظلال السیوف) مادۂ فساد کا قلع قمع کرنا میدان کارزار میں جان دینے سے زیادہ بڑا مجاہدہ ہے، امیر المومنین علیؑ کا ارشاد گرامی ہے، :

قال الرجل جاھدت، ولم یجاھد انما الجھاد اجتناب المحارم ومجاھدۃ العدو!"

یعنی:- کوئی آدمی کہتا ہے میں نے جہاد کیا، لیکن اس نے جہاد نہیں کیا، بلاشبہ جہاد نام ہے اجتناب محارم اور مجاہدت عدو کا، شاید بعض لوگ منتظر ہوں گے کہ غزالی بھی اعلان جہاد کرتے، غوغا برپا کرتے اور کوئی گروہ بنا کر کے چڑھ دوڑتے، لیکن یہ توقع اس مرد بزرگ سے ہے جس نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ مذاہب مختلفہ سے جنگ و جدل میں میں گزارنے کے بعد اس ضرورت کو محسوس کیا اور باور کر لیا، کہ سعادت بشر صلح و امن میں ہے نہ کہ خوں ریزی اور کشمکش میں، صرف کوتاہ نظری ہے،

غزالی نے جان لیا کہ آسائش بشر کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے جنگ غوغا کے مقابلے میں فکر زیادہ بہتر اور سود مند ہے پس ضروری ہے کہ پہلے اپنے آپ کو پھر دوسروں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ اور مہذب کیا جائے،

عصر غزالی کے اوضاع علمی و دینی کا مختصر ذکر ہم کر چکے ہیں، اسے نظر میں رکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دین و حقیقت کے راستے میں غزالی کے مجاہدات کا مرتبہ کتنا رفیع تھا،

مسافرت دہ سالہ سے پیشتر غزالی اپنے زمانہ کے بہترین متکلم تھے، اور بیان و خطابت کی کامگاری اور تصنیف و تالیف کی دستوری کے بل پر اسلام کی حمایت و نصرت میں پیش پیش تھے، اور انقلاب و تحوّل کے بعد علم و عمل کے اعتبار سے وہ نوع انسانی کے بہترین رہنما اور معلم بن گئے،

غزالی کا اوّلین مجاہدہ یہ تھا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے انہوں نے بالاترین مناصب و مقامات دنیوی کو ترک کر دیا اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اس دنیا کا بزرگ ترین منصب بھی راہ معرفت کے کمترین درجہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے، یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس زمانہ میں جو صحیح معنیٰ میں عہد جدل و تعصب دینی تھا، علماء و سلاطین اور خلفائے عباسی کے خوف و دہشت سے کسی کو یارا نہ تھا کہ عقائد عمومی کے خلاف ایک حرف بھی کہہ سکے، کوئی حرف مخالفانہ کہنا تو بڑی بات ہے محض مورد تہمت و بدگمانی ہونے کے باعث لوگ تکفیر و نفرت عامہ اور انواع حبس و قتل اور شکنجہ و آزار سے دوچار ہو جایا کرتے تھے، لیکن غزالی نے بے پروایانہ پردہ اوہام چاک کرنے کا معرکہ بپا کیا اور اپنے زمانہ کے اوضاع علمی و دینی کو تند تلخ

راہ دین در حقیقت میں مجاہدۂ غزالی کے آثار و نقوش بہ کثرت ہیں، ان کی روش علمی و عملی عجیب طور پر جاہر اسلام پر اثر انداز ہوئی، اور ایک بڑے انقلاب کا سبب بن گئی، مردم عوام جو رسالے روحانی کے لئے دودھ دینے والی گائے بنے ہوئے تھے، غزالی کی رفتار و گفتار سے متاثر ہو کر خواب گراں سے بیدار ہونے لگے، اور علماء سے جاہ طلب اور فقہا کے دنیا پرست سے کنارہ کشی اور علمائے حقیقی کی جستجو کرنے لگے۔ خود علماء کے اندر بھی ایک گروہ اپنی اصلاح کا پرچم لے کر اٹھ کھڑا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گروہ کا ایک بڑا طبقہ کم از کم ظاہری طور پر عوام کے جلب خاطر کے لئے اپنی روش میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن جن لوگوں نے غزالی کی دعوت اصلاح کو اپنے مقاصد دنیاوی اور جاہ طلبی کے راستے ہیں سنگ گراں سمجھا، انہوں نے کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے۔ مجوسیت و زندقہ اور بددینی کی نسبت ان کی طرف کرنے لگے، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ ان کے مؤلفات پر تہمت لگائی گئی، کہ چونکہ یہ لوگوں کی گمراہی کا سبب ہیں، لہٰذا انہیں نذر آتش کر دیا جائے، [6]

ایک اور جماعت میدان میں آئی، جس نے قلم سنبھالا اور اپنے عقائد کی نصرت اور عقائد غزالی کے رد میں کتابیں تصنیف کر ڈالیں،

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ غزالی نے جامعۂ اسلام اور عالم انسانیت کے گراں بہا خدمات انجام دیئے،

تعلیقات

1. ص ۱۵
2. ملاحظہ ہوں، :
"مستدرک الوسائل" اور "المنتقی من اخبار المصطفیٰ" اور فروع کافی وغیرہ
3. فرض کفایہ اور فرض عین،
فرض کفایہ ایک آدمی ادا کر لے تو جماعت بھر کی طرف سے ادا ہو گیا، فرض عینی جو فرداً فرداً ہر شخص کو ادا کرنا چاہئیے
4. جلد اوّل احیاء العلوم، کتاب العلم
5. احیاء العلوم
6. طبقات الشافعیہ و تاریخ یافعی،

یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالا ہے کہ غزالی نہ صرف اپنے عصر میں، بلکہ مجاہد اسلام تھے۔ انھوں نے جو ذہنی، فکری، علمی، قلمی، روحانی مجاہدے کیے وہ اس باب میں اگر انھیں فرد فرید کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ (رئیس احمد جعفری)

راہ دین درحقیقت میں مجاہدۂ غزالی کے آثار ونقوش بہ کثرت ہیں، ان کی روش علمی وعملی عجیب طور پر جامع اسلام پر اثرانداز ہوئی، اور ایک بڑے انقلاب کا سبب بن گئی، مردم عوام جو دَرسائے روحانی کے لئے دودھ دینے والی گائے بنے ہوئے تھے، غزالی کی رفتار وگفتار سے متاثر ہوکر خواب گراں سے بیدار ہونے لگے، اور علما سے جاہ طلب اور فقہائے دنیا پرست سے کنارہ کشی اور علمائے حقیقی کی جستجو کرنے لگے۔ خود علماء کے اندر بھی ایک گروہ اپنی اصلاح کا پرچم لے کر اٹھ کھڑا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گروہ کا ایک بڑا طبقہ کم از کم ظاہری طور پر عوام کے جلب خاطر کے لئے اپنی روش میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہوگیا۔ لیکن جن لوگوں نے غزالی کی دعوت اصلاح کو اپنے مقاصد دنیاوی اور جاہ طلبی کے راستے میں سنگ گراں سمجھا، انہوں نے کفر کے فتوے دینے شروع کردیئے۔ مجوسیت و زندقہ اور بددینی کی نسبت ان کی طرف کرنے لگے، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ ان کے مؤلفات پر تہمت لگائی گئی، کہ چونکہ یہ لوگوں کی گمراہی کا سبب ہیں، لہٰذا انہیں نذر آتش کردیا جائے، ؁

ایک اور جماعت میدان میں آئی، جس نے قلم سنبھالا اور اپنے عقائد کی نصرت اور عقائد غزالی کے رد میں کتابیں تصنیف کرڈالیں،

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ غزالی نے جامعۂ اسلام اور عالم انسانیت کے گراں بہا خدمات انجام دیئے،

تعلیقات

؁ ص ۱۵

؁ ملاحظہ ہوں، :

"مستدرک الوسائل" اور "المنتقی من اخبار المصطفی" اور فروع کافی وغیرہ

؁ فرض کفایہ اور فرض عین،

فرض کفایہ ایک آدمی ادا کرلے تو جماعت بھر کی طرف سے ادا ہوگیا، فرض عین جو فرداً فرداً ہر شخص کو ادا کرنا چاہئے

؁ جلد اول احیاء العلوم، کتاب العلم

۵۔ احیاء العلوم
۶۔ طبقات الشافعیہ، تاریخ یافعی۔

یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالا ہے کہ غزالی نہ صرف اپنے عصر میں، بلکہ عصر مابعد میں بھی بزرگ ترین مجاہد اسلام تھے۔ انھوں نے جو ذہنی، فکری، علمی، قلمی، روحانی مجاہدے کیے وہ انہی کا حصہ تھے، اور اس باب میں اگر انھیں فرد فرید کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ (رئیس احمد جعفری)

کا بحر زخار ہے، تین بلکہ چار سال کی مدت میں بھی تصنیف نہیں ہو سکتی، نہ کہ اس کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے، پھر دو سال کا کیا ذکر؟

سبکی کا کہنا ہے کہ ماہ ذی الحجہ ۴۸۸ھ میں غزالی بہ مقصد حج بغداد سے روانہ ہوئے، اور اپنے بھائی امام احمد کو مدرسہ نظامیہ بغداد میں اپنا جانشین بنایا، ۴۸۹ھ میں وارد دمشق ہوئے، پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے بیت المقدس روانہ ہوئے، اور ایک عرصہ تک وہیں رہے، اس کے بعد دوبارہ دمشق آئے اور جامع اموی کے منارہ غربی کے گوشہ میں معتکف ہو گئے، اس کے بعد متعدد شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے مصر پہونچے، اور وہاں مقیم رہے، پھر بغداد آئے، اور ایک مدت تک یہاں مجلسیں قائم کرتے رہے، وعظ و نصائح اور تدریس احیاء العلوم میں مشغول رہے، پھر بغداد سے خراسان روانہ ہو گئے،

یہ بات کہ غزالی ماہ ذی الحجہ میں بغداد سے سفر حج پر روانہ ہوئے بالکل غلط ہے، اور یہ غلطی خود غزالی کے نوشتوں اور دوسری دلیلوں سے ثابت ہے،

امام عبد الغافر فارسی مؤلف "تاریخ نیشاپور" جو غزالی کے ہم عصروں میں ہیں، بیان کرتے ہیں کہ غزالی بغداد سے سفر حج پر روانہ ہوئے، وہاں سے شام پہونچے، اور تقریباً دس سال تک سیاحت و ریاضت اور تصنیف و تالیف میں بسر کئے، اس سفر کے دوران میں انہوں نے احیاء العلوم، اربعین، اور دیگر کتب و رسائل تصنیف و تالیف کئے، پھر اپنے وطن واپس آئے، سلہ

بعضوں نے لکھا ہے کہ غزالی بغداد سفر حج پر روانہ ہوئے اور ۴۸۹ھ میں دمشق میں وارد ہوئے، اور ڈھائی سال تک شام میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، وہاں سے بیت المقدس کا سفر کیا، بیت المقدس میں بھی ایک مدت تک مقیم رہے، پھر مصر اور اسکندریہ کے سفر پر روانہ ہوئے، اسکندریہ میں بھی کچھ عرصہ تک قیام رہا، یہاں ان کے کان میں بادشاہ مراکش یوسف بن تاشفین کا عدل و داد، اور مراکش کے سلطان کا شہرہ پڑا، چنانچہ براہ دریا مغرب اقصیٰ کے سفر کا ارادہ کیا، اسی اثنا میں یوسف بن تاشفین کی خبر وفات مشہور ہو گئی، لہٰذا سفر مراکش کا ارادہ منسوخ کر دیا اور اپنے وطن طوس واپس چلے گئے،

غزالی کی مدت ریاضت و خلوت کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت دس سال کی ہے دوسری بارہ سال کی، بعض کا قول ہے کہ دس سال تک وہ صرف شام میں مقیم رہے،

مسافرت غزالی کے بارے میں جو اقوال اوپر ہم نے درج کئے ہیں ان کا ایک حصہ تو سراسر بے اساس

۳۶

غزالیؒ کے عہد مسافرت کے بارے میں چند اقوال

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں غزالی ذیقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے اور دو سال تک شام میں اقامت گزیں رہے، چند سال بیت المقدس میں قیام کیا، اور نواحی فلسطین میں رہے، یہاں ان کا وقت اعتکاف اور تالیف میں بسر ہوتا تھا، ۴۹۸ھ میں انہوں نے سفر حج کیا، اور نواحی حجاز کا گشت کرنے اور زیارت مشاہد متبرکہ سے فارغ ہونے کے بعد اس سال اپنے وطن طوس میں وارد ہوئے، یہ وہ اندازہ ہے جو خود ان کے نوشتوں (المنقذ من الضلال) سے ثابت ہے، باقی رہی یہ کہ بغداد سے پہلے وہ سفر حج پر گئے، بعد ازاں شام پہونچے یا سرے سے حجاز کا سفر ہی نہیں اختیار کیا، یا مصر اور سکندریہ کی طرف کوچ کیا، ان تمام باتوں میں سے کسی کی تائید و توثیق غزالی کے کلام ذرا بھی نہیں ہوتی،

لیکن غزالی کی مدت ریاضت و عزلت کے بارے میں مورخین کے روایات مختلف ہیں، ان کا بڑا حصہ کتب ذہبی و سبکی، و یافعی و صفدی، و ابن خلکان وغیرہ میں موجود ہے،

خود غزالی کے نوشتوں اور دوسرے روایات کے مابین اس سفر کے بارے میں جو تفاوت ہے وہ یہ ہے کہ اپنے سفر دہ سالہ میں دوبارہ وہ حجاز تشریف لے گئے، پہلے سفر حج سے فارغ ہوئے، پھر شام گئے، وہاں سے بیت المقدس پہونچے اور وہاں سے دوبارہ حجاز آئے، اور یہاں سے طوس واپس پہونچے،

بعض مورخین قول مشہور کے خلاف راوی ہیں کہ ۴۸۸ھ میں غزالی دمشق آئے اور یہاں کے دوران قیام میں احیاء العلوم تالیف کی اور اس کی تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا،

لیکن یافعی اسے نہیں مانتے، وہ اسے اس دلیل سے باطل قرار دیتے ہیں کہ غزالی نے المنقذ من خود اپنے قلم سے دمشق کی مدت اقامت دو سال بتائی ہے، اور احیاء العلوم جیسی کتاب جو علوم و معارف

ایک اور ضعیف روایت کے مطابق جو جملہ اسنادِ تاریخی کے برخلاف ہے یوسف بن تاشفین ہے، یوسف بن تاشفین کا انتقال ۴۹۳ھ میں ہوا، اور یہ سال غزالی کے بحران ریاضت و خلوت کا سال ہے، نہ کہ اختتام سفر کا سال، پھر یوسف بن تاشفین خبر مرگ سن کر، وہ خراسان کس طرح اس سال پہنچ سکتے تھے؟[۵]

راقم سطور کے خیال میں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ شام و بیت المقدس سے غزالی خشکی یا بحری راستے سے مصر، اسکندریہ کے سفر پر روانہ ہوئے ہوں، ہوسکتا ہے کہ اپنے جذبۂ تجسّس کے اکسانے سے وہ اس پر آمادہ ہوگئے ہوں کہ خلفائے فاطمی کے اسرار انگیز دعاۃ احمد عطاش اور حسن بن صباح اور اس طریقے کے دوسرے دعاۃ نے ان کے زمانے میں جو انقلابات عظیم برپا کئے تھے انھیں میں سے کسی کو بچشم خود دیکھنے کے لئے مصر پہنچ جائیں،

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر اعادہ کرتے ہیں کہ غزالی کا زمانہ اسماعیلیہ اور فاطمیہ کے عروج و اقتدار کے بحران کا زمانہ تھا، اور اس فرقے سے اور دیگر فرقوں سے وہ اپنے عہد مناظرہ پسندی میں بارہا زبان و قلم سے رسم و رزم و پیکار تازہ کرچکے تھے،

باقی رہا یہ قول کہ اسکندریہ سے وہ بادشاہ مراکش کے تجسب اور شرف تقرّب کے شوق سے مجبور ہو کر آمادۂ سفر ہوگئے تھے۔ نہایت کمزور اور بے بنیاد روایت ہے، ہے!

راقم سطور کے نزدیک خود غزالی کے ایک فارسی مکتوب سے ـــ جو آگے درج ہوگا ـــ اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے دہ سالہ سفر سے واپس آئے تو دوبارہ بغداد پہونچے، اور چند روز تک وہاں خلوت گیر اور گوشہ نشین رہے اور یہ بات مستبعد نہیں کہ اس مدت میں ارباب حال کا ایک گروہ ان کی خدمت حاضر ہوتا رہا، اور ان کے وعظ و نصیحت، اور تدریس احیاء العلوم سے فیض یاب ہوتا رہا!،

اور یہ قول کہ بغداد سے مہاجرت کے بعد پہلے وہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، پھر شام گئے، یا یہ کہ براہ راست بغداد سے شام گئے، اس کی تائید ان کی عبارت مندرجۂ المنقذ سے بھی ہوتی ہے،

اسی طرح اس کتاب میں ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"تقریباً دس سال تک میں عزلت و خلوت کی زندگی بسر کرتا رہا - پھر سلطان وقت کی طرف سے حکم ملا کہ تدریس و ہدایت طالبان علم کے لئے میں طوس سے نیشاپور آؤں،

"دلیسر اللہ تعالیٰ الی کہ الی نیشاپوری للقیام بهذا المهم فی ذی القعدہ سنۃ تسع و تسعین و اربع مائۃ وکان الخروج من بغداد فی ذی القعدۃ سنۃ ثمان

اور واہی ہے، کچھ اقوال خود غزالی کے اقوال رد غزالی کے احوال یا دوسرے معتبر ماخذ کی بنا پر قابل تصدیق یا تطبیق ہیں،

مثلاً ان کی مدت ریاضت وغزلت کے بارے میں دس اور بارہ سال کی روایتیں رقم مسطور کی نظر میں باہم مختلف نہیں ہیں ان کی مدت مسافرت دس سال میں محیط ہے مراجعت کے بعد طوس میں ایک سال انہوں نے خلوت و ریاضت میں بسر کیا اور ایک سال بعد، مدرسۂ نظامیہ نیشاپور میں داخل ہو گئے ۔

پس اگر بہ اصطلاح فلکیات ناقص سالوں کا حساب از مہاجرت بغداد تا ورود نظامیہ نیشاپور کیا جائے تو خلوت و ریاضت کی مدت بارہ سال ہوتی ہے اگر پورے سال حساب میں لائے جائیں تو پھر یہ مدت گیارہ سال رہ جاتی ہے اور اگر صرف ایام مسافرت، ماخذ قرار دیں تو دس سال رہ جاتے ہیں، چنانچہ غزالی نے خود المنقذ میں دس سال، اور گیارہ سال اور اپنے بعض فارسی مکاتیب میں بارہ سال لکھے ہیں۔

باقی رہی یہ روایت کہ سلطان مراکش یوسف بن تاشفین کی عدالت اور دانش پروری کا قصہ سن کر انہوں نے مغرب اقصیٰ کے لئے رخت سفر باندھ لیا تھا، تو یہ روایت کتاب "شذور العقود فی تاریخ العہود" سے نقل کی گئی ہے، [۲] اس کتاب کے مؤلف ابو الفرج بن جوزی حنبلی (متوفی ۵۹۷ھ) ہیں اور غزالی کے مانے ہوئے دشمنوں میں سے ہیں، انہوں نے ایک کتاب، احیاء العلوم کے انتقاد میں "اعلام الاحیاء فی اغلاط الاحیاء" کے نام سے تالیف کی تھی [۳] ابن کثیر [۴] اور بعض دوسرے لوگوں نے ابن جوزی کی پیروی میں یہ روایت نقل کر لی ہے، [۵] لیکن بقول یافعی کے یہ روایت غزالی کی ہمت بلند اور طبع عالی کے خلاف ہے، جو شخص درک حقائق معنوی کے لئے تمام مناصب ظاہری ترک کر چکا ہو اگر اس کا مقصود تقرب سلاطین ہوتا کہ وہ اس کی قدر و منزلت کریں، اور اس کے لئے نعمت و آسائش کی زندگی کے لوازم مہیا کریں، تو اسے خود ہی بالاترین مناصب حاصل تھے، ان سب کو ٹھکرا کر قلندرانہ بغداد سے کیوں نکل کھڑا ہوتا؟ پھر ایک بات اور بھی قابل غور ہے ابن عساکر اور عبد الغافر جیسے بلند پایہ مورخ جو غزالی کے ہم عصر بھی ہیں اس روایت کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ اور خود سبکی کا یہ حال ہے کہ اس روایت کو "قیل" (کہا جاتا ہے) کے الفاظ سے شروع کرتے ہیں، جو بجائے خود ضعف روایت کی دلیل

ایک بات اور بھی،!

یوسف بن تاشفین صحیح ترین اور مشہور ترین اقوال کے مطابق ۵۰۰ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوا اور غزالی ۴۹۸ھ میں دس سال کی مسافرت سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس آئے ۔

راقم سطور کے خیال میں اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ایک نکتہ اور استدراک یا تنبیہ کے طور پر گوش گزار کر دینے کے قابل ہے،

غزالی نے المنقذ میں بغداد سے مہاجرت اور طوس میں مراجعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"دمت علی ذالک مقدار عشر سنین"

یعنی دس سال تک میں اسی حالت میں رہا،

اس بصراحت یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ ایام مسافرت دس سال کو حاوی ہے، اس سے صرف یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ عہد ریاضت وخلوت دس سال تک جاری رہا،

اس سے یہ متفاد ہوتا ہے کہ دس سال کی اس مدت کا ایک حصہ اقامت شام میں بسر ہوا اور باقی حصہ، بیت المقدس میں ریاضت وخلوت اور سفر حجاز وریاضت مشاہد متبرکہ میں، دس سال کی اس ساری مدت کا خلوت وریاضت میں بسر ہو جانا تردید طلب نہیں ہے، لیکن اس احتمال کی گنجائش موجود ہے کہ یہ ساری مدت سفر ہی میں نہیں گزری بلکہ یوں ہوا کہ پانچ چھ سال سفر میں گزرے اور باقی عرصہ طوس کی خلوت گاہ میں،

بنا بریں غزالی کی مدت مسافرت ۴۸۸ھ — ۴۹۸ھ اور مراجعت ۴۹۸ھ نہیں قرار دی جا سکتی، بلکہ بات یوں بنتی ہے کہ غزالی ۴۸۸ھ میں بغداد سے شام روانہ ہوئے، وہاں دو سال رہے شام سے بیت المقدس گئے، وہاں کچھ عرصہ تک ریاضت میں مشغول رہے، قدس حجاز پہونچے اور چند سال کے بعد طوس واپس آئے، اور یہاں بھی کئی سال تک خلوت گزیں رہے، اور ۴۹۹ھ میں مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی کرسی تدریس پر متمکن ہو گئے،

لیکن جو بات اس احتمال کو ضعیف اور سفر دہ سالہ کو قوی قرار دیتی ہے، یہ ہے کہ اس کی تائید میں خود غزالی کے عربی فارسی نوشتوں کے اندر بعض قرائن ملتے ہیں، دوسرے وہ تصریحات ہیں جو بلند پایہ مورخین اور غزالی کے ہم عصروں از قبیل امام عبد الغافر فارسی صاحب تاریخ نیشاپور وغیرہ کے ہاں ملتی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"اقام فی تلک البلاد قریباً من عشر سنین ویزور المشاهد المعظمة ثم عاد الی وطنه ببیته مشتغلاً بالتفکر حتی انتهت نوبة الوزارة الی الاجل فخر الملک وقد سمع بمکان الغزالی فاستدعی منه ان لا یبقی انفاسه وفوائده عقیمة وألح علیه کل الالحاح الی ان اجاب الی الخروج وحمل الی نیشاپور" (ج ۴، طبقات ص ۱۰۸ باختصار)

وثمانين و اسر بعساة وبلغت مدة العزلة احدى عشرة سنة —۱

• یعنی :-

میں نیشاپور ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں آیا ، بغداد سے میں نے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں کوچ کیا تھا ، اس طرح مدت خلوت گیارہ سال ہوتی ہے

پس بغداد سے غزالی کی مہاجرت ذی قعدہ کے مہینہ میں ہوئی ، اور اس کا امکان تھا کہ وقت پر مکہ پہنچ کر مناسک حج ادا کر لیتے ، لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تو سفر حج کا بہانہ کیا تھا ، دل میں شام کے سفر کا قصد تھا اور اس ڈر سے کہ مبادا خلیفہ بغداد اور میرے دوست احباب میرے مقصد نہاں سے واقف ہو جائیں ، میں نے اپنی اصل غرض پوشیدہ رکھی ،

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ ایسی سرزمین میں جو خلفائے فاطمی کے زیر تسلط تھی ، جانے کے ارادہ کا اظہار کرتے ، تو شاید ان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی اور سفر حج کا بہانہ صرف اس طرح درست ہو سکتا تھا کہ سفر حج کا وقت باقی ہو ، ـــــ ، اور ضمناً ، یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بغداد سے غزالی کا کوچ ماہ ذی الحجہ میں نہیں ہوا تھا کیونکہ پانچ سات روز کی قلیل مدت میں مکہ مکرمہ تک پہنچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا ،

بہرحال خود اپنے قول کے مطابق غزالی کے سفر حج نہ کرنے ، اور براہ راست شام اقدس کے سفر پر روانہ ہو جانے سے ان کے احوال کا ایک عجیب نکتہ ظاہر ہوتا ہے شاید تزلزل خاطر ، اور اضطراب اندیشہ کے باعث سفر حجاز ان کے روگ کا علاج نہیں تھا ، لہٰذا وہ اس چیز کے پیچھے چلے جو مکہ اور مدینہ میں جس کا سراغ نہیں لگ سکتا تھا ، انہوں نے المنقذ میں اپنی جس کشمکش فکر و خیال کا اظہار کیا ہے وہ حالت سوا اس کے کچھ نہ تھی ، !

شوق دیار الیلیم جانب نجد می کشد
دل بہ گماں کہ می دہم سازرہ حجاز را

یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ برکت شام و ریاضت بیت المقدس کو ـــــ کہ اس زمانے میں یہ مقامات مرکز زہاد و عباد ت پیش گاہ تھے ـــــ غزالی نے بالاتر از حجاز و سفر حج خیال کیا ، بہرحال یہ نکتہ قابل فکر و تامل ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ غزالی پہلے حج کو گئے ، پھر شام کا سفر کیا ، گویا ان کے قول کا مآخذ خود غزالی کا وہ قول ہے جو انہوں نے بغداد سے روانہ ہوتے وقت مشہور کر دیا ،

سفرنامہ ابن بطوطہ و نزہت القلوب حمداللہ۔ و نقشہ ہائے جغرافیائی تازہ،

حجاز سے عراق تک، اور اسی طرح عراق سے شام تک مختلف راستے ہیں ان میں بعض ایسے ہیں جن سے صرف اہل بادیہ واقف ہیں،

یعنی :-

"غزالی ان مقامات میں تقریباً دس سال تک مقیم رہے اس عرصہ میں گشت اور مزارات مقدسہ کی زیارت کرتے رہے، پھر اپنے وطن واپس آئے، اور خانہ نشین ہوکر بیٹھ رہے اور تفکر میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ ان کا چرچا فخر الملک تک پہونچا، انہوں نے غزالی کے رتبہ کا ذکر سنا تو ان سے استدعا کی کہ اپنے انفاس و نوادر کو بے مصرف نہ رکھیں اور منت سماجت کے ساتھ اصرار کیا، آخر وہ پھر باہر نکلنے پر آمادہ ہو گئے اور نیشاپور پہنچ گئے"!

تعلیقات

۱ طبقات الشافعیہ ج ۴

۲ الوافی بالوفیات صفدی،

مقدمہ شرح احیاء العلوم موسوم بہ اتحاف السادۃ المتقین لشرح اسرار احیاء العلوم الدین تالیف سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ

۳ ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر، سال ولادت ۷۰۰ھ سال وفات ۷۷۴ھ مؤلف کتاب "البدایہ والنہایہ" جو دس جلدوں پر مشتمل تاریخ کی ایک مشہور کتاب،

۴ یافعی در وقائع سال ۴۸۸ھ و سال ۵۰۵ھ

۵ ملاحظہ ہوں :

کامل ابن اثیر

مرآۃ الجنان (از یافعی)

ابن خلکان،

شذرات الذہب،

۶ بغداد سے شام یا مکہ کا سفر ۳۰ دن میں بالکل ممکن تھا، اور اگر مخصوص راستہ اختیار کیا جاتا تو قطع مسافت کی مدت اور مختصر ہو سکتی تھی، تفصیل مطلوب ہو تو سفرنامہ ناصر خسرو، و مسالک و ممالک ابن خردادبہ

۳۸

نیا دور تدریس

مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں

سلطان سنجر کی درخواست اور اس کے وزیر فخر الملک بن خواجہ نظام الملک (متوفی ۵۰۰ھ) کے اصرار سے مجبور ہو کر ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں طوس سے نیشاپور پہونچے، اور مدرسہ نظامیہ میں کرسی تدریس پر متمکن ہو گئے[۱] اور تقریباً ایک سال تک تعلیم و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس کے بعد پھر طوس واپس چلے گئے، کتاب "المنقذ من الضلال" جو ان کی معرکہ آرا کتابوں میں ہے، نیشاپور میں تالیف کی، جب یہ کتاب لکھی اس وقت ان کی عمر پچاس سال سے کچھ زائد ہو چکی تھی،

غزالی نے المنقذ اور اپنے فارسی مکاتیب میں لکھا ہے کہ بادشاہ اور وزیر کے اصرار کے علاوہ اس چیز نے بھی مجھے اس منصب کے قبول کرنے پر آمادہ کیا مجھے عالم خواب اور حالت بیداری میں ہدایت ہوئی تھی کہ اہالیان نیشاپور کی ہدایت کے لئے سفر اختیار کر لوں،

غزالی کا طرز تدریس و تعلیم اب ان کے سابق عہد اقامت بغداد سے، نیز جملہ علماء و فقہاء سے اتنا ہی متفاوت تھا، جتنا آسمان زمین سے، اس سے پہلے وہ یکتائے عالم متکبر اور یگانہ متکلم جدلی تھے، اور اب وہ سر تا پا حال تھے، یکسر تواضع اور فروتنی، زبان عرفان سے اگر کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ غزالی کے بغداد سے سفر "من الخلق الحق (خلقت سے حق کی طرف) تھا، اور طوس سے ان کی نیشاپور میں تشریف آوری ایسا سفر تھا جسے "من الحق الی الخلق" (حق سے خلقت کی طرف کہہ سکتے ہیں)،

اب غزالی ایک عالم تھے، لیکن زاہد و صوفی بھی، اب ان کے ارادت مندوں کی تعداد فزوں سے فزوں تر ہوتی جا رہی تھی، جو بول ان کے منہ سے نکلتے تھے، وہ دل سے نکلتے تھے اور دل پر اثر انداز ہوتے تھے

حیات غزالی کے آٹھ سال

۴۹۸ھ سے ۵۰۵ تک

غزالی کا عہد مسافرت دجہاں گردی ۴۹۸ھ میں ختم ہوگیا، سفر حجاز، اور مناسک حج کے ادا کرنے کے بعد اس سال شوق وطن، اور دیدار فرزند کے جذبہ سے مجبور ہوکر وہ پھر ایران واپس آئے، اثنار راہ میں زیارت مشاہد متبرکہ سے فیض یاب ہوئے، اور بعض احتمالات کے مطابق جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہوچکا ہے، بغداد میں مختصر سی مدت کے لئے قیام کیا- اور اس عرصہ میں تدریس احیار العلوم میں مشغول رہے پھر طوس میں کہ ان کا وطن زاد بوم تھا واپس آئے اور مقیم ہوگئے

طوس میں ایک سال تک حکومت وعزلت کی، زندگی بسر کرتے رہے، گویا اب ان کی مدت خلوت و عزلت ۱۲ سال تک حاوی ہوگئی، ۴۹۹ھ میں ارباب اقتدار واختیار کی طرف سے انہیں مجبور کیا گیا اور وہ ذلیقعدہ ۴۹۹ھ میں طوس سے بغرض تدریس نیشاپور آگئے،!

اب عہد ہشت سالہ کے کوائف پر ہم ایک نظر ڈالیں گے،

۳۹

غزالی پر علمائے ظاہر کی یورش[1]

غزالی کے خلاف اصل مورچہ اس وقت سے قائم ہوا ، اور ان کے برخلاف علمار و فقہائے ظاہر اس وقت جنبش میں آئے کہ جب ارباب حکومت کی استدعا اور التجا پر وہ طوس سے نیشاپور تشریف لائے اور مدرسہ نظامیہ میں مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے ، بارہ سال کی مدت غزالی نے ریاضت و عزلت و انزوا میں بسر کی ، اس عرصہ میں ان کے مؤلفات و حکمات اقطار ممالک اسلامی میں خوب اچھی طرح شہرت پذیر ہوئے ، لیکن ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھی اور فقہا و اہل ظاہر نے ان سے کوئی مخالفانہ و معاندانہ سروکار نہیں رکھا ، لیکن جب وہ پردہ انزوا سے باہر آئے ، اور لوگوں کے سامنے فاش و برملا اپنے خیالات و کلمات کا اظہار کیا ، تو یکایک بغض وحسد کا خون جوش میں آیا ، مار خفتہ بیدار ہوا ، اور مخالفین اس مرد بزرگ کے مارنے اور ایذا کے درپے ہوگئے اور دسیسہ کاریوں کا سہارا لے کر سرگرم مخالفت ہو گئے ،

غزالی نے جن اخبار و احادیث کو اپنے مؤلفات و کلمات میں روایت کیا تھا ، انہیں بے بنیاد قرار دیا ، کہ وہ ماہر فن روایت نہ تھے ، ان کی طرف کفر و بد دینی کی نسبت کی ، اور ان کی کتابوں کا پڑھنا حرام قرار دیدیا ، اور الزام لگایا کہ فلاسفہ ملحد کے اقوال و کلمات و خیالات انہوں نے شرع اسلام میں آمیز کر دیے ہیں وہ " نور و ظلمت " کی بات کرتے ہیں اور خدا کو نور محض قرار دیتے ہیں جو گبر و مجوس کا عقیدہ ہے ۔ احیاء العلوم اور بعض دیگر مؤلفات کے کچھ حصوں کا جو ذہن عوام سے بالا تھے پروپیگنڈا شروع کر دیا ، اور محافل و مجالس میں ان کے خلاف بدگوئی کا سلسلہ شروع کر دیا ، اور طعن و تشنیع اور دشنام بازی کا مظاہرہ کرنے لگے ، اور کوتاہ نظر لوگوں کے خیالات پراگندہ کرنے لگے ، کوئی شبہہ نہیں سخنان غزالی فہم عامہ سے بالاتر تھے ، یہ وہ حقائق تھے جن کا انہیں ادراک حاصل تھا ، لیکن پست خیال اور کوتاہ ذہن لوگ نہ انہیں سمجھ سکتے تھے ، ان کے عقائد آرا کا کچھ حصہ ایسا تھا جو ظاہر شریعت کے لحاظ سے فہم عام سے سازگار نہیں تھا ، یہی وجہ تھی کہ ظاہر بین لوگ ان کے خلاف ہو گئے ۔

خواص اور عوام کے قلوب پر ان کا عجیب اثر پڑتا تھا، عقیدت مندوں اور پیروؤں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ وقت کے فقہا اور رؤسا مذہب کے حسود بن گئے،!

تعلیقات

لہ کتاب المنقذ میں فخر الملک کا نام نہیں ہے، بلکہ فرمایا ہے کہ سلطان وقت کے لئے دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن فارسی مکاتیب میں فخر الملک کا نام تصریح کے ساتھ موجود ہے اور تمام مورخین متفق ہیں کہ یہ کام فخر الملک بن نظام الملک کے اصرار بے حد کے باعث انہیں انجام دینا پڑا،

جس سلجوقی بادشاہ نے ان سے یہ درخواست کی تھی وہ سلطان سنجر تھا نہ کہ محمد بن ملک شاہ، کسی نے اس باب میں کچھ نہیں لکھا ہے لیکن راقم سطور نے جس بنیاد پر یہ رائے قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ سنجر ۴۹۰ھ سے فرمانروائے خراسان تھا، نیشاپور اسی کے قلمرو میں تھا، اور فخر الملک عماد کاتب کی تحریر کے مطابق اس سال سنجر کا وزیر بنا اور ۵۰۰ھ تک اس منصب پر فائز رہا، غزالی تقریباً دس سال تک حکومت سنجر کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے رہے، لہٰذا یہ بادشاہ سلطان سنجر ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ محمد بن ملک شاہ"!

مقدمہ اور رسائل سے جو شرح احیاء العلوم کی حیثیت سے مطبوع ہوئے ہیں،

۲ صاحب مجالس المومنین لکھتے ہیں کہ چونکہ غزالی ابوحنیفہ کے خلاف سخت تعصب رکھتے تھے، مفتیان حنفی نے ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا، لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا،

غزالی کا یہ آخری عہد تدریس بہت مختصر تھا، لیکن ان کے فیوض علمی اور روحانی اس دور میں اور زیادہ ممتاز اور نمایاں رہے۔ (رئیس احمد جعفری)

کبھی ایسا بھی کیا گیا کہ غزالی کی عبارتوں میں تحریف کی گئی، اور اس طرح ان کے خلاف قلوب عوام آلودہ کرکے گر
پادشاہان سلجوقی کے دربار میں ایک گروہ فریاد کناں پہونچا کہ یہ شخص بے دین ہے اور عوام کو گمراہ کرتا ہے اسی گروہ
نے بادشاہوں اور امیروں، وزیروں سے مطالبہ کیا کہ غزالی کو مجلس مناظرہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا جائے مقصد
یہ تھا کہ اس طرح ان کے خلاف غوغا آرائی کی جاسکے،

غزالی طریقۂ شافعی کے منتسبین میں سے تھے، فقہائے حنفی اور دیگر فرق مذہبی جو خراسان اور دوسرے بلاد
اسلامی میں پھیلے ہوئے تھے، ان لوگوں نے اختلاف مسلک وطریقہ اور زیادہ تر بغض وحسد کے باعث ایسی معاندت
پر اتر آئے کہ ان کے حکم قتل کا مطالبہ کرنے لگے ٢ہ

فقہائے غزالی کو بدنام کرنے کے جو حیلے تراشے تھے ان میں ایک یہ تھا کہ اصول فقہا میں ان کی ایک تالیف
"المنخول" کو اس بات کا ثبوت دیا کہ اس میں ابوحنیفہ پر طعن کیا ہے،

غزالی نے اس کتاب کے آخری باب میں جو فقہی نقطۂ نظر سے مطاعن ومثالب مذہب ابوحنیفہ پر مشتمل ہے
اس میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ تمام تر ان کے اجتہاد شخصی کا نتیجہ ہے لیکن دشمنوں نے مطالب اجتہادی کو حقائق
اعتقادی سے آمیز کر دیا،

علمائے وقت کا ایک دستور یہ تھا کہ اپنی کتاب کی پشت پر شاگردوں کو اپنی روایت کا حق دیا
کرتے تھے، یہ دستخط بمنزلۂ تصویب وتقریب کتاب واجازت رسمی ہوا کرتے تھے، دشمن اور مخالف علمائے فقہ
نے اسے بھی حیلہ بنالیا۔ کیا یہ کہ کتاب مشکوٰۃ الانوار اور المنقذ من الضلال میں کلمات کفر آمیز داخل کر دئے اور
ان سے حذف کی درخواست کی، فراست والہام ربانی کے باعث غزالی نے مقصد تاڑ لیا اور موقع نہیں دیا،
ایک ترکیب دشمنوں اور مخالفوں نے یہ کی کہ ایک جماعت ان کے پاس پہونچی، اور ان سے مختلف قسم
کے سوالات کئے، اور استفتا کرتے ہوئے تحریر کا جواب طلب کیا، کہ اس بہانہ سے سہی ہنگامہ دار وگیر برپا
کردیں، اور انہیں متہم قرار دے کر باقاعدہ ایک مہم ان کے خلاف چلا کر اپنا دل ٹھنڈا کرلیں،

تعلیقات

لہ اس باب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ ماخوذ ہے غزالی کے نوشتوں اور طبقات الشافعیہ سبکی سے نیز

جاہل لوگوں کی بیماری دل کی بیماری ہے، "فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ"، اور عالم طبیب کی مثل ہیں، اور عالم ناقص منصب طبابت کا اہل نہیں ہے اور عالم کامل صرف اس مریض کا علاج کرتا ہے، جس کے تندرست ہونے کی امید ہو، اگر مریض کی بیماری مزمن ہو اور بیمار بے عقل بھی ہو تو طبیب کے فن کا تقاضا یہ ہے کہ صاف کہہ دے یہ روگی علاج پذیر نہیں ہے کہ ایسے بیمار کا علاج کرنا صرف وقت کا ضائع کرنا ہے،

اور بیماران جہل کی چار قسمیں ہیں،
ایک قسم تو علاج پذیر ہے،
باقی تین قسمیں علاج پذیر نہیں ہیں،

وہ شخص جو از راہ حسد اعتراض کرتا ہے، بیمار ہے اور یہ بیماری مزمن ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں، کیونکہ حاسد، معترض کے جواب میں بات کتنی ہی نیکوتر اور روشن تر کی جائے اسے اور زیادہ مبتلائے خشم کر دے گی، اور آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھے گی، لہٰذا ایسے شخص کا جواب دینے کی کوشش ہی نہ کرنی چاہیے،

کل العداوۃ قد ترجی اماتتہا الا عداوۃ من عاداک من حسد،

یعنی :

ہر عداوت اور دشمنی کے بارے میں امید کی جا سکتی ہے وہ ختم ہو جائے گی،
لیکن اس شخص کی عداوت جو حسد کے باعث ہو ختم نہیں ہو سکتی،

پس ایسے شخص کا علاج یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے یکسر اعراض کیا جائے - فاعرض عمن تولی عن ذکرنا جو ہمارے ذکر سے پیٹھ پھیرے تم اس سے اعراض کرو، اور اس کا حال یہ ہے کہ اس کے منہ سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ خود اس کے خرمن میں آگ لگاتے ہیں،

اعتراضات کے جواب نامے کے بارہ صفحات لکھنے کے بعد خاتمۂ نامہ پر غزالی رقمطراز ہیں،:

میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی ہے جس کا برہان قاطع سے اثبات نہ کیا ہو بشرطیکہ سائل فہیم ہو اور بیماری حسد و عناد سے خالی ہو، البتہ وہ شخص میرا مخاطب نہیں ہے جس

غزالی سے ایک استفتا اور اس کا جواب

مذکورہ واقعات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں ایک موقعہ پر احیاء العلوم کے بعض مقامات اور بعض دیگر مؤلفات کے بارے میں غزالی سے پوچھا گیا، :

"حجۃ الاسلام (غزالی) معترض کے اس اعتراض کا ایک جواب دیتے ہیں کہ کتاب مشکوٰۃ اور کیمیائے سعادت میں اس طرح کے جو کلمات جو درج ہیں ان کا مطلب کیا ہے، مثلاً

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

توحید عوام ہے، اور

لَآ اِلٰہَ اِلَّا

توحید خواص ہے،

"نورِ حقیقی خدا ہے،!"

اور یہ بات کہ

"روح آدمی اس دنیا میں غریب الوطن ہے، ورنہ اس کی دنیا تو عالم علوی ہے، اور اس کے لئے مرکزِ جذب و کشش وہی دنیا ہے۔

الخ ۱

غزالی نے ان سوالات کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا ایک حصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،:

"جاننا چاہیئے کہ اس کے بارے میں سوال کرنا، ایسا ہی ہے جیسے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور روگ کا حال بیان کرنا، اور ایسے سوالات کا جواب دینا ایسا ہی ہے جیسے طبیب کا بیمار کو چنگا کرنے کی سعی و تدبیر کرنا ہے،

"غزالی نے ایسے خطب وکتب تالیف کئے ہیں کہ ادبا و بلغا ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا کرتے تھے، کبھی اثنائے کلام عربی میں کوئی نحوی غلطی سرزد ہو جاتی تھی، اور مخالفین اس جہت سے ان پر حرف گیری کرتے تھے۔ اور جب ان سے الجھتے تھے تو خود صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے:

مجھے اس فن میں چنداں مہارت نہیں، برائے تفہیم معانی بقدر حاجت اس فن سے سروکار رکھتا ہوں،!"

غزالی کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی خطائے لفظی کی طرف انہیں متوجہ کرتا تو وہ اصلاح کیلئے کہ مقصود معانی وحقائق تھا نہ کہ تلقین الفاظ،!"

———

امام عبدالغافر ہی کا یہ بیان بھی ہے کہ دشمنانِ غزالی کے دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر بھی برہم تھے کہ انہوں نے فارسی میں کیمیائے سعادت لکھی، جس میں بعض قرآنی سورتوں، اور دینی امور و مراسم و آداب ظاہر شرع کے برخلاف کوئی معقول بات نہیں لکھی،

———

بہرحال فقہا کی غزالی کے خلاف یہ غوغا آرائیاں ——— کچھ کارگر اور موثر نہیں ثابت ہوئیں بلکہ وہ اور زیادہ خواص اور اولیائے امور کے لئے باعث توجہ بنتے گئے، کیونکہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ مخالفین کی باتیں تمام تر بوالہوسی اور خود غرضی کے ماتحت تھیں، اور غزالی کی رفتار و گفتار تمام تر حقیقت، اور خدا جوئی پر مبنی تھی،

بادِ مخالف کے مقابلہ میں غزالی ایک پہاڑ کی طرح استوار رہے، اور کسی طرح بھی انہوں نے تردید و وقت ضائع نہیں کیا، وہ اپنے کام میں لگے رہے،!

———

تعلیقات

[1] یہ سوال وجواب رسالہ فضائل الانام میں شائع ہو چکے ہیں،

کے بارے میں قرآن کہتا ہے ، :

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ـــــ :

یعنی :

ہم نے ان کے قلوب پر   یہ نہیں سمجھ سکتے ، ان کے کانوں میں ٹھونٹھ ہے اگرچہ تم انہیں ہدایت کی طرف دعوت دو ۔ لیکن یہ قیامت تک ہدایت یاب نہیں ہو سکتے ، جاننا چاہیئے ، کہ کسی کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی شرح بھی اس میں موجود نہ ہو بشرطیکہ پڑھنے والا صاحب فہم ہو لیکن جو عقل سے کام لینے کا عادی نہ ہو ، اس کے لئے سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ آئے ، سیکھے ، اور بہ گوش و ہوش سنے ، اور جاہل کا اعتراض نہیں ہوتا ، یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کا اصل مورد کیا ہے ، لہٰذا اس کا جواب دینا بھی ممکن نہیں جہل اور بیماری دل کے اسباب مختلف ہیں وہ حصر میں نہیں آسکتے ، لہٰذا ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونا چاہیئے ،

وَمَن يَكُ ذَا فَمٍ مُرٍّ مَرِيضٍ يَجِدْ مُرًّا بِهِ الْمَاءَ الزُّلَالَا ،

یعنی :-

جو تلخی ذہن کا مریض ہو ،

اس کے لئے آب صافی بھی کڑوا ہے ، ــ ا"

مخالفان غزالی کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے مشائخ روایت کی زیارت نہیں کی تھی اور اسماع حدیث نہیں کیا تھا

لیکن یہ بات غلط ہے ، غزالی کے مشائخ روایت ابو الفتح حاکمی طوسی وغیرہ تھے ، جن کے سنن ابی داؤد سنجانی کی انہوں نے سماعت کی تھی اس طرح صحیح بخاری اور مسلم کی سماعت انہوں نے عمرو بن ابوالحسن رداسی حافظ طوسی سے کی تھی [۳] امام عبدالغافر فارسی جو غزالی کے معاصر اور معاشر ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں ، [۴] :

سرگزشت غزالی بہ قلم صاحب فضائل الانام

غزالی کے فارسی مکاتیب و منشآت کے جامع، صاحب فضائل الانام نے اپنی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے، :

حجۃ الاسلام غزالی نے ابتدائے عہد اور مبدا کار میں بہ مقام نیشاپور تحصیل علم کی، اور بہ صورت تعلیق جو اصول مختصر مرتب کیا اس کا نام "المنخول من تعلیق الاصول" [1] رکھا، آخر کتاب میں مثالب و معائب مذہب ابو حنیفہ پر کتاب طہارت نماز، غصب، اور سرقہ وغیرہ کے ضمن میں جو شنیع پہلو ہو سکتے تھے وہ بیان کیے ہیں، اصحاب رائے کی ایک جماعت نے جب یہ چیزیں دیکھیں تو حسد اور تعصب سے بے حال ہو گئے اور حرکت میں آ گئے، اصحاب شافعی و مالک میں سے بھی کچھ لوگ ان کے یار و مددگار ہو گئے اور غزالی کو ہدف طعن و تشنیع بنا لیا۔ بادشاہ اسلام کے حضور میں پہنچے اور فریاد و فغاں کرنے لگے کہ غزالی، ابو حنیفہ پر طعن و قدح کرتے ہیں، انہیں اسلام سے کوئی سروکار نہیں، ان کا عقیدہ وہی ہے جو فلاسفہ اور ملاحدہ کا ہے، اپنی تمام کتابوں کو انہوں نے فلسفہ سے ملوث کر رکھا ہے، اور کفر و باطل کو شرع کے اسرار سے آمیز کر دیا ہے وہ خدا کو نور حقیقی قرار دیتے ہیں اور یہ مجوس کا عقیدہ ہے کہ اسے نور و ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں، پھر انہوں نے کتاب مشکوٰۃ الانوار کے چند کلمات میں تغیر و تبدل کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ حجۃ الاسلام مالک اور قاضی ابوبکر پر طعن کرتے ہیں یہ باتیں سن کر سلطان اسلام کا رنگ بدل گیا، اور وہ غزالی کو ایذا پہنچانے پر آمادہ ہو گیا، چنانچہ اس نے ایک پیادہ غزالی کے پاس بھیجا اور اپنے حضور میں طلب کیا۔ حجۃ الاسلام نے حاضری سے انکار کیا، اور معذرت میں ایک نامہ بھیج دیا [2]

اس وقت غزالی مشہد مقدس میں تھے اور سلطان لشکر گاہ میں ان دونوں مقامات کے مابین مسافت کچھ زیادہ نہ تھی سلطان نے غزالی کا نامہ پڑھا اور حقیقت احوال سے آشنا ہوا تو گویا ہوا کہ ضروری ہے کہ

۲؎ کتاب "فیصل التفرقہ بین الاسلام " میں جو غزالی ہی کی تصنیف ہے، "اماتتھا" کے بجائے "سلامتھا" بعض دوسرے روایات میں "اماتتھا" کے بجائے "ازالتھا" ہے،

۳؎ طبقات الشافعیہ نے مورخوں اور سوانح نویسوں کے بہت سے اقوال اس سلسلہ میں نقل کئے ہیں،

۴؎ طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۱۱۰

رہا تدریس کی ذمہ داریاں آپ سے واپس لے لینا تو یہ ممکن نہیں کہ فخرالملک بن نظام الملک تھا جو آپ کو نیشاپور میں لایا تھا، میں نے آپ کے ہی لئے یہ سب کچھ کیا ہے، میرا حکم ہے کہ جملہ علما ہر سال ایک بار آپ کے سامنے پیش ہوا کریں اگر کسی کو آپ سے اختلاف ہو تو آپ کے سامنے آئے، اور بحث کرتے، اور اپنی مشکل پیش کرے، اور آپ اسے حل کر دیں،

چونکہ سلطان اسلام نے غزالی سے استدعا کی تھی کہ فصل کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر دے دیں، حجۃ الاسلام لشکرگاہ سے شہر میں آئے، جملہ اہل طوس نے پرتپاک استقبال کیا اس روز ایک جشن عظیم کی سی کیفیت نظر آنے لگی، حجۃ الاسلام نے اس فصل کو اپنے دست مبارک سے لکھا اور بادشاہ کے پاس بھیج دیا،

اس موقع پر انہوں نے کتاب "نصیحت الملوک" تصنیف کی، اور بادشاہ کی خدمت میں بھیجی - یہ نہایت بلیغ کتاب اور انواع لغیت اور عدل و انصاف کی ترغیب و تحریض پر مشتمل ہے -

---

تعلیقات

[1] غزالی کا یہ خط گذشتہ صفحات میں درج کیا جاچکا ہے،

اس جگہ صاحب فضائل الانام نے غزالی کا نامہ مفصل درج کیا ہے جس میں شاہ اسلام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا کہ سلاطین گذشتہ مانند الپ ارسلان، طغرل، اور ملک شاہ گوشہ قبر سے تجھے نصیحت کر رہے ہیں نامہ کے آخر میں متعاندان اور حاسدوں کو حسد کا پردہ فاش کیا تھا اور استدعا کی تھی کہ تدریس نظامیہ نیشاپور سے انہیں صاف رکھا جائے،

غزالی سے ہم ملیں، اور اگر ان کے عقیدے میں کوئی کجی نہ دیکھیں تو حاسدوں اور متعصبوں کو قرار واقعی سزا دیں، اس موقع پر متعصبوں کی ایک جماعت لشکر گاہ میں جمع ہوئی، اور اس نے عرض کیا، غزالی کو یہاں بلایا جائے تاکہ ہم ان سے مناظرہ کریں، اور جب تک ایسا نہ ہولے انہیں سلطان کے حضور میں حاضر نہ ہونے دیا جائے کہ وہ اپنی شیریں بیانی سے اسے پرچالیں گے۔

اس بات کے جواب میں اہل طوس کی ایک جماعت لشکر گاہ میں آئی، اور اس نے کہا، ہم حجۃ الاسلام غزالی کے شاگرد ہیں، اگر کسی کو کچھ شبہ ہے، یا کسی اشکال میں گرفتار ہے تو ہم سے رجوع کرے ہم شبہ رفع کردیں گے، اور اشکال دور کردیں گے، البتہ اگر جواب دینے میں ہم عاجز آجائیں تو ہم ان سے رجوع کریں گے اور ان سے شرح و تقریر کی التجا کریں گے، تاکہ اشکال رفع ہوجائے، لیکن تم میں یہ اہلیت نہیں، نہ تمہارا یہ منصب ہے کہ ان سے مناظرہ کرو، کیونکہ تم ان کے شاگردوں سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے،

یہ کلام سن کر یہ لوگ مبہوت ہوگئے اور دوسری بار سلطان سے عرض کیا کہ غزالی ایک مرد پیچ کار ہے اور اس کی پیچ کاری اس وقت ظاہر ہوجائیگی، جب وہ ہم سے مناظرہ کرے گا،

سلطان اسلام نے معین الملک سے فرمایا،

"غزالی کو حکم دیا جائے کہ وہ تخت شاہی کے روبرو حاضر ہوں، تاکہ ہم ان کا کلام سنیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو مناظرہ کیا جائے تو ہم مناظرہ کا حکم دیں گے، اور با اعزاز تمام انہیں واپس کردیں گے،"

معین الملک نے ایک شخص کو غزالی کے پاس مشہد پیام دے کر بھیجا کہ اب حضور شاہ میں حاضر ہونا لازمی ہے،

یہ حکم پاکر غزالی لشکر گاہ میں حاضر ہوئے اور سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے: سلطان نے جب غزالی کو اپنے سامنے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے، انہیں سینہ سے لگالیا، اور تخت کے ایک گوشہ پر بٹھایا اس موقع پر غزالی نے اپنی کتاب کی ایک فصل بادشاہ کو سنائی ۳؎

جب وہ یہ فصل پڑھ چکے تو سلطان اسلام نے فرمایا ـــــ کہ جملہ علمائے عراق و خراسان حاضر ہوں تاکہ آپ کے ارشادات سنیں اور آپ کے اعتقادات صحیح سے واقف ہوں، میری آپ سے التجا ہے کہ اس فصل کو اپنے دست خاص سے لکھ کر عطا فرمایئے، تاکہ میں گاہ بہ گاہ اسے سنا کروں، اور اس کی نقلیں اطراف و اکناف بلکہ وہیں روانہ کردوں، اور لوگ جان لیں کہ علماء کے بارے میں میرا اعتقاد کیا ہے؟ باقی

محمود کو کہ ان کے خواص میں ہیں اور ناصح مملکت ہیں مشہد میں میرے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ میں سلطان اسلام کے حضور میں حاضر ہوں، اور اس کے لئے دعا کروں، !"

حجۃ الاسلام غزالی جب باعزاز تمام طوس واپس تشریف لائے، اور دشمن خجل ہوئے تو ایک جماعت طوس پہنچی، اور امام صاحب سے عرض گزار ہوئی، !

ہم آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں، اجازت ہو تو عرض کر دیں ۔؟"

حجۃ الاسلام نے فرمایا، "جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھو، !"

چنانچہ پوچھا گیا، "آپ کا مذہب کیا ہے؟"

حجۃ الاسلام نے جواب دیا، : جہاں معقولات کا تعلق ہے میرا مذہب برہان ہے، وہی بات مانتا ہوں جو دلیل عقلی سے ہم آہنگ ہو، لیکن جہاں تک شرعیات کا تعلق ہے میرا مذہب قرآن ہے، اور ائمہ میں سے کسی تقلید نہیں کرتا، نہ شافعی کی بندگی میں نے قبول کی ہے، نہ ابوحنیفہ کی ؎ یہ بات جب ان لوگوں نے سنی تو مجال سخن نہ پا کر رخصت ہو گئے اور چند الفاظ جو محل اعتراض تھے ان کی کتابوں میں شامل کر دیئے اور وہ ان کی خدمت میں (اعادہ کے لئے) بھیجیں، اس موقع پر حجۃ الاسلام نے یہ جواب بھیجا تھا، ؎

یہ فضائل الانام کے مؤلف کی عبارت تھی، لیکن میرا اس باب میں یہ عقیدہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے یہ مطالب درست اور مطابق واقعہ ہیں مثلاً :

- فخر الملک کی طرف سے یہ اصرار اور تائید کہ وہ مدرسۂ نظامیہ نیشاپور میں آکر درس دیں،
- داستان تکفیر غزالی،
- اپنی برأت میں سلطان کے نام مکتوب بھیجنا،
- ۱۲ سال تک عزلت گزینی اور گوشہ نشین رہنا، ــــــ وغیرہ وغیرہ

یہ ساری باتیں صحیح اور درست ہیں، لیکن جزئیات میں کچھ گڑبڑ ہے اور مطالب آگے پیچھے ہو گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ مقدمۂ "نصیحۃ الملوک" اور بعض دیگر کتب و رسائل غزالی نے کچھ اجزا، ان کے اس نامے میں مخلوط و ممزوج ہو گئے ہوں، اور مؤلف "فضائل الانام" نے جن کا نام اور تاریخ ہنوز نامعلوم

نوشتۂ غزالی دربارۂ نصیحت الملوک[۱]

—— " ۴۹۹ھ، ان سطروں کا لکھنے والا بارہ سال کی عزلت گزینی کے بعد مجبور کیا گیا کہ نیشاپور آئے اور افادہ علم و نشر شریعت میں مشغول ہو چنانچہ اس نے کار تدریس شروع کر دیا، طالبان علم جملہ اطراف و جوانب سے جنبش میں آئے، اور اس بات سے حساد و حسد کی آگ میں جلنے لگے جب انہیں کوئی بات نہ ملی تو انہوں نے کتاب " المنقذ من الضلال " اور " مشکوٰۃ الانوار " کے چند کلمات میں تغیر و تبدل کر کے کلمات کفر شامل کر دے، اور پھر ان کتابوں کو میرے پاس بھیجا کہ پشت کتب پر خط اجازت تحریر کر دوں،

ایزد سبحانہ تعالٰے نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ سوجھ عطا کی کہ دستخط کرنے سے پہلے میں نے مطالعہ کر لیا، چنانچہ ان کی تلبیس پر مجھے وقوف حاصل ہو گیا،

یہ بات خراسان کے کوتوال کو معلوم ہوئی، اس نے اس شخص کو قید کر لیا، آخر کار وہ شخص نیشاپور سے بھاگ کر لشکر گاہ میں پہونچا، اور شاہ اسلام کے سامنے زبان طعن دراز کی، اور اس تعلیق میں جو میں نے زمانہ نوعمری میں مرتب کی تھی، اور جس کا نام " المنخول من تعلیق الاصول " رکھا تھا، ایک گروہ نے از راہ حسد عرصہ ہوا، اس میں چند ایسے کلمے جو امام ابوحنیفہ کے لئے موجب طعن تھے زیادہ کر دئے، اسی کو وسیلہ گرفت قرار دے لیا، مگر اہل دین کے ایک گروہ نے اس دعاگو کا ذکر سلطان الاسلام کے سامنے کیا، مدح و ثنا کے ساتھ کیا، اور اتنا مبالغہ کیا کہ سلطان اسلام نے فرمایا، ہمیں آرزو ہے کہ اس شخص کو دیکھیں اور اس کی باتیں سنیں، اور اس کی دعا سے برکت حاصل کریں،

میں اس وقت مشہد رضا علیہ التحیۃ والثنائیں اشارہ پاکر آیا، سلطان اسلام نے اقتضی القضاۃ

خیال نہ ہوتا تو میں تجھ سے مناظرہ کرتا، اور وہ تحقیق تجھے دکھا دیتا،

(ص ۷۵، مطبوعہ لیڈن)

اسعد مہنہ کا تذکرہ ہم اس موقع پر کریں گے جہاں غزالی کے معاصرین کا ذکر آئے گا، !"

۵۳ اس جگہ غزالی کا نہایت مفصل مکتوب درج کیا گیا ہے، اور اس طرح کے سوالوں کے جواب میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ توحید عوام ہے، لَآ اِلٰہ اِلَّا توحید خواص ہے اس نامہ کا کچھ حصہ اس سے پہلے ہم درج کر چکے ہیں،

ان ممزوج اور مخلوط مطالب کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے سرگذشت غزالی کا سر وساماں بہم پہنچایا ہو جس کا بیشتر حصّہ درست اور صحیح ہے لیکن وقوع تضایا اس ترتیب سے جو صحیح ترین مآخذوں نیز خود غزالی کے نوشتوں اور تحریروں سے اور ان کے بیانات اور آرا سے اور معتبر مورخین کی تصریحات و توضیحات سے نہیں ہے،

اس سرگذشت میں جہاں جہاں "ملک اسلام" یا "سلطان اسلام" اور اس طرح کی عبارتیں آئی ہیں، اور ان میں بادشاہ کے نام کی تصریح نہیں ہے کہ آیا مراد سلطان سنجر سلجوقی یا محمد بن ملک شاہ یا کسی دوسرے بادشاہ سے ہے،!

تعلیقات

لہ میرا خیال ہے کہ یہ فصل کتاب "نصیحۃ الملوک" کا کوئی باب نہیں ہے، بلکہ اس کا مقدمہ ہے جسے مکاتیب غزالی میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

ٹہ اسعد مہنہ اور غزالی، تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں ہے کہ استاد اسعد مہنہ بڑے جیّد عالم تھے، انہوں نے سلطان ملک شاہ کے دربار میں حجۃ الاسلام امام غزالی سے مناظرہ کیا، علمائے خراسان استاد اسعد کے پشت پناہ اور حامی و مددگار تھے،

سلطان محمد ملک شاہ کے دربار میں حجۃ الاسلام سے جس شخص نے سب سے پہلے سوال کیا وہ بھی بزرگ تھے، انہوں نے سوال کیا،

"آپ مذہب ابوحنیفہ کے پیرو ہیں یا شافعی کے؟"

امام نے جواب دیا، "عقلیات میں میرا مذہب دلیل و برہان ہے، شرعیات میں میرا مذہب قرآن ہے نہ ابوحنیفہ کا پیرو ہوں نہ شافعی کا،!"

استاد اسعد نے کہا "یہ آپ کی غلطی ہے،!"

امام غزالی نے جواب دیا،

"اے شخص اگر تجھے علم یقین کا شہد بھی حاصل ہوتا ہرگز نہ کہتا کہ میں غلطی پر ہوں،! اگر تیری بزرگی اور پیری کا

ران حالات کی نمودداری نے انہیں پھر کنارہ گیری پر آمادہ کر دیا، پھر ایک سال تک نیشاپور میں رہے، ادر ۵۰۰ھ میں مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی تدریس سے علیحدگی اختیار کر لی، اور ہرچند ان کے ارادت مندون ر عمائد سلطنت نے اصرار کیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، انہوں نے عذر پیش کیا کہ میرے احوال ان حالات سے ازگار نہیں ہو سکتے، چنانچہ انہوں نے مخالفوں کی لگائی تہمتوں سے اپنی برآت اور شغل تدریس سے کنارہ کشی ور دیگر مشاغل رسمی سے علیحدگی کی سلطان سنجر سلجوقی سے استدعا کی، اس سلسلہ میں سلطان کو جو نامہ لکھا اس کا آخری حصہ اگلے صفحات میں درج کیا جاتا ہے، !

تعلیقات

[۱] تفصیل مطلوب ہو تو ملاحظہ ہو کتب ذیل،

تاریخ سلاجقہ (عماد کاتب) العراحۃ، وراحۃ الصدور، دتاریخ بہق،

نظامیۂ نیشاپور سے استعفا

۵۰۰ھ کے واقعات

فخر الملک مظفر بن خواجہ نظام الملک طوسی ایک مرد بزرگ۔ متش وبلند ہمّت تھے غزالی کے ارادت
تھے۔ سلطان سنجر نے خراسان میں آتے ہی انہیں منصب وزارت سونپ دیا، اپنے وزارت پر
نے غزالی کی نظامیہ نیشاپور میں تدریس پر مامور کردیا، عاشورا ۵۰۰ھ میں یہ کشتہ ہوئے، پھر ان کے
ان کے بیٹے صدر الدین محمد بن فخر الملک ―― ان کی وفات صبح چہار شنبہ ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں بمقام
بلخ ہوئی ―― منصب وزارت پر فائز ہوئے، [1]

فخر الملک نے کئی سال تک ٹھاٹھ سے وزارت کی، ان کی ہلاکت نے خراسان کے معاملات
پیچیدہ کردیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غوغا پسندوں اور ماجرا جو طبائع کے لوگوں کو بیش از بیش موافق
سامانیوں کے مل گئے،

اس موقع سے غزالی کے مخالفوں اور معاندوں نے بھی پورا فائدہ اٹھایا، اور وہ ان کے درپے
ہو گئے، اور ان کی تکفیر و تفسیق میں سرگرم ہو گئے اور ہنگامہ آرائی کرنے لگے،

یہ نیا وزیر بھی اپنے عہد کے حالات سے مجبور ہو گیا، اور ان لوگوں سے اور ان کے سربراہوں سے
سازگاری پیدا کرنے لگا، اور ان کی مخالفت میں کوئی قدم اس نے نہیں اٹھایا،

ایک مرتبہ پھر دشمنان غزالی نے ابو حنیفہ پر غزالی کے طعن کی داستان دہرائی، ......
――، اور اس طرح کی دوسری دستاویزوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں برانگیختہ کیا، اور
بادشاہ سلجوقی تک پہنچا دیا، غزالی نے ہر چند اس غوغا آرائی کی طرف کوئی اعتنا نہیں کیا، لیکن غزالی

آخری گذارش میری یہ ہے کہ مجھے تدریس مدرسۂ نظامیہ نیشاپور سے معاف رکھا جائے، تاکہ میں اپنے گوشۂ عزلت میں جاکر بیٹھ رہوں، کہ یہ زمانہ میری باتوں کا تحمل نہیں کر سکتا،!"

والسلام، !

غزالی کا یہ مکتوب اپنی معنویت، افادیت، اور اہمیت کے لحاظ سے یکتا اور یگانہ ہے اس سے ان کی افتادِ طبع، مقامِ روحانیت اور مرتبہ فکر و ذہن کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ خط صرف غزالی ہی کے خامۂ حقیقت رقم سے لکھا جا سکتا تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

۴۴

سلطان سنجر سلجوقی کی خدمت میں نامہ غزالی

— " اب میں اپنی حاجت پیش خدمت کرتا ہوں، میری حاجتیں دو ہیں، ایک عام۔ ایک خاص، حاجت عام ہے یہ کہ مردمان طوس پراگندہ، اور سوختہ ظلم بے اندازہ ہو رہے ہیں۔ امسال بے آبی نے غلّہ تباہ کر دیا ہے، درختوں کو خشک کر دیا، ان غریبوں پر رحم کر تاکہ خدا تجھ پر رحمت کرے، مسلمانوں کی گردن بار ابتلا اور شدت گرسنگی نے توڑ دی ہے،

میری دوسری خاص حاجت یہ ہے کہ بارہ سال میں نے زاویہ کیشی میں گزارے اور مخلوق سے دور رہا، پھر فخر الملک رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ نیشاپور میں تیری ضرورت ہے، میں نے عرض کیا یہ زمانہ میرے افکار و خیالات کا متحمّل نہیں ہو سکتا، کہ جو شخص اس زمانے میں سچ بات منہ سے نکالتا ہے، لوگ اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ فخر الملک نے لکھا یہ زمانہ بادشاہ عادل کا ہے، اور میں تیرا پشتیبان اور ناصر ہوں، لیکن اب یہ بات ہے کہ جو باتیں میرے کانوں میں پڑتی ہیں اگر خواب میں دیکھوں تو انہیں اضغاث احلام سمجھوں، جہاں تک علوم عقلی کا تعلق ہے اگر کسی کو میرے افکار پر اعتراض ہے تو مقام تعجب نہیں کہ باتیں دشوار اور مشکل ہوتی ہیں، اور فہم عام سے بالاتر ہوتی ہیں اور ایسی باتیں بہت ہیں، لیکن میرے بارے میں یہ باتیں جو حکایت کی جا رہی ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ پر طعن کیا ہے یہ سراسر غلط ہے۔ خدائے طالب، غالب، مدرک ، اور حی کی قسم کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ حقائق فقہا میں امام ابو حنیفہ غواص، ترین ذوامت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، جو شخص میرے بارے میں اس کے خلاف کی کوئی بات، یا لفظ روایت کرتا ہے وہ دروغ گو ہے میں چاہتا ہوں یہ بات صاف ہو جائے ،

۴۵

غزالی تدریس نظامیہ نیشاپور سے فراغت کے بعد

تدریس نظامیۂ نیشاپور سے سبکدوش ہونے کے بعد غزالی پھر اپنے وطن طوس واپس پہنچ گئے۔ ۵۰۲ یا ۵۰۳ھ میں کہ غزالی کا قافلۂ عمر ۵۳ منزلیں طے کر چکا تھا، بادشاہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ حاضر دربار ہوں، تاکہ سلطان اور مقربان سلطان ان کے برکات انفاس سے متمتع ہوں، اس بات کے ماننے میں غزالی کو قباحت نظر نہ آئی چنانچہ طوس سے مشہد رضا علیہ السلام تشریف لے گئے اور یہاں وہ نامہ لکھا ہے جو گذشتہ صفحات میں نقل ہو چکا ہے، اس میں عذرخواہی کر کے دوبارہ طوس واپس تشریف لے گئے،

غزالی نے زندگی کے آخری پانچ چھ سال تمام تر عبادت وخلوت، تعلیم وتربیت اور ارشاد و ہدایت میں میں گزارے، کسی جماعت کی "حال" سے کسی گروہ کی "قال" سے کمال معرفت کے راستے کی طرف رہنمائی فرمائی،

گھر کے قریب ایک خانقاہ کی صوفیہ کے لئے، اور ایک مدرسہ کی طلبا رکے لیے بنیاد ڈالی، اور اپنے اوقات شبانہ روز کو چند حصّوں میں منقسم کر کے مصروف کار ہوگئے۔ ایک عبادت، اور اپنے خدا سے راز و نیاز کے لئے وقف تھا، ایک وقت طالبان علوم کی تعلیم و ہدایت کے لئے خاص تھا، کوئی وقت صوفیان باصفا اور صاحب دلان باخدا کی تربیت وتکمیل کے لئے متعین تھا، کم وبیش ایک سو پچاس حق طلب ان کے سایۂ تربیت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ سچ کہا ہے مولانا روم نے،

جمع صورت، با چنیں معنیٔ ژرف
نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف

دانشمندان جہاں میں ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، جو مقام صورت و معنی اور ظاہر و باطن کے جامع ہوں،

جو لوگ مقام ظاہر میں ہوتے ہیں وہ ایک قدم بھی فروتر نہیں رکھ سکتے، اور جو لوگ عالم حقیقت میں قدم رکھتے ہیں وہ کچھ اس طرح محو حقائق اور مست بوئے گل ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس راہ پر اتنے پختہ اور استوار ہوتے ہیں کہ مقام حقیقت پر پہنچنے کے بعد دوبارہ عالم فلق میں قدم زن ہونے کے ساتھ اور اپنے احساس دروں اور تعلق باللہ کو قائم رکھتے ہیں ۔

غزالی ان مردان کامل میں تھے کہ مراتب عرفان کی پورے طور پر تکمیل کر چکے تھے اور ایسے ظرف کے مالک تھے کہ حقائق معانی کا بہ درجۂ اتم بلوغ و شعور حاصل کر چکنے کے بعد دوبارہ عالم صورت میں نمودار، اور مخلوق خداوند سے آشنا ہو کر اس تعلیم و تربیت میں معروف و منسلک ہو گئے،

یہ ہیں حیات غزالی کے وہ احوال جو انہیں عالموں، زاہدوں، اور عارفوں سے ممتاز کرتے ہیں،!"

خراسان ... الدین محمد کو تحریر کیا ، اور ان سے استدعا کی کہ وہ بھی غزالی پر زور دیں ، اور خود بھی انہیں لکھیں تا کہ یہ کار اہم جلد از جلد اتمام تک پہنچ جائے ، انہوں نے لکھا :

"غزالی کو بلا کر ان سے حال معلوم کیا جائے تاکہ بغیر توقف کے وہ اس کام کو انجام دے سکیں ، اور وہ کوئی مانع بھی تدریس نظامیہ کے قبول کرنے میں پیش کریں ، اسے درخور اعتنا نہ سمجھا جائے ، ان کے ہم داستان نہ بنیں ، بلکہ انہیں آمادہ کریں ، اور جو دشواریاں اور مشکلیں پیش کریں ، ان کا مداوا کر دیں ، اور موید الدین ہیں انہوں نے جو وجوہ اپنے نہ آنے کے پیش کئے ہیں ، ان کا تدارک کر دیں ، اور جس قدر جلد ممکن ہو انہیں بغداد روانہ کر دیں ، کیونکہ ان کے انتظار میں ایک ایک ساعت گراں گزر رہی ہے ، تاکہ کرسئ تدریس خالی ہونے سے جو بے رونقی پیدا ہو گئی ہے ، وہ ان کی تشریف آوری سے دور ہو جائے ، اور حجۃ الاسلام کے وجود سے ایک رونق تازہ پیدا ہو جائے ، جیسے ہی یہ خط ملے ، فوراً ان کے پاس جائیں اور بغیر کسی تاخیر کے بیان اور شرح حال کا اعلام فرمائیں تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں ، نظامیہ بغداد میں اس کرسئ تدریس کے خالی ہونے سے ایسا خلل پیدا ہو گیا ہے کہ بجز اس صورت کے کہ حجۃ الاسلام فرید الزمان ایدہ اللہ تائیدہ تشریف فرما ہوں دور نہیں ہو سکتا ، وہ یگانۂ زماں قدوۂ عالم اور انگشت نمائے روزگار ہیں زمرۂ ائمہ دین (کثرھم اللہ) میں ان کا تقدم و زعامت مسلّم ہے ، زبان خلق ان کے اوصاف تر زبان ہے ، !"

اسی طرح بادشاہ سلجوقی ، و خلیفۂ عباسی ، و زمام داران وقت کی طرف سے بھی اصرار و فرمان کا سلسلہ شروع ہوا ، یہاں تک کہ معاملہ اس نوبت پر پہنچ گیا کہ خلیفۂ عباسی نے کہ خلیفہ و امام مسلین ہے ، اس حیثیت سے غزالی کے نام تدریس نظامیہ کا فرمان صادر کیا ۔

بایں ہمہ غزالی آمادہ نہ ہوئے ، انہوں نے جواب میں پھر عذرات پیش کئے ۔ اور فرمایا ، کہ یہ زمانہ فراق کا ہے نہ کہ سفر عراق کا ، اتفاق کی بات ان کا کہا سچ ثابت ہوا ، کیونکہ اس واقعہ کے بعد اسی سال ان کا انتقال ہو گیا ،

غزالی نے خواجہ ضیاء الملک احمد بن خواجہ نظام الملک وزیر محمد بن ملک شاہ سلجوقی

تدریس مدرسہ نظامیہ بغداد پر دوبارہ تقرر

جس موقع پر غزالی طوس میں سرگرم عبادت و ارشاد و تعلیم و تربیت تھے، ان کے ایک ہم درس موسوم بہ ابوالحسن کیائی، ہراسی، طبری نظامیہ بغداد میں کرسی تدریس پر فائز تھے،

کیائے ہراسی کا انتقال پنجشنبہ کے دن ۵۰۴ھ کے اوائل میں ہوا، ان کے انتقال کے بعد پھر کوشش کی گئی کہ غزالی نظامیہ بغداد میں آکر رونق بخش ہوں، اور کرسی تدریس پر متمکن ہوں،

خلیفۂ عباسی المستنظہر باللہ (۴۸۷ــ۵۱۲ھ) اور بادشاہ سلجوقی عراق سلطان محمد بن ملک شاہ (متوفی ۵۱۱ھ) اور اس کے بھائی سنجر بن ملک شاہ (متوفی ۵۵۲ھ) جو اس موقع پر فرمارولئے خراسان تھا، ان سب نے بالاتفاق اس منصب بلند و برتر کا جو واحد عالم دانشمند سزاوار مستحق قرار دیا جا سکتا ہے، اور جو علماء اور طلاب میں یکساں طور پر اپنے علم و فضل کی بنا پر مسلّم ہے، وہ صرف امام غزالی ہیں،

عراق میں سلطان محمد کے وزیر بزرگ خواجہ ضیاء الملک احمد بن خواجہ نظام الملک اور خراساں میں سنجر کے وزیر بزرگ صدرالدین محمد بن فخر الملک اور یکے از بزرگان وقت مؤیدالدین معین الملک کو اس کام پر آمادہ کیا گیا کہ غزالی کو اس منصب کے قبول کرنے پر آمادہ کریں،

اس سلسلہ میں غزالی کو بہت سے خط لکھے گئے، اور ان سے طرح طرح کے وعدے کئے گئے، لیکن غزالی ٹس سے مس نہ ہوتے، انہیں اب اس منصب اور اس کام سے ذرا بھی دلچسپی نہ رہ گئی تھی،

جب اس بات سے مایوسی ہوگئی کہ غزالی اس منصب کو قبول کر سکیں گے، تو امام ابوبکر شاشی صاحب کتاب مستظہری (وفات، روز شنبہ ۱۵ شوال ۵۰۷ھ) کو تدریس نظامیہ پر مامور کئے گئے،

صاحب فضائل الانام نے اس باب میں بشرح مبسوط چند ناموں کے ساتھ تحریر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضیاء الملک نے خود بدست خاص اس باب میں غزالی کو نامہ لکھا، علاوہ ازیں ایک مکتوب صدر

وفات و مدفن غزالی

تدریس نظامیہ بغداد کی دعوت جب غزالی کو ملی تو ان کی عمر ۵۴ سال کی تھی، ضیاء الملک کو جو نامہ معذرت انہوں نے لکھا تھا وہ وفات سے ایک سال پہلے تحریر کیا تھا، اور تدریس نظامیۂ بغداد کا منصب قبول کرنے سے معذرت کی تھی، اور بدستور طوس میں قیام پذیر رہے، اور وہاں ایک خانقاہ صوفیا کے لئے، اور ایک مدرسہ طلباء کے لئے قائم کیا، اور شبانہ روز عبادت خدا اور خدمت خلق میں مصروف رہنے لگے،

وہ انہی کاموں میں مصروف تھے کہ ناگہاں پیام اجل پہنچا، اور طوس کے ایک مقام طابران میں کہ ان کا مولد و موطن تھا دو شنبہ کی صبح کو، چار جمادی الآخرہ ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ع میں وفات پا گئے اور وہیں دفن ہوئے،

ابو القاسم اسماعیل حاکمی (متوفی ۵۲۹ھ) نے جو غزالی کے ہمدرس اور دوست تھے، ذیل کے روابیات میں قصیدہ ابو تمام سے تماثل کیا ہے،

عجبت بصبری بعدہ وھو میت
وکنت امرا ابکی دما وھو غائب
علی انھا الایام قد صرن کلھا
عجائب حتی لیس فیھا عجائب

ساتویں صدی ہجری تک یعنی مؤلف طبقات الشافعیہ سبکی کے زمانہ تک مسلّم طور پر طابران میں مقبرہ غزالی مرجع، اور زیارت گاہ عام بنا ہوا تھا، [1]

ابن سمعانی (ابو سعید عبدالکریم بن ابوبکر متوفی ۵۶۲ھ) کہتے ہیں کہ:
"میں نے قصبہ طابران میں قبر غزالی کی زیارت کی تھی،" [2]

کے جواب میں جو مکتوب تحریر فرمایا تھا ، وہ اگلے باب میں درج کیا جائے گا ، !

تعلیقات

ـلـه مراد موت ہے ،

" ذاتی کے خیال سے سفر عراق کا انکار !

یہ غزالی کی ایک پیشین گوئی ثابت ہوا اور واقعی اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

(رئیس احمد جعفری)

پسماندگان و متعلقین غزالی

غزالی نے جو مکتوب خواجہ نظام الملک کو لکھا تھا —— جس کا ذکر ہو چکا ہے ، —— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۸۴ھ تک جب وہ خواجہ نظام الملک طوسی کی طرف سے نظامیہ بغداد کی تدریس پر مامور ہوئے ، اہل فرزند سے چنداں علاقہ نہیں رکھتے تھے ، اور جیسا کہ " المنقذ من الضلال " میں ہے ریاضت و عبادت میں بقیہ زندگی صرف کر دینے کا عزم کر کے جب وہ بغداد سے روانہ ہوئے تو در خیال اہل و عیال تھے ، اور زن و فرزند کا شوق دیدار ہی بالآخر کشاں کشاں انہیں حجاز سے خراساں واپس لایا تھا ، اور عمر کا آخری حصہ جو انہوں نے نیشاپور میں گذارا ، علائق زن و فرزند سے وابستہ رہ کر گذارا ،

قرائن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۴۸۴ھ کے لگ بھگ غزالی کے متاہل زندگی شروع ہوئی ، اور جیسا کہ بعض بلند مورخوں نے لکھا ہے ، اور طبقات الشافعیہ اور دوسری کتابوں میں نقل ہوا ہے ، غزالی فرزند نرینہ نہیں رکھتے تھے ، صرف لڑکیاں تھیں ،

جیسا کہ انہوں نے اپنے نامۂ فارسی میں تحریر فرمایا ہے اور بعض مورخین نے تصریح بھی کی ہے ، مال دنیا میں سے بہت تھوڑی سی پونجی تھی ، ان کے پاس یعنی ذراسی زمینداری جو طوس میں تھی ، اور ان کا خانوادہ اسی معمولی سی زمینداری پر قناعت اور جزرسی کے ساتھ فقیرانہ صفات کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا ، اور یہ مقدار جو انہیں دستیاب تھی ، ان کے زن و اولاد کے گذران ، یعنی نان جویں کے لئے کافی تھی ، اس کے علاوہ انہیں کسی چیز کی آرزو اور احتیاج نہ تھی ، انہوں نے کسی سے کوئی عطیہ یا امداد قبول کرنے سے ہمیشہ احتراز کیا ۔

اعقاب یعنی بازماندگان غزالی آٹھویں صدی ہجری تک مشہور رہے انہیں میں ایک شیخ مجد الدین محمد بن ابو طاہر ہیں جن کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ممتاز فضلا میں ہوتا ہے ۔ ان کا نسب زبیدی نے اس طرح درج کیا ہے ، :

ابن جوزی نے کتاب "الثبات عند الممات" میں امام احمد غزالی سے نقل کیا ہے کہ:

"میرے بھائی ابو حامد نے دوشنبہ کے دن صبح کے وقت وضو کیا، اور فریضہ نماز ادا کیا، پھر کفن مانگا اور اسے بوسہ دیا، اور ارشاد فرمایا بسر و چشم، !" اس کے بعد، بہ سوئے قبلہ لیٹ گئے، اور جان، جان آفریں کو سپرد کر دی، !" ۳

غزالی کے غسل و دفن، اور نماز جنازہ، نیز وہ خواب جوان کی بزرگی کے بارے میں دیکھے گئے، اور وہ کرامتیں جو ان سے ظاہر ہوئیں، ان سب کو اگر بیان کیا جائے تو ایک طویل دفتر مرتب ہو جائے، اور اس سلسلہ میں جو داستانیں تحریر کی گئی ہیں۔ راقم تحریر ان پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں کرتا، لہٰذا انہیں نقل بھی نہیں کرتا، ۴

خلاصہ کلام یہ کہ غزالی ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں تولد ہوئے، اور ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء میں رحلت کی، ان کی وفات اور مدت زندگانی کے بارے میں یہ بیت بہت معروف و مشہور ہے،

نصیب حجۃ الاسلام زیں سرائے سپنج
حیات پنجہ و پنج و وفات مالقدر و پنج

تعلیقات

۱ طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۱۰۵

۲ مقدمہ شرح احیاء العلوم

۳ طبقات الشافعیہ، نیز مقدمہ شرح احیاء العلوم،

۴ قارئین کرام، مقدمہ شرح احیاء العلوم۔ اور نفحات الانس جامی، اور طرائق الحقائق، اور طبقات الشافعیہ اور مراۃ الجنان سے تفصیل کے لئے رجوع کریں،

یافعی نے مناقب غزالی میں عربی شعر کہے ہیں اور انہیں اپنی کتاب میں درج کیا ہے، اور بعض خوابوں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، مثلاً،

راہ الولی الشاذلی فی منامہ ÷ ونرد یہ حسن طریق مسلسل،

شیخ مجدالدین محمد بن ابی طاہر شروان شاہ ابن ابی الفضائل فخر اور بن عبید اللہ بن المناب
ابی حامد[1]

مرگ غزالی پر معاصر شعرا نے مرثیے بھی کہے، جن میں ابو المظفر ابیوردی - اور قاضی عبد الملک بن
احمد بن محمد بن معانی کے مرثیے خاص حیثیت رکھتے ہیں، ! ؎

تعلیقات

[1] مقدمہ شرح احیاء العلوم ؎

۴۹

لفظ غزالی کی تحقیق

لفظ غزالی کے بارے میں مورخ اور سوانح نگار، مختلف الرائے ہیں۔ بعض تشدید کے ساتھ اس کا تلفظ کرتے ہیں، یعنی غزّالی، بعض تخفیف کے ساتھ یعنی صرف غزالی،

ابن اثیر و ابن خلکان، و ذہبی، و یافعی و سبکی، و مولف شذرات الذہب اور ایک بڑی جماعت اس لفظ کا تلفظ تشدید کے ساتھ صحیح قرار دیتی ہے، کہ اہل خراسان اسی طرح کے تلفظ کے عادی ہیں جیسے، قصّار[۱]، "عطّار[۲]"، "خیّام[۳]"، "شبّان[۴]"، وغیرہ

ابن خلکان نے اس سلسلۂ بحث میں لکھا ہے،

"غزالی کا تلفظ یوں ہے کہ

غ کو زیر، ز کو تشدید، اور الف کے بعد لام نسبت ہے "غزال" کی طرف، جیسی اہل خوارزم و جرجان کی عادت ہے وہ لوگ قصّار کو قصّاری، عطّار کو عطّاری کہا کرتے ہیں،

ایک قول یہ بھی ہے کہ زیر تشدید نہیں ہے، اور یہ لفظ غزالی کی طرف منسوب ہے جو طوس کے مواضع میں سے ایک موضع ہے،

لیکن یہ قول، اقوال کے خلاف ہے، لیکن سمعانی نے اسے اپنی کتاب الانساب میں ذکر کیا ہے، "[۵]

ذہبی[۶] نے اس سلسلۂ بحث میں لکھا ہے کہ:

"یہ نسبت غریب (نادر) ہے،"

ذہبی کا غرابت سے تشدید نہ ہونا ہے، ورنہ تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر تشدید کے یہ لفظ

وہ شخص ہے جس کا پیشہ عطر فروشی ہو، اور "عطاری" وہ ہے جس کے باپ یا دادا اس وقت سے وابستہ ہوں، چونکہ غزالی کے والد بافندگی کا پیشہ رکھتے تھے، لہذا، وہ غزّال کہلاتے تھے، اور ان کے بیٹے اسی نسبت سے غزالی کہلائے،

اکثر، بلکہ جملہ اشعار فارسی و عربی ہیں، جو قدیم شعرا کے راقم سطور کی نظر سے گزرے، لفظ غزالی تشدید کے ساتھ آیا ہے، اسے ہر جگہ "ضرورت شعری" نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ بات یہی ہے کہ اشعار فارسی و عربی سے تشدید زا کی تائید ہوتی ہے، مثلاً:

ہر فقیہ و شاعر و مفتی کہ او طوسی بود
چوں نظام الملک و غزّالی و فردوسی بود

یمن کا ایک شاعر کہتا ہے، :

غزالی دہر ملک سر انھا احیی بہ
وکذالک الاحیاء للغزالی

عماد زوزنی کہتا ہے، :

خرد را دوش می گفتم کہ ایں کہنہ جہاں تا کے
شد از غوغائے شیطان وزسودائے ہوا خامی
خرد گفتا عجب دارم کہ می دانی و می پرسی!
بہ عہد علم غزّالی، بہ عہد علم غزّالی

شیخ عراقی کی ایک نظم کا کچھ حصہ:

شیخ الاسلام امام غزّالی
آں صفا بخش حالی و قامی

غریب یعنی نادار الاستعمال نہیں ہے۔

جو لوگ تخفیف "ز" کے قائل ہیں یعنی "ز" پر تشدید نہیں مانتے ـــــ جیسا کہ سمعانی نے کتاب الانساب میں، اور شیخ بہائی نے کشکول میں لکھا ہے ـــــ ان کا خیال ہے کہ یہ لفظ "غزالہ" سے منسوب ہے، جو طوس کے مواضع میں سے ایک مواضع تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ طوس میں اس کے نام کا کوئی دیہات کبھی نہیں تھا،

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ، غزالہ سے منسوب ہے، اور غزالہ کعب بن احبار کی دختر تھیں اس طرح غزالی کا سلسلہ نسب کعب بن احبار سے ملتا ہے۔ لیکن یہ خیال بے دلیل ہے، اس کی تائید میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں،

فیومی نے اپنی "کتاب" میں تخفیف کی تائید کی ہے، یعنی وہ لفظ غزالی میں "ز" کو مشدد نہیں مانتے، انہوں نے شیخ مجدالدین ابوطاہر سے کہ غزالی سے رشتہ ؒ رکھتے ہیں اور جن کا ذکر ابھی آچکا ہے روایت کی ہے کہ:

"۷۱۰ھ میں شیخ مجدالدین نے بہ مقام بغداد مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ ہمارے جد کو تشدید کے ساتھ "غزّالی" کہتے ہیں غلطی کرتے ہیں یہ تو تخفیف کے ساتھ بغیر تشدید کے "غزالی" ہے"!

صفدی نے "الوافی بالوفیات" میں لکھا ہے::

حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے بعض احباب میں فرمایا ہے کہ بعض لوگ مجھے "غزالی" سے نسبت دیتے ہیں حالانکہ میں غزالی ہوں، جو ایک قریہ سے منسوب ہے جسے غزالہ کہتے ہیں بغیر تشدید کے"!

بعض کا خیال ہے کہ صیغہ "فعّال" بہ تشدید "ز" اس مورد میں خود ہی یعنی نسبت ہے اسے "یار" سے نسبت دینا جیسے غزّالی، وخیالی، وخیازی، اس مفہوم کو نمایاں اور واضح کرنے کے لئے ہے کہ خود یہ شخص اس حرکت سے منسوب نہیں ہے، بلکہ کسی ایسے شخص سے منسوب ہے جو اس سے وابستہ ہے، مثلاً عطّار

غزالی کا ادبی مقام و شیوۂ انشا

پانچویں صدی ہجری کا نیمۂ دوم۔ کہ یہ تمام عرصہ غزالی کا عہد حیات ہے ایران کی ادبی تاریخ ایک ممتاز اور نمایاں دور ہے، اس زمانہ میں نثر فارسی کمال و ترقی کی منزل پر پہنچ گئی،

اسلام کے بعد فارسی نثر پہلے پہل سامانیوں کے عہد میں ترجمۂ کتب عربی مانند تاریخ و تفسیر طبری شروع ہوئی، آغاز میں فارسیت پر عربیت غالب رہی، لیکن ایرانیان خوش طبع کے زیر سایہ اس کی پرورش، پیدائش، اور آرائش اس طرح جاری رہی کہ بتدریج عربی کا زور کم ہوا اور فارسیت کا چہرۂ دل آرا نمودار ہونے لگا خوش ذوق لکھنے والوں نے اپنی طبع و سرشت سے مجبور ہوکر، نہ کہ دوسرے اسباب و ملل کے تحت رفتہ رفتہ اسے اتنا سبک بنا دیا اور روح زبان فارسی سے موافق کر دیا، یعنی خاصیت اصلی، اسلوب جملہ بندی اور ترکیب لغات کو پوری طرح قائم رکھا، انہوں نے کلمات بیگانہ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کیا، جہاں بالکل ناچار ہو جاتے تو ایسے کلمات لاتے جو زبان فارسی سے سازگار ہوتے، کلمات عربی کو جملوں میں اس طرح کھپاتے کہ کہیں بیگانگی کا نام و نشان بھی محسوس نہ ہوتا، پھر انہوں نے صورت املا، اور قرآت میں ایسے تصرفات کئے کہ لغت کو تابع بنالیا، اور اس بات کی کوشش کی کہ فارسی کے اسلوب نگارش کو ترجمۂ عربی سے خارج کر دیں،

اس ہیں چند اصحاب ایسے گزرے ہیں جو بجا طور پر اس راہ کے پیشوا اور کاروان سالار قرار دیئے جاسکتے ہیں، غزالی اس طبقہ کے سرآمد میں

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نیم صدی میں اور اس کے بعد غزالی نے جو پانچ سال بسر کئے، ایسے آثار موجود ہیں، جنہیں بہترین اور صحیح ترین نمونہ انشا فصیح ترین فارسی کا قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً تاریخ بیہقی و سیاست نامہ خواجہ نظام الملک و کیمیائے سعادت و نصیحۃ الملوک (غزالی) و قابوس نامہ عنصر المعالی

شیخ عطار کہتے ہیں،

صد لے کہ سرائے علم از دعائی بود
عالم ز یقین او ز شک خالی بود
از قعر بزار قلزم بے سر و پا
اسرار پدید کرد غزالی بود

صد لے کر ز علم عالم علام است
در کل جہاں یگانۂ ایام است!
کان گوہر، عالم جاں غزالی
دریائے علوم حجۃ الاسلام است

تعلیقات

۱ حجام
۲ عطار
۳ خیمہ دوز
۴ نان پز،
۵ تاریخ ابن خلکان ج ۱، ص ۳۰ مطبوعہ طہران
۶ طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۳۵

سے منصف نہ ہوتے تو بھی ان کا صرف یہ ہنر انہیں بزرگ ترین پیشوائے ادب قرار دینے کے لیے کافی تھا۔

غزالی دو زبانوں یعنی فارسی اور عربی میں پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ نظم و نثر پر قادر تھے لیکن ان کی تحریر و انشا میں سب سے زیادہ بلند حیثیت فارسی کے شیوۂ نگارش کو حاصل ہے۔

نثر عربی کی خصوصیات :- عربی نثر نگاروں میں غزالی ایسے شیوۂ مخصوص و ممتاز کے مالک ہیں، جو حد درجہ سادہ، فصیح، مطبوع اور پر مغز ہے۔

غزالی کے ایک بلند مرتبہ معاصر کا قول ہے کہ بعض لوگ غزالی پر خردہ گیری کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اثنائے کلام میں وہ قواعد نحوی سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انشاء خطب و کتب و رسائل میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ وقت کے ادیب اور مانے ہوئے ارباب فصاحت و بلاغت ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ تھے۔

جو شخص مؤلفات غزالی سے ذرا بھی آشنا ہے وہ ان کے آثار کو دوسروں کے آثار و نقوش سے بخوبی تمیز کر سکتا ہے۔

غزالی کی نثر فارسی :- فارسی نثر میں غزالی کا خامۂ معجز نما ایسی جلوہ نمائیاں کرتا ہے کہ مردم دل آگاہ کو غرق دریائے حیرت کر دیتا ہے کہ یہ مرد بزرگ باہمہ مشاغل فکری و عبادت و ریاضت ـــــ جو انسان کے ادبی ذوق کو افسردہ کر دیتے ہیں ـــــ اور با ایں ہمہ کہ ان کی ساری زندگی عربی سے سروکار رکھنے میں بسر ہوئی اور اس زبان میں احیاء العلوم اور المستصفیٰ جیسی بلند پایہ کتابیں لکھیں، کیسے ذوق سلیم اور سلیقہ مستقیم کا مالک ہے۔ کیسی طبع روشن و سرشار رکھتا تھا کہ اس کی نثر فارسی کسی درجہ میں بھی رنگِ بیگانہ سے آلودہ نہ ہوئی اور اس پر عربی اثر نمایاں نہ ہوا۔ اس نے ایسی شیریں زبان لکھی کہ بڑے بڑے انشا پردازوں نے اس کی پیروی کی اور اب تک اس کی نثر فارسی وقت کے لکھنے والوں کے لئے مایۂ تقلید ہے

عام طور پر جو لوگ زبان عربی سے بہت زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ اگر کبھی فارسی میں کچھ لکھتے ہیں تو لغات عربی کا خوب استعمال کرتے ہیں بلکہ اسلوب و جملہ بندی تک میں عربی اثر غالب رہتا

و اسرار التوحید محمد بن منور و چہار مقالہ نظامی عروضی وغیرہ

اگر بعد کے لوگوں نے غزالی اور نظامی وغیرہ کی پیروی کی ہوتی تو ادبیات فارسی کا وہ حشر نہ ہوتا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے عربی دانان بے ذوق اور فضائل فروشان بے سلیقہ کے ہاتھوں جو انجام ہوا وہ ظاہر ہے۔

حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ جب عربی زبان پورے زور شور سے رائج تھی اور عربی حکومت پورے دم خم سے قائم تھی۔ غزالی اور عنصر المعالی اور نظامی عروضی جیسے لوگوں نے زبان فارسی کی اس طرح نگہبانی اور نگہداری کی اور ایسے انداز میں چیزیں رقم کیں کہ آج انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے

میرا تو خیال ہے کہ اگر ساتویں صدی ہجری میں سعدی نمودار نہ ہوتے اور ذوالفقار علی کی طرح ان کا خامہ بت شکن نیام سے باہر نہ آتا تو یہ اصنام مصنوعی جو مفضل فروشاں عربی مآب اور حاشیہ نشیناں درباری مثلاً صاحب مقامات حمیدی و جہاں کشائے جوینی کے ہاتھوں گھڑے گئے تھے۔ ہرگز شکست نہ ہوتے اور ادبیات فارسی کی بنیاد کہیں زیادہ خراب اور ویران ہو جاتی۔

دنیائے ادب و انشا میں عربی خوانوں خاص طور پر قضاۃ اور فقہائے درباری کا ورود اور عربی کے لغات اور عبارات کا نثر فارسی میں برائے اظہار فضل و کمال بے محابا استعمال، اسی طرح عربی کی فارسی میں اندھا دھند تقلید جسے فارسیت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا اور تکلف سے بھرے جملوں کا استعمال۔ ان سب چیزوں نے فارسی نثر پر بہت برا اثر ڈالا۔

لیکن غزالی اور عنصر المعالی اور شیخ عطار اور ان جیسے دوسرے حضرات نے اہل فارس کی تفہیم معانی کے لئے عام فہم زبان میں تحریر و انشا کا سلسلہ شروع کیا اور دوسرے لکھنے والوں نے تصنع کو جس طرح اپنا شعار بنا لیا تھا اس سے یکسر مبرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزالی کو دوسرے انشا پردازوں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت دی جاتی ہے۔

امام غزالی نے عین اس حالت میں کہ وہ زہد و فکر، خلوت و عبادت، ریاضت و عزلت اور اصلاح مذہب و فلسفہ و تصوف میں مشغول تھے۔ ادبیات فارسی کے بزرگ ترین پاسبان کی حیثیت بھی قائم رکھی، ان کا شیوۂ نگارش حد درجہ دل پسند اور مرغوب طبائع تھا۔ کیمیائے سعادت اور نصیحۃ الملوک وغیرہ فارسی کے لکھنے والوں کے لئے ایک نمونہ ہیں۔ غزالی اگر دیگر خصوصیات، وکمالات اور صفات گوناگوں سے

ہے - یہ بات عام طور پر ادیبوں اور منشیوں میں پائی جاتی ہے نہ کہ فقہا محدثین اور علماء میں جنہیں فارسی نویسی سے کوئی مس باقی نہیں رہتا اور زبان فارسی کو بالکل فراموش کر چکے ہوتے ہیں - بلکہ فارسی میں لکھنا اپنی کسر شان خیال کرتے ہیں اور اگر فارسی میں کچھ لکھتے ہیں تو اس طرح کہ اس پر عربی کا ملمع کیا ہوتا ہے [۲] -

لیکن غزالی کا یہ حال تھا کہ جس دُردِ تہ جام نے دوسروں کو دیوانہ کر دیا تھا، اس کے جام پر جام، بلکہ خم کے خم وہ پی گئے، لیکن نہ مدہوش ہوئے نہ بیخود!

وہ عربی زبان دوسرے اہلِ علم سے اچھی جانتے تھے، لیکن اس کے دل باختہ نہ تھے -

غزالی کی نثر فارسی بہت پختہ، سادہ، اگیرا اور پر مغز ہوتی ہے -

---

تعلیقات

[۱] اشارہ ہے امام عبدالفاخر فارسی صاحب "تاریخ نیشاپور" کی طرف وہ تحریر فرماتے ہیں -

کان یولف الخطب ولیشرح الکتب بالعبارات اللتی یعجز الادباء والفصحاء من امثالہا (طبقات ج ۴ ص ۱۱۰)

یعنی :-

امام غزالی کے خطبات و تشریحات کتب اس عبارت میں ہیں کہ ادباء و فصحاء ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں

[۲] ذخیرۂ خوارزم شاہی

سید اسماعیل جرجانی نے علم طب میں ایک کتاب بہ زبان فارسی "ذخیرہ خوارزم شاہی" لکھی، اور ایں و آں کی طرف سے اس درجہ گرفتار سرزنش و ملامت ہوئے کہ ناچار اپنی کتب کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرنا پڑا، اور از سر نو اس کتاب کو عربی میں مرتب کرنا پڑا -

میں نے "ذخیرۂ خوارزم شاہی" کی جلد اول دیکھی ہے اور بالا اجمال جو بات فارسی اور عربی کے بارے میں کہہ چکا ہوں ۔ مقدمۂ کتاب میں مؤلف نے بھی وہی کچھ بہ تفصیل کہا ہے ؛

غزالیؒ کا ادبی مقام اتنا اونچا ہے کہ ان کے ملکۂ تحریر سے کتنا ہی انکار کیا جائے ۔ ان کی عربیت پر کیسی ہی خوردہ گیری کی جائے ان کی صرف و نحو میں کیسی ہی غلطیاں نکالی جائیں لیکن اس میں جو جمال اور کمال ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ، حقیقت آپ منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی (رئیس احمد جعفری)

اشعارِ غزالی

قدرت کی طرف سے غزالی کو جو طبع رسا اور ذوق صافی عطا ہوا تھا وہ انہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ کبھی کبھی وہ فارسی یا عربی میں شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے اور فقہائے خشک مغز کے برخلاف اس جنس کو وہ عزیز رکھتے تھے ان کے مکاتیب کتب میں بکثرت فارسی و عربی کے اشعار موقعہ موقعہ سے ملتے ہیں :-

ذیل میں کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

حلّت عقارب صدغہ فی خدہ
قمراً فجل بہا عن التشبیہ
ولقد عہدناہ یحل ببرجہا
ومن العجائب کیف حلت فیہ

میں نے ان اشعار کا فارسی میں جو ترجمہ کیا ہے، یہ ہے :-

برگرد روئے چوں سر گیسوئے او خمید
باخویش گفتم اینت سگفتی کہ شد پدید
مہ را بہ برج عقرب منزل بود ولیک!
بر روئے ماہ خانۂ عقرب کسے ندید!

کچھ فارسی اشعار :-

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد
وز سرّ قدر ہیچ کس آگاہ نہ شد

هر کس ز سر قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصۂ کوتاہ نہ شد

ما جامہ نمازے بہ سر خم کردیم
وز خاک خرابات تیمم کردیم
شاید در ایں میکدہ ہا دریابیم
آں عمر کہ در مدرسہ ہا گم کردیم

اے کان بقا درچہ بقائی کہ نئی!
در جائے نئی کدام جائی کہ نئی
اے ذات تو از جا و جہت مستغنی
آخر تو کجائی و کجائی کہ نئی

خاک او کس مشو کہ گردت خوانم
گر خور ہمہ آتشے کہ سردت خوانم
تا تشنہ تری بہ خلق محتاج تری
سیر از ہمہ شو تا سرہ مردت خوانم

گفتم دلا تو چندیں بر خویشتن چہ پیچی
با یک طبیب محرم ایں راز در میاں نہ
گفتا کہ ہم طبیبم فرمودہ است با من
گر امر یار داری صد مہر بر زباں نہ

غزالی تخلص کے چند شعرا :- فارسی زبان کے شعرا میں چند شعرا غزالی (بہ تخفیف زا) کرتے ہیں،
مثلاً غزالی مرزوی کہ عوفی نے "لباب الالباب" میں شعرائے آل سلجوق
کے تذکرے میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے پانچ شعر لکھے ہیں جن میں سے دو یہ ہیں :-

از صحبت تو کجا بہ پرہیزد
آنکس کہ نہ در دو جہان خیر دارد
اندر غم تو غزالی عاشق!
فصا کہ زجانت دوستتر دارد

اس تخلص کے دوسرے شاعر غزالی مشہدی ہیں، جو عہد صفوی کے شعراء میں ہیں - انھوں نے بحر
سریع میں نظامی کی مخزن الاسرار کی ہم وزن ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام نقش بدیع ہے - نوشتۂ
مجمع الفصحا[1] کے مطابق شاہ طہماسپ کے زمانے میں یہ موجود تھے - ۹۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا -
شیخ بہائی نے کشکول[2] میں ان کی مثنوی کے چند اشعار درج کئے ہیں، مثلاً :-

خاک دل آں روز کہ می بیختند
شبنمے از عشق بر او ریختند

دل کہ بہ آں رشحہ غم اندادشد
بود کبابے کہ نمک سود شد

تعلیقات :-

[1] ان اشعار کے ماخذ کتب مندرجہ ذیل ہیں
ابن خلکان، الوافی بالوفیات، یافعی - طبقات الشافعیہ سبکی، شرح احیاء ال
زبیدہ - کشکول شیخ بہائی - روضات الجنات مرزا محمد باقر اصفہانی

مجمع الفصحاء طرائق الحقائق :

۲ ؎

۳ ؎ ج ۲ ص ۱۷۲

۴ ؎ ص ۵۶۲ ، چاپ نجم الدولہ :

شاعر کی حیثیت سے غزالی کا پایہ کچھ ایسا زیادہ اونچا نہیں تھا ، اور نہ شاعری ان کے لیے مایۂ فخر و مباہات تھی ، لیکن ان کی شاعری سے ان کی ذہانت اور طباعی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس باب کا بھی مقصد ہے ۔

(رئیس احمد جعفری)

تھی - جو معین بیہقی کے بھتیجے تھے - میں نے کہا کیسی عجیب بات ہے، معین تو خود ہی اس سے ناراض تھا اور اسے راندۂ درگاہ قرار دے چکا تھا - میں ہرات میں تھا کہ عماد طوسی اس سلسلہ میں ایک محضر لے کر آئے اور معین کی خدمت میں پیش کیا کہ لوگ عزیز سے راضی اور خوشنود ہیں - اس شہادت نامہ میں آپ کا نوشتہ بھی تھا - معین نے جب آپ کا خط پڑھا تو اس سے خوش ہو گیا اور دوبارہ اسے مقرب بارگاہ بنا لیا - امام غزالی نے فرمایا - تم تو یہ نامہ معین کو دے دینا اور یہ شعر سنا دینا -

ولم ار ظلما مثل ظلم ينالنا
يساء الينا ثم نؤمر بالشكر

یعنی :-

جو ظلم ہمیں پہنچا ہے، ایسا ظلم کبھی دیکھنے میں نہیں آیا :-
ہمارے ساتھ بدسلوکی اور زیادتی بھی کی جائے اور شکر ادا کرنے پر مجبور بھی کیا جائے !

غزالی کے جو مکاتیب از قبیل اخوانیات و سدکاتیات وغیرہ ہمارے سامنے ہیں اور زیادہ تر فارسی میں ہیں - کچھ عربی میں بھی ہیں اور کتب فارسی و عربی از قبیل طبقات الشافعیہ و مجمع الانشاء حیدر بن ابوالقاسم و آثار الوزراء عقیلی و تحفۂ بہائیہ و تذکرہ دولت شاہ و کشکول شیخ بہائی وغیرہ میں بکھرے ہوئے ہیں -

لیکن کتاب فضائل الانام من رسالہ حجۃ الاسلام کی تالیف ہی جمع آوری مکاتیب غزالی کے لئے ہوئی تھی، لہذا وہ بہترین اور جامع ترین ماخذ اس سلسلہ میں قرار دیا جا سکتا ہے

یہ کتاب پانچ ابواب پر منقسم ہے، ترتیب یوں ہے :-

باب اوّل ——— وہ نامے جو غزالی نے ملوک و سلاطین کو لکھے :
باب دوم ——— وہ مکاتیب جو غزالی نے وزیروں کی خدمت میں تحریر کئے
باب سوم ——— وہ خطوط جو غزالی نے امرا اور ارکانِ دولت کے نام لکھے
باب چہارم ——— وہ مکاتیب جو غزالی نے فقہا اور آئمہ کو مخاطب کر

مکاتیبِ غزالیؒ

اپنی زندگی کے ہر دور میں اور خاص طور پر آخری عہد میں غزالی بہت زیادہ مشہور و محترم مانے جاتے تھے ۔ اور ہر شخص کی نظر میں غیر معمولی عزت و احترام کے سزاوار تھے ، خلفائے عباسی اور وزراء و کار پردازان حکومت ان کی باتوں کو پوری وقعت دیتے تھے ، نہ صرف اشخاص و افراد کے بارے میں ان کی سفارش کو قبول کر لیا کرتے تھے بلکہ ان کی تلخ نصیحتوں کو بھی خوشگواری کے ساتھ برداشت کرتے تھے ، انہوں نے سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے دور دورہ جو نصائح کئے جنہیں یافعی نے مراۃ اعیان میں لکھا ہے[1] اور اسی طرح ان کے عربی و فارسی کے وہ مکاتیب و کتب مثلاً نصیحۃ الملوک وغیرہ جو ان پند و نصائح سے مملو ہیں ہمارے دعوے کا بہترین ثبوت ہیں

غزالی کو جو مرتبہ حاصل تھا اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اپنے زمانے میں وہ بیچاروں اور ستم رسیدوں کے لئے پناہ گاہ بنے ہوتے تھے اور جسے مستحق سمجھتے ، خط لکھ کر دے دیتے جس سے اس کی مشکل آسان ہو جاتی ۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں کے اوضاع و احوال سے متاثر اور برانگیختہ ہو کر تند و تلخ خطوط وزیروں اور کار پردازان حکومت کو لکھتے " انہیں عدل و انصاف کی طرف مائل کرنے میں یہ نامے بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوتے

ابن سمعانی[2] کہتے ہیں :-

" میں نے مرو میں ابو نصر فضل بن حسن بن علی مقری سے سنا ۔ وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں سفر پر جا رہا تھا ۔ الوداعی ملاقات کرنے امام غزالی کی خدمت میں پہنچا ۔ فرمایا ، میرا یہ خط معین نائب ابوالقاسم بیہقی کو دے دینا ۔ اس خط میں عزیز منتولی اوقاف طوس کی شکایت

(۳) سلطان ملک شاہ سلجوقی ۔

(۴) سلطان الپ ارسلان سلجوقی ۔

(۵) سلطان طغرل سلجوقی ۔

(۶) خواجہ نظام الملک طوسی ۔

(۷) تاج الملک ۔

(۸) مجد الملک ۔

اس مجموعہ میں غزالی کے بعض عربی رسالے بھی ہیں جو طبقات الشافعیہ میں نقل کئے گئے ہیں ۔

سطور بالا میں جن اشخاص کا نام آیا ہے ، غزالی کے معاصروں اور شاگردوں کے ضمن میں ان کا تعارف آجائے گا ۔ باقی کا ذکر اس مجموعۂ مکاتیب میں آئے گا جو میں نے مرتب کیا ہے ، اس موقع پر اتنا ہی کافی ہے ۔

تعلیقات

۱؎ ج ۳ ، ص ۲۰۱ مطبوعہ ہند

۲؎ طبقات الشافعیہ ج ۴

کے لکھے ۔

باب پنجم ـــــــ فصول و مواعظ :

ہر باب میں متعدد مکاتیب ہیں ۔ مثلاً وزیروں کے نام جو خطوط ہیں، وہ تعداد میں بارہ ہیں۔ فقہا اور آئمہ دین کے نام مکاتیب کی تعداد آٹھ ہے ۔ امرا اور ارکان دولت کے نام جو خطوط لکھے گئے ہیں وہ پانچ ہیں ۔ اس پر دوسرے خطوں کی تعداد کا قیاس کیا جا سکتا ہے ۔

جن لوگوں کے نام یہ خطوط لکھے گئے ہیں، وہ یہ ہیں :-

(۱) سلطان سنجر سلجوقی ۔

(۲) سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی ۔

(۳) خواجہ فخر الملک طوسی ابن خواجہ نظام الملک طوسی ۔

(۴) ضیاء الملک احمد بن خواجہ نظام الملک طوسی ۔

(۵) صدر الدین بن فخر الملک طوسی ۔

(۶) معین الملک جن کا لقب مؤید الدین تھا ۔

(۷) مجیر الدین جن کا لقب مجد والدین تھا ۔

(۸) شہاب وزیر شاہ ۔

(۹) خواجہ عباس خوارزمی ۔

(۱۰) ابوالمحاسن مسعود بن محمد بن ابو غانم

(۱۱) امام زاہد احمد ارغنانی

(۱۲) سعادت خازن

خطوط کے ضمن میں غزالی نے جن لوگوں کا نام لیا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) ابراہیم شباک جرجانی ـــــــ ان کے بارے میں غزالی نے فخر الملک کو وصیت کی تھی ۔

(۲) قاضی ہمدان

غزالی کی بعض کتابیں ایک عرصہ دراز تک نصاب درس میں شامل رہیں مثلاً کتاب الوسیط جن کے بارے میں صفوی (متوفی ۷۶۴ھ) نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ کی درسی کتابوں میں اہم ترین کتاب ہے۔[8]

تالیفات غزالی کو، ان کے حسب ادوار زندگانی و تحولات روحانی چند ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً فن جدل و مناظرہ ، رفق خلاف و فقہ و اصول فقہ و حدیث و فلسفہ و کلام و اصول عقائد و اخلاق و تصوف ، نیز مسائل دینی و الٰہی و اخلاقی ؛

غزالی کے مولفات و تصنیفات کی جو فہرست راقم سطور کے علم میں ہے ، وہ بہ ترتیب حروف تہجی یہ ہے۔[9]

احیاء علوم الدین :- یہ کتاب احیاء العلوم یا کتاب الاحیا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ غزالی کی عربی کتابوں میں یہ اہم ترین کتاب ہے فن اخلاق و مسائل دینی و تصوف پر نیز ان کے سفر شام و بیت المقدس کی بہترین یادگاروں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بقول بعض دمشق میں اور بقول ایک گروہ کے بیت المقدس میں تالیف کی گئی "المرشد الامین" اسی کتاب کی تلخیص ہے۔

ابو العباس اقلیشی نے اس کتاب کی تعریف و توصیف میں مداحانہ اشعار کہے ہیں جو مراۃ الجنان میں یافعی نے درج کئے ہیں۔

بعض نے اس کتاب کی تعریف میں یہاں تک کہا ہے کہ اسلامی کتابوں میں اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔[10]

کتاب احیاء العلوم چار حصوں میں منقسم ہے

پہلے حصہ میں عبارات کا دوسرے میں عادات کا ، تیسرے میں مہلکات کا اور چوتھے میں منجیات کا بیان ہے

ہر حصہ دس ابواب یا چالیس فصلوں پر مشتمل ہے ،

جب سے کتاب احیاء العلوم تالیف ہوئی ہے علماء و دانشوران عالم کا مرکز فکر و نظر رہی ہے۔ کسی جماعت نے اس کی مخالفت کی ، کسی نے اسے سراہا اور اس سلسلے میں بحثیں

۵۳

تالیفاتِ غزالی

غزالی ان دانشوروں میں تھے جنہوں نے عربی اور فارسی میں بہت سے آثار و تالیفات یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں اور اہلِ دنیا کو اپنے خرمن فضائل و معارف سے بہرہ ور کیا ہے، خوش قسمتی سے ان کے آثار کا بڑا حصہ ہنوز موجود ہے کوئی بڑا کتاب خانہ مشکل سے ایسا ہوگا جس میں غزالی کی کچھ کتابیں موجود نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے انہیں سید المصنفین[1] کا لقب دیا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر غزالی کی تمام مدت زندگانی تقسیم کی جائے تو گویا ہر روز چار "کراسے"[2] انہوں نے تالیف کئے[3]۔ آثار غزالی کا بڑا حصہ غیر زبانوں مثلاً فرنچ، جرمنی، لاطینی اور عبری وغیرہ میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اپنے تصانیف کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ۵۳ سال کی عمر میں علوم دینی سے متعلق تقریباً ستر کتابیں تصنیف کیں۔ دینی علوم کے علاوہ دوسرے فنون و علوم پر جو کتابیں لکھیں، وہ اس تعداد کے علاوہ ہیں۔

بعض کے نزدیک ایسی کتابیں بجائے خود ستر سے زیادہ ہیں[4]۔ بعض اصحاب نے غزالی کے تالیفات و تصنیفات کی تعداد دو سو[5]، بعض نے چار سو لکھی[6] ہے

لیکن یہاں یہ بات صاف ہو جانی چاہیئے کہ اس بڑی تعداد میں غزالی کی جو کتابیں ہیں وہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کی طرح ضخیم اور مطول کتابیں نہیں ہیں بلکہ ان کی بڑی تعداد چھوٹے چھوٹے رسالوں یا چند صفحات کے مقالوں پر مشتمل ہے جو اپنے مستقل نام سے مولفات غزالی کی فہرست میں شامل ہیں اور طبع ہو چکی ہیں[7]، البتہ قرآن کریم کی تفسیر چالیس جلدوں میں ہے لیکن اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم وہ کیسی تھی اور کہاں ہے؟

سال وفات ۱۲۰۵ھ) غزالی کے بہت زیادہ حامی اور طرفدار تھے۔ ایک مرتبہ یہ کتاب ۱۳۰۲ھ میں بہ صورت سیزدہ مجلدات اور دوسری بار قاہرہ سے ۱۳۱۱ھ میں بصورت دس مجلدات طبع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب میری نظر سے گذر چکی ہے اور "غزالی نامہ" میں ماخذ کے طور پر اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

شرح احیا العلوم میں ایک اور کتاب "روح الاحیا" قابل ذکر ہے، اس کے مولف ابن یونس ہیں۔

جن لوگوں نے احیاء العلوم کی تلخیص کی ہے ان میں پہلا کام تو خود امام غزالی کا ہے جنہوں نے کتاب "المرشد الامین الی موعظۃ المتقین" تحریر فرمائی

غزالی کے علاوہ ان کے بھائی امام احمد غزالی نے بھی احیاء العلوم کا اختصار کیا اور کتاب "لباب الاحیا" تحریر فرمائی۔

ان کے بعد احمد بن موسیٰ موصلی متوفی ۶۲۲ھ پھر محمد بن سعید یمنی اور یحییٰ بن ابوالخیر یمنی اور محمد بن عمر بن عثمان بلخی اور عبدالوہاب بن علی خطیب مراغی اور شمس محمد بن علی بن جعفر مشہور بہ بلالی ــــ جو مصر کی ایک خانقاہ کے شیخ تھے ــــ متوفی ۸۲۰ھ اور جلال سیوطی اور دوسرے متعدد بزرگوں نے اس کتاب کی تلخیص فرمائی

حافظ سخاوی شمس بلالی کی تلخیص کو احیاء العلوم کی تلخیصات میں سب سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

کتاب "تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء" احیاء العلوم کے محامد میں قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ کی تالیف ہے اور شرح زبیدی کے حاشیہ پر درج ہے اور میری نظر سے گذر چکی ہے

غزالی کے دیگر مولفات یہ ہیں :-

-: اخلاق الابرار ــــ آفات اللسان ــــ اثبات النظر ــــ

-: الاملاء علی مشکل الاحیاء ــ اس کتاب کا نام "الاجوبۃ المسکتۃ عن الاسئلۃ

خود بہت سے کتب ورسائل تالیف ہوئے [۱۱]

کچھ لوگوں نے ــــــ اور خود غزالی نے بھی ــــــ اس کتاب کی تلخیص کی اور اس کی شرح و توضیح میں خامہ فرسائی کی۔ بعض نے اسے انتقاد و اعتراض کا ہدف بنایا۔ کچھ نے نکتہ چینیوں اور مخالفوں کے جواب میں کتابیں لکھیں۔

غزالی کے زمانے میں بھی اس کتاب پر اعتراضات ہوئے اور کتابیں لکھی گئیں اور "کتاب الانتصار لمانی الاحیا من الاسرار"، مخالفوں کے اعتراضات کے رد اور جواب میں سپرد قلم ہوئیں۔

ابوالفرج بن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے کتاب "منہاج القاصدین" شرح احیاء العلوم میں لکھی [۱۲] اور کتاب "اعلام الاحیاء باغلاط الاحیاء" غزالی پر اعتراضات کے سلسلے میں تحریر ہوئی۔ [۱۳]

ابن تیمیہ (۶۶۱ - ۷۵۱ھ) بھی ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے احیاء العلوم کا رد لکھا، اس کے جواب میں قطب شعرانی نے کتاب "الاجوبۃ المرضیہ" قلمبند کی۔

احیاء العلوم کے حامیوں اور مداحوں میں ایک بزرگ امام زین العابدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی تھے جنہوں نے اس کتاب کی احادیث کی تخریج کی اور ان کی روایت، صحت سند اور شرح میں پہلی بار ۷۵۱ھ میں ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں تحریر کی، لیکن بعض حدیثیں ان پر مجہول رہیں۔ چنانچہ برابر تحقیق میں مصروف رہے اور آخر کار ایک جلد میں ایک مختصر سی کتاب۔ "المغنی عن حمل الاسفار" راجع بہ احادیث احیاء العلوم تحریر کی، بعد میں ان کے شاگرد شہاب الدین بن حجر عسقلانی نے اپنے استاد کی کتاب کے استدراک کے طور پر ایک کتاب لکھی۔ ان کے بعد شیخ قاسم حنفی نے ایک کتاب "تحفۃ الاحیاء فیما فات من تخریج احادیث الاحیاء" تالیف کی، جسے مذکورہ دونوں کتابوں کا تتمہ سمجھنا چاہئیے۔ سبکی نے بھی اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں ایک مستقل فصل راجع بہ احادیث احیاء العلوم سپرد قلم کی ہے۔

احیاء العلوم کی شرح میں مہتم بالشان کتاب "اتحاف السادۃ المتقین" تالیف سید محمد حسین معروف بہ مرتضیٰ زبیدی مولف کتاب تاج العروس ہے۔ جن کا سال ولادت ۱۱۴۵ھ،

:- بدایۃ الھدایۃ ـــــ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے جس کا موضوع تصرف اور مواعظ ہے۔ مصر سے چھپ چکی ہے۔

:- البسیط۔ یہ کتاب فروع مذہب شافعی پر مشتمل ہے، ابن خلکان کا قول ہے کہ اسلام میں ایسی کتاب آج تک تالیف نہیں ہوئی۔

:- بیان القولین ـــــ تلبیس ابلیس ـــــ تنزیہہ القرآن، عن المطاعن :

:- تہافت الفلاسفہ ـــــ یہ کتاب غزالی کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اس میں عقائد فلسفہ کے اپنے اصول اور قواعد سے ابطال کیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ آثار اسلامی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ابن رشد نے اس کتاب کے رد میں ایک کتاب " تہافت التہافت " لکھی ہے۔

بعد ازاں ایک رومی عالم اسلح بن یوسف معروف بہ خواجہ زادہ نیز علاء الدین علی طرطوی نے ابن رشد اور غزالی کے مابین محاکمہ کیا ہے، ایک اور شخص ابن کمال پاشا نے محاکمۂ خواجہ زادہ پر حاشیہ تحریر کیا ہے۔

یہ تہافت الفلاسفہ، کا متعدد غیر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

شہرزوری نے اپنی کتاب " تاریخ الحکماء " میں لکھا ہے کہ تہافت الفلاسفہ کے بیشتر مطالب یحیٰی نحوی کے مولفات سے اقتبس ہیں، لیکن اس نے جن مولفات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ ہم دست نہیں ہوتے کہ اس کی گفتار کی توثیق کی جا سکے۔

:- تعلیقہ ، یہ کتاب فروع مذہب شافعی پر ہے

:- تحصین الادلہ ـــــ تفسیر القرآن ـــــ التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ـــــ جواہر القرآن ـــــ جامع الحقائق ـــــ حجۃ الحق ـــــ اس کی مدت تالیف ۴۸۴ھ ـــ ۴۸۸ھ کے مابین ہے

:- حقیقۃ الروح ـــــ حقائق العلوم لاہل المفہوم ـــــ حقیقۃ القولین ـــــ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ ـــــ خواص القرآن ـــــ

المبهمۃ بھی ہے۔ اس میں ان اعتراضات کا جواب ہے جو احیاء العلوم پر وارد کئے گئے ہیں۔ یہ شرح زبیدہ کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے

:- الانتصار لما فی الاحیاء من الاسرار ——— یہ ایک دوسری کتاب ہے، لیکن اس کا موضوع بھی وہی ہے، بعض احیاء العلوم پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں، ان کا جواب :-

:- اربعین ——— یہ جواہر القرآن کا تیسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب غزالی کے آثار سفر چند رسالہ پر مشتمل ہے اور زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے

:- الاقتصاد فی الاعتقاد ——— یہ کتاب مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

:- اساس القیاس ——— الجام العوام عن علم الکلام ——— الانیس فی الوحدۃ ——— الامالی ——— اسرار معاملات الدین ——— اسرار الانوار الالہیہ :-

:- اداب الصوفیہ ——— یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، اور زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

:- اخلاق الابرار[۱۳] والنجاۃ من الاشرار

:- الادب فی الدین۔ یہ چند اجزا پر مشتمل ہے اور طبع ہو چکا ہے

:- اسرار اتباع السنۃ ——— الاشراف فی مسائل الخلاف

:- اسرار الحج، یہ رسالہ فقیہ شافعی کے مسائل متعلقہ پر مشتمل ہے۔ چھپ چکا ہے :

:- ایہا الولد ——— زبیدی اور دیگر مورخ لکھتے ہیں کہ یہ فارسی میں لکھا گیا تھا جس کا ترجمہ بعض علماء نے عربی میں کیا ہے

یہ رسالہ مصر سے شائع ہو چکا ہے۔ نیز جرمنی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

:- الاجوبۃ الغزالیہ فی المسائل الاخرویہ۔ اس کتاب کا دوسرا نام "المضنون الصغیر" ہے۔

-: القانون ——— یہ بغیر کسی ترتیب کے ۱۹۰ مسائل پر مشتمل ہے۔

-: فضائل القرآن ——— فاتحۃ العلوم ———

-: فضایح الاباحیہ[۱۱] ——— اس کتاب میں مذہب اباحیہ کا رد کیا ہے۔

-: الفکرۃ والعبرۃ ——— فیصل التفرقہ، بربت الاسلام والزندقہ ——— فواتح السہہ

———

-: الفرق بین الصالح وغیر الصالح - زبیدی کا قول ہے کہ یہ کتاب نصیحتہ الملوک کے نام سے بھی موسوم ہے۔

-: فضائح الباطنیہ ——— اس کتاب کے بارے میں جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ یہ قرامطہ اسماعیلیہ اور اسی طرح کے دوسرے باطنی فرقوں کی تعلیمات پر مشتمل ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے[۱۲]۔

-: القانون الکلی ——— قانون الرسول ——— القربۃ الی اللہ ——— القسطاس المستقیم ——— القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل ——— القواعد العشرہ ———

-: کیمیائے سعادت :- یہ کتاب فارسی زبان میں غزالی کی بزرگ ترین اور اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا موضوع اخلاق ہے۔ یہ ۴۹۰ ——— ۵۰۰ھ کے مابین تالیف ہوئی یہ کتاب احیاء العلوم کے بعد اور المنقذ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ المستصفی بھی اس سے قبل تالیف ہوچکی تھی۔

-: کشف علوم الآخرہ ——— کسر الشھوتین ——— کنز العدہ ——— الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین ———

-: اللباب المنتخل ——— یہ کتاب فن جدل میں لکھی گئی ہے

-: المستصفی ——— اس کتاب کا موضوع اصول فقہ ہے۔ خاص ضخیم کتاب ہے جو دو جلدوں میں آئی ہے۔ اس کی تالیف ۶ محرم ۵۰۳ھ میں تمام ہوئی[۱۳]۔ اس کتاب کی تلخیص ابوالعباس احمد بن محمد اشبیلی متوفی ۶۵۱ھ نے کی ہے اور ابوعلی حسن بن عبدالعزیز فہری متوفی ۶۲۶ھ نے اس کی شرح لکھی ہے اور سلیمان بن داؤد غرناطی متوفی ۶۳۲ھ نے اس کی تعلیق لکھی

خلاصۃ التصانیف ـــــ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، اس کا موضوع تصوف ہے۔ محمد امین نقشبندی نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا ہے، زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

ـ: خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل ـــــ یہ غزالی کی مشہور ترین کتابوں میں ہے، اس کا موضوع فقہہ ہے۔ غزالی نے خود کہا ہے کہ میں نے یہ کتاب مختصر مزنی سے تلخیص کی ہے، اور متعدد مطالب کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے[۱۵]۔

ـ: الدرۃ الفاخرہ فی کشف علوم الآخرہ ۔

ـ: الدرج ـــــ غزالی نے المنقذ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب مذہب التعلیمیہ کے رد میں تالیف کی ہے ۔

ـ: رسالۃ الاقطاب ـــــ ریاضۃ النفس ـــــ الرسالۃ الوعظیہ رسالۃ الطیر ـــــ روضۃ الطالبین وعمدۃ السالکین ـــــ الرد علی من طغی[۱۶] ـــــ الرسالۃ الاتیہ ـــــ الرسالۃ القدسیہ

یہ کتاب باشندگان قدس کے لئے علم کلام پر لکھی ہے

ـ: الذہب الفائح ـــــ زاد الآخرہ

ـ: اسرار المصون ـــــ زبیدی کا قول ہے کہ یہ مختصر سی کتاب ہے کہ آیات قرآنی کو بہ اسلوب تازہ قلمبند کیا ہے ۔

ـ: شرح دائرۃ علی بن ابی طالب، موسوم بہ نخبۃ الاسرار

ـ: شفاء الغلیل فی بیان مسئلۃ التعلیل ۔

ـ: عقیدہ المصباح ـــــ عقیدہ اہل السنۃ ـــــ عجائب صنع اللہ

ـ: عنقود المختصر ـــــ یہ مختصر المقتصر کی تلخیص ہے، جو ابو محمد جوینی کی تصنیف ہے

الغایۃ القصوی ـــــ غور الدار ـــــ غایۃ النور ۔ فی مسائل الدور ۔

کے نام کی گئی ہے۔

-: مواہم الباطنیہ ـــــ یہ بھی فرقہ باطنیہ کے رد میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ کتاب مستظہری کے علاوہ ہے۔

-: میزان العمل ـــــ اس کا موضوع ہے علم النفس، شرف، تعلیم اور تعلم۔

-: المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ ـــــ المنہاج الاعلیٰ ـــــ معارج القدس ـــــ منہاج العارفین ـــــ المکنون ـــــ المعارف العقلیہ والحکمۃ الالٰہیہ ـــــ

-: منہاج العابدین الی جنۃ رب العالمین ـــــ مشہور ہے کہ یہ غزالی کی آخری کتاب ہے۔

بعض علماء نے اس کتاب کی بھی شرح و تلخیص کی ہے۔ چنانچہ شمس الدین بلاطسی نے اس کی دو شرحیں لکھی ہیں۔ ایک مختصر، ایک مفصل، علاوہ ازیں انہوں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے اس کا نام "لبغیۃ الطالبین" رکھا ہے۔ سبکی نے "تالیفات غزالی کی فہرست میں اس کتاب کا نام نہیں دیا۔

زبیدی کا قول ہے کہ میں نے شیخ محی الدین معروف بہ ابن عربی کی کتاب المسامرہ میں پڑھا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن علی بن خلیل سبتی ایک مرد عارف و گمنام تھے۔ میں نے انہیں سبتہ میں ملاقات کی ہے اور ان سے گفتگو کا موقع بھی ملا ہے۔ ان کی تصنیفات پر بھی میں نے ایک نظر ڈالی جس میں منہاج العابدین بھی تھی جو غلط طور پر ابوحامد غزالی سے منسوب ہے

-: مدخل السلوک الی منازل الملوک۔

-: مفصل الخلاف ـــــ یہ کتاب اصول قیاس کے فن پر مشتمل ہے

-: نصیحۃ الملوک ـــــ یہ فارسی زبان میں ہے اس کا موضوع حکمت عملی اور اخلاق ہے۔

-: نوادر الاخبار ـــــ نور الشمعۃ

-: الوجیز ـــــ یہ فن فقہ میں ہے۔ غزالی کی معروف واہم کتابوں میں

ہے۔

—: المنخول —— اس کا موضوع علم اصول ہے، جیساکہ غزالی کے مکاتیب مندرجہ رسالہ فضائل الانام اور نوشتہ سبکی در طبقات الشافعیہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غزالی نے یہ کتاب عہدِ جوانی میں جب کہ ان کے استاد امام الحرمین زندہ تھے سپرد قلم کی تھی۔

یہی وہ کتاب ہے جس کی آڑ لیکر دشمنانِ غزالی نے یہ ڈھنڈورا پیٹا تھا کہ اس میں امام ابوحنیفہ پر طعن ہے۔

زبیدی نے مقدمہ شرح احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ یہ کتاب احیاء العلوم سے پیشتر لکھی گئی تھی۔ لیکن یہ بات خود غزالی کی تصریحات مندرجۂ المستصفی کے خلاف ہے۔ درحقیقت زبیدی کو اشتباہ ہوگیا ہے۔

—: مقاصد الفلاسفہ ——— یہ کتاب جیساکہ خود اس کے مقدمہ میں لکھا ہے درحقیقت تہافتہ الفلاسفہ کے مقدمہ کے طور پر لکھی تھی تاکہ قارئین فلاسفہ کے عقائد سے پہلے واقف ہولیں۔ اس کے بعد آراء نادر سے واقفیت بہم پہنچالیں۔

—: المنقذ من الضلال ——— یہ کتاب ۵۰۰ھ کے حدود میں لکھی گئی۔ یہ غزالی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ ژاں ژاک روسو نے اپنے جو "اعتراضات لکھے ہیں۔ وہی انداز اس کا بھی ہے۔

دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے

—: معیار العلم ——— اس کتاب کا منطق ہے

—: المرشد الامین الی موعظۃ المتقین ——— یہ احیاء العلوم کا خلاصہ ہے

—: المآخذ ——— المبادی و الغایات ——— مکاشفۃ القلوب

المضنون بہ علی اہلہ ——— مسلم السلاطین ——— منہاج المسترشدین ——— معراج السالکین ——— محک النظر ——— معیار النظر ———

مشکوٰۃ الانوار ———

—: مستظہری ——— یہ فرقہ باطنیہ کے رد میں لکھی گئی ہے اور خلیفہ المستظہر باللہ عباسی

ابن خلکان نے تقی الدین عثمان معروف بہ ابن صلاح کے حالات و سوانح کے ذیل میں لکھا ہے کہ انہوں نے کتاب وسیط کے اشکالات پر بحث کی ہے۔

صفدی نے لکھا ہے کہ کتاب وسیط مولفات فقہ میں بے ہمتا ہے۔

اس کتاب کے حاشیہ نگاروں میں عماد عبدالرحمٰن بن علی مصری ہیں۔

کتاب وسیط و بسیط اور وجیز تینوں فروع فقہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پہلی مفصل ہے، دوسری متوسط اور تیسری مختصر۔

انہی ناموں سے واحدی[۲۰] کی تین کتابیں ہیں۔ اسی وجہ سے غزالی پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب کے مطالب اپنے استاد امام الحرمین سے اور کتابوں کے نام واحدی سے لئے ہیں۔

-: الوقف والابتداء ——— یہ فن تفسیر میں ہے۔

-: یاقوت التاویل فی التفسیر التنزیل ——— یہ چالیس مجلدات میں قرآن کی تفسیر ہے۔

تعلیقات :-

۱ ۔ ملاحظہ ہو مراۃ الجنان یافعی، ج ۳

۲ ۔ "کراسہ" کسی کتاب کے جز یا ایک حصہ کو کہتے ہیں (رئیس احمد جعفری)

۳ ۔ مقدمہ زبیدی، در شرح احیاء العلوم ج ۱

۴ ۔ جرجی زیدان "تاریخ آداب اللغۃ العربیہ"

۵ ۔ کتاب الاعلام

۶ ۔ کتاب سر العالمین، کے مقدمہ میں احوال غزالی

۷ ۔ مثلاً ہفت رسالہ جو چھوٹے چھوٹے پانچ صفحوں پر ہے اور مصر میں چھپ چکا ہے۔ رسالہ وعظیہ یہ چھ صفحہ کا ہے۔ تو الاعشرہ

۸ ۔ بعض لوگوں کو تالیفات غزالی کی فہرست تیار کرتے ہوئے اشتباہ ہو گیا ہے۔ ایک کتاب

اس کا شمار ہوتا ہے ۔ اس کتاب کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر غزالی نے دعوائے نبوت کیا ہوتا تو معجزہ میں یہ کتاب پیش کرتی تھی[۱۹] اس کے بہت شروح، حواشی، توضیحات اور انتقادات لکھے جا چکے ہیں ۔ بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ ستر شرحیں اس کی لکھی گئی ہیں ۔

اس کتاب کے شارحین میں حسب ذیل اکابر خاص طور پر قابل ذکر ہیں :-

۱ــ امام فخر الدین رازی

۲ــ ابو الثنا محمود بن ابی بکر ارموی

۳ــ ابو حامد محمد بن یوسف اربلی ۔

۴ــ ابو الفتوح عجلی

۵ــ ابو القاسم عبد الکریم بن محمد قزوینی، رافعی، انہوں نے اپنی شرح کا نام "العزیز علی الوجیز" رکھا ہے اور نووی نے اس کی تلخیص کی ہے۔ جس کا نام "الروضہ" ہے

جن لوگوں نے اس کتاب سے احادیث کا استخراج کیا ہے ان میں ایک بزرگ ابن ملقن ہیں جو "البدر المنیر" کے نام سے سات جلدوں میں آئی ہیں ۔ پھر چار جلدوں میں اختصار کیا ہے اور اس کا نام "الخلاصہ" رکھا ہے ۔ پھر ایک جلد میں مزید تلخیص ہے جس کا نام المنتقی ہے ۔

علاوہ ازیں ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کی تلخیص کی ہے ۔

نیز جن دوسرے لوگوں نے "الوجیز" سے احادیث کا استخراج کیا ہے ان میں بدر بن جماعہ بدر زرکشی ۔ شہاب بوخیری اور جلال الدین سیوطی قابل ذکر ہیں

الوجیز کا اصل نسخہ ۱۳۱۸ھ میں مصر سے طبع ہو چکا ہے ۔

الوسیط ـــــ یہ کتاب فن فقہ میں لکھی گئی ہے

کتاب وسیط غزالی کی پانچ متداول کتابوں ـــــ احیاء العلوم، وسیط، ـــــ بسیط ـــــ وجیز ـــــ خلاصہ ـــــ میں ہے، ان کے شاگرد محمد بن یحییٰ نیشاپوری نے اس کتاب کی شرح کئی ضخیم مجلدات میں "المحیط" کے نام سے کی ہے ۔ اس کے علاوہ بھی اس کتاب کے بہت سے شروح وحواشی لکھے گئے ہیں جن کا ذکر زبیدی نے شرح احیاء العلوم اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے

۵۴

غزالی کی طرف منسوب
بعض دوسری کتابوں کی تفصیل

غزالی کی ایک سو چوبیس کتابیں تو تسلیم شدہ ہیں کہ انہوں نے لکھیں، لیکن ان کے علاوہ بھی بعض کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ بعض کے متعلق یقین ہے کہ ان کی ہیں، بعض مشتبہ اور مشکوک ہیں۔ وہ کتابیں یہ ہیں :۔

۱۔ السر المکتوم فی اسرار النجوم ——— بعض اس کتاب کی نسبت غزالی کی طرف کرتے ہیں۔ بعض امام فخر الدین رازی کی طرف، بعض کچھ دوسرے لوگوں کی طرف

۲۔ تحسین الظنون ——— زبیدی نے اسے ان کتابوں میں شمار کیا ہے جو منسوب تو غزالی کی طرف ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی نہیں ہیں۔
شیخ اکبر نے اسے موضوع قرار دیا ہے

۳۔ النفخ و التسویہ ——— اکثر محققین کی رائے ہے کہ غزالی کی طرف اس کتاب کی نسبت جعل سازی ہے۔

ابن طفیل نے رسالۂ حی بن یقظان میں اس کتاب کو غزالی کی کتاب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اندلس میں اس کا مطالعہ کیا ہے

۴۔ المضنون بہ علی غیر اہلہ ——— غزالی کی طرف اس کتاب کی نسبت مشتبہ ہے۔

خود غزالی نے کتاب جواہر القرآن میں لکھا ہے کہ میں نے بعض ایسی کتابیں لکھی ہیں کہ نا اہل لوگوں سے ان کا پوشیدہ ہی رہنا بہتر ہے۔
یافعی نے اس کتاب کو غزالی کی کتاب تسلیم کیا ہے

جوکئی ناموں سے مشہور رہے - اسے انہوں نے چند کتابیں قرار دے لیا ہے - یا احیاء العلوم کے چند فصول جو مستقل عنوانات کے تحت ہیں - انہیں ایک جداگانہ کتاب تصور کر لیا ہے، لیکن میں نے جو فہرست مرتب کی ہے - وہ ان کتابوں پر مشتمل جو مطبوعہ یا مخطوطہ صورت میں میری نظر سے گذری ہیں یا جن کا ذکر خود غزالی نے احیاء العلوم یا منقذ میں کیا ہے -

۹ طبقات الشافعیہ و کتاب اتحاف السادۃ المتقین -

۱۰ ملاحظہ ہو مقدمہ شرح زبیدی بر احیاء العلوم، نیز کشف الظنون -

۱۱ صفوی :- لدالواحی بالوفیات -

۱۲ زبیدی :- در شرح احیاء العلوم

۱۳ مراۃ الجنان میں اس کا نام اختلاف الابرار والنجات من الاشرار ہے -

۱۴ ابو اسماعیل بن یحییٰ مزنی ولادت ۱۷۵ھ وفات ۲۶۴ھ

۱۵ یہ طبقات الشافعیہ کے ذکر پر مشتمل ہے زبیدی نے مقدمہ شرح احیاء العلوم میں اس کا نام "الرد علی من طعن" لکھا ہے -

۱۶ زبیدی نے اس موضوع پر غزالی کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں ایک "مفاتح الاباحیہ" ہے -

۱۷ صاحب روضات نے ایک کتاب "فتوح القرآن" کی بھی غزالی کی طرف نسبت کی ہے -

۱۸ ابن خلکان طبع طہران ج ۲ ص ۳۷ - والمعجم المطبوعات العربیہ -

۱۹ - زبیدی

۲۰ ، ابو الحسن علی بن احمد بن محمد واحدی مفسر نیشا پوری نے تفسیر میں بہت کتابیں مذکورہ ناموں سے لکھی ہیں - ان کی وفات نیشاپور میں بہ ماہ جمادی الآخر ۴۶۸ھ میں ہوئی - غزالی نے احیاء العلوم میں اس کا نام لیا ہے ؛

میں پیدا ہوئے - پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ غزالی نے معری سے اپنے عہد شباب میں ملاقات کی ہو اور اس کی زبان سے شعر سنے ہوں، پس اس مثال سے اور اسی طرح کی دوسری مثالوں سے کہ جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی - ثابت ہوتا ہے کہ یہ جعل سازی ہے اور دروغ گو را حافظہ نہ باشد کے مصداق اس کتاب کے اصل مصنف نے غلط طور پر عمداً غزالی سے اسے منسوب کر دیا ہے ،

اس کتاب کے ۱۹ ویں مقالہ میں گنڈے ، تعویذ، کیمیا، سیمیا، طلسمات، خواص اشجار و نباتات وغیرہ کا ذکر ہے - بھلا احیاء العلوم ، المنقذ من الضلال اور تہافت الفلاسفہ لکھنے والا قلم ان آلودگیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے ؟ یہ ایک اور ثبوت اس کتاب کے جعلی ہونے کا ہے

اس کتاب کے ۲۳ ویں مقالہ میں طب، معجون اور ادویہ واغذیہ واشربہ کی بحث ہے ان مباحث سے غزالی کو کیا تعلق ؟

اس کتاب کے ۲۹ ویں اور ۳۰ ویں مقالہ میں طائفہ الطیبہ و صوفیہ صافیہ از قبیل حسن بصری سفیان بن عیینیہ - طائی ظاہری ، ابو حنیفہ مالک بن انس ، احمد بن حنبل اور اسی طرح کے دوسرے اکابر کو علمائے آخرت میں شمار کیا ہے

اگر شیعہ مصنفین کے قول کے مطابق غزالی تسنن سے برگشتہ ہو گئے تھے اور متعصب شیعہ بن گئے تھے تو ان اشخاص کو علمائے آخرت میں شمار کر سکتے تھے ؟

بہرحال راقم سطور کے خیال میں یہ بات شک و شبہہ سے بالاتر ہے کہ یہ کتاب ہرگز غزالی کی تصنیف نہ ہے نہ ہو سکتی ہے

یہ کتاب تناقض سے بھری پڑی ہے ، اس کا مصنف کہیں کٹر ماسنی ہے ، کہیں متعصب شیعہ کہیں فیلسوف برہانی ، اور کسی جگہ مردجن گیر وافسوں خواں ، ——— کتنی حیرت کی بات ہے

تعلیقات :-

لے کتاب المعجم المطبوعات العربیہ میں اس کتاب کی تالیف باطنیہ کی طرف منسوب ہے ::

سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ ابن صلاح اس کتاب کو غزالی کی طرف نسبت دیتے ہیں ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی نہیں ہے کیونکہ اس کتاب میں قدم عالم اور انکار علم قدیم (بہ جزئیات) تصریح کے ساتھ موجود ہے ۔ حالانکہ غزالی ایسی باتیں کرنے والے کو کافر کہتے ہیں

زبیدی لکھتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ میرے سامنے ہے اور تحفۃ الارشاد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب غزالی کی نہیں ہے ۔ نیز کتاب المسامرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ کتاب دراصل علی بن خلیل سبتی کے مؤلفات میں سے ہے ۔

مصر سے یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ ابو بکر محمد بن عبداللہ مالقی متوفی ۵۸۰ھ نے ایک کتاب اس کے رد میں لکھی ہے ۔

(۵) سر العالمین و کشف ما فی الدارین ——— یہ کتاب طہران، ہندوستان اور مصر سے ۱۳۰۵، ۱۳۱۴، ۱۳۲۴ میں طبع ہو چکی ہے

دوسری جو کتابیں مشکوک اور مشتبہ طور پر غزالی سے منسوب ہیں وہ ہنوز شک و تردید کے مرحلے میں ہیں۔ لیکن یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ یہ کتاب عمداً غزالی کے سر تھوپی گئی ہے ۔ اور ان کے نام مشہور کر دی گئی ہے ، تاکہ انہیں باطنیہ و شیعہ کا حامی اور طرف دار ثابت کیا جائے ۔[1]

اس کتاب کے مقالہ چہارم میں علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی تصریح موجود ہے اور حدیث غدیر خم کو اس دعوے پر دلیل قاطع شمار کیا ہے ۔ شیعہ مصنفین اس کتاب کی رو سے غزالی کا تشیع ثابت کرتے ہیں ۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ غزالی نے مذہب سنت و جماعت یکسر ترک کر دیا تھا اور خالص شیعہ بن گئے تھے ۔

میں نے اس کتاب کا بہ امعان نظر مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غزالی کی طرف اس کا انتساب جعل سازی ہے مثلاً اس کتاب کے ۲۵ ویں مقالے میں جو تہذیب نفوس پر مشتمل ہے ۔ غزالی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے عہد شباب میں خود معری کو شعر خوانی کرتے سنا ہے ۔ پھر اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں

لیکن ابو العلا معری کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی اور غزالی اس کی وفات کے ایک سال بعد ۴۵۰ھ

جوینی (۴۱۹ - ۴۷۸ ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے شافعی علماء میں تھے، جو اشعریت کی طرف مائل تھے پانچویں صدی کے بہت سے علماء و فضلاء ان کے شاگرد ہیں۔ ان کی بارگاہ علم میں ہر شہر و دیار، مثلاً عراق، خراسان، مکہ اور حجاز کے طلبہ آیا کرتے تھے، ان کی بارگاہ علم سے تقریباً چار صد طلبہ عالم یگانہ بن کر نکلے۔

امام الحرمین کا پورا خاندان اہل فضل و ارباب علم و ادب میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے والد رکن الاسلام جوینی متوفی ۴۳۸ ھ اور چچا علی بن یوسف متوفی ۴۶۳ ھ اپنے وقت کے جید علماء میں گنے جاتے تھے۔

ابوالمعالی نے تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ عنفوان شباب میں حافظ ابونعیم اصفہانی سے سماع حدیث کی اور ان سے اجازت روایت حاصل کیا، اور بہت جلد شہرت عام حاصل کر لی۔ علم اصول کی تحصیل ابوالقاسم اسفرائنی متوفی ۴۵۲ سے کی۔

ابوالمعالی ابو اسحاق شیرازی یکے از علمائے بزرگ کے ہم عصر تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے تھے، ابو اسحاق انھیں استاد شرق و غرب کے نام سے یاد کرتے تھے، اور ابوالمعالی بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔

معتزلہ، اشاعرہ اور حنفیہ کے مابین ۴۴۰ ھ ۴۵۶ ھ تک بلوا، شورش، اور فساد کا جو سلسلہ جاری رہا۔ نیز فتنہ عمید الملک کندری کے دور میں جو ۴۵۶ ھ میں خراسان کے اندر جاری رہا اور جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشاعرہ اور روافض بر سر منبر ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگے۔ ابوالمعالی بھی گرفتار مصیبت ہوئے اور نیشاپور سے بالآخر انھیں رخت سفر باندھنا پڑا۔ ایک روایت کے مطابق تنہا اور ایک دوسری روایت کے مطابق حافظ ابوبکر بیہقیؒ و امام قشیری کے ساتھ نیشاپور سے باہر نکلے،

ابوالمعالی مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں چار سال تک رہے، وہاں کے دوران قیام میں درس و فتوے کا سلسلہ جاری رکھا۔

پھر الپ ارسلان کے عہد میں اور خواجہ نظام الملک کے دور وزارت میں وطن واپس آئے نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور انہی کے لیے قائم کیا۔

اس اثنا میں ایک مرتبہ یہ اصفہان بھی گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد نیشاپور واپس آگئے۔

ابوالقاسم دلّوہی نے اصفہان میں ابوالمعالی سے مناظرہ کیا اور ان کی توہین کی۔

استادان ومشائخ غزالی

ادب وفقہ، اصول وکلام، فن خلاف وجدل، حدیث وروایت، اور دیگر علوم وفنون میں غزالی نے کئی اساتذہ ومشائخ کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا اور ان سے فیض حاصل کیا، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ ان کی غیر معمولی محنت اور شفقت علمی کا نتیجہ ہے۔

فلسفہ میں جیساکہ انھوں نے خود المنقذ میں فرمایا ہے ان کا کوئی استاد نہیں تھا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کے دوران تدریس کے آخری تین سالوں (۴۸۴ - ۴۸۸) میں زیادہ تر وہ فلسفہ کے مطالعہ میں منہمک رہے، چونکہ مقدمات کلام ومنطق واصول میں کہ وہ قواعد فلسفہ سے آمیز ہیں وہ غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، چنانچہ ان میں اتنی استعداد تھی کہ بطور خود اس علم کی تحصیل کرسکیں، پھر بھی میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بغیر کسی استاد کے رموز ودقائق فلسفہ ایسی دست گاہ حاصل کرلینا ایک مافوق العادت کرشمہ ہے۔

مشائخ طریقت اور مشائخ روایت سے بھی غزالیؒ نے استفادہ کیا۔ اب ہم ذیل میں ہر طبقہ علم و فن کے استادان ومشائخ غزالی کی ایک اجمالی فہرست پیش کرتے ہیں۔

(۱) **ابوحامد احمد بن محمد رادکانی طوسی**: یہ وہ پہلے استاد ہیں جن سے غزالی نے فقہ وادب کی تحصیل کی۔

(۲) **ابونصر اسماعیلی جرجانی**: محمد بن ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل، یہ غزالی کے دوسرے مشہور استاذ ہیں فقہ اور فن خلاف کی تحصیل غزالی نے انہی سے کی، ان سے تحصیل علم کے لیے غزالی نے طوس سے جرجان تک کا سفر اختیار کیا۔

(۳) **امام الحرمین ابوالمعالی جوینی**: ضیاء الدین ابوالمعالی عبدالملک بن ابومحمد عبداللہ بن یوسف

۸ - **ابومحمد عبداللہ بن محمد بن احمد خواری** : یہ بھی غزالی کے مشائخ روایت میں سے ہیں۔

۹ - **الحاکم ابوالفتح نصر بن علی بن احمد حاکمی طوسی** : یہ غزالی کے استاد حدیث، اور شیخ روایت تھے۔

۱۰ - **ابوعلی فارمدی** : فضل بن محمد بن علی یہ فارمد کے رہنے والے تھے، غزالی نے تصوف انہی سے حاصل کیا۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے عارف، زاہد اور صوفی تھے۔

سالِ ولادت ۴۰۷ھ، وفات طوس میں ہوئی۔ بہ ماہِ ربیع الاول ۴۷۷ھ

ان کے تفصیلی حالات درکار ہوں تو ابن خلکان، طبقات الشافعیہ اور مرآۃ الجنان و نفحات الانس وطرائق الحقائق، اور خزینۃ الاصفیا سے رجوع کیا جائے۔

۱۱ - **ابوبکر نساج** : ابوبکر بن عبداللہ، نساج ان کا شمار خراسان کے مشائخ صوفیہ میں ہوتا ہے غزالی کی راہنمائی تصوف کے میدان میں انھوں نے کی۔ امام احمد غزالی بھی ان کے ارادت مند تھے، اور ان کے رشتۂ طریقت سے وابستہ تھے۔

ابوبکر نساج شیخ ابوالقاسم گرگانی متوفی ۴۵۰ کے مرید تھے۔ ان کی وفات خزینۃ الاصفیا کے بیان کے مطابق ۴۸۷ھ میں ہوئی۔

تعلیقات

؎ ابوبکر خسروجودی بیہقی، یہ رہنے والے خسروجود کے تھے لیکن اقامت نیشاپور کی اختیار کر لی تھی سال ولادت ۳۸۴ھ سال وفات ۴۵۸ھ ان کے مؤلفات میں کتاب سنن صغیر، ومناقب امام احمد وکتاب البعث والنشور مشہور ہیں۔

امام الحرمین کی ولادت محرم ۴۱۹ھ میں اور وفات یرقان کے مرض میں ۲۵ ربیع الآخر ۴۷۸ھ میں ہوئی۔ ان کا ماتم بڑے زور شور سے منایا گیا۔ تمام بازار بند ہوگئے اور ایک مہینہ تک کسی نے سر پر عمامہ نہیں رکھا۔ شعراء نے پردرد مرثیے لکھے،

مؤلفات ابوالمعالی :

۱ - نہایہ ——— یہ فقہ کے فن میں ہے۔

۲ - ارشاد و شامل ——— یہ اصول دین کے فن میں ہے۔

۳ - برہان ——— یہ اصول فقہ میں ہے۔

۴ - غیاث الامم و مغیث الحق ——— دوسرے فقہی مذاہب پر مذہب شافعی کی ترجیح، اس کا موضوع ہے۔

۵ - رسالۂ نظامیہ

ابوالمعالی کے تفصیلی حالات و سوانح کے لیے کتاب طبقات الشافعیہ اور ابن خلکان و یافعی سے رجوع کیا جائے۔

۴ - **حافظ ابوالفتیان** : عمر بن عبدالکریم، یہ غزالی کے اساتذۂ حدیث اور مشائخ روایت میں ہیں ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور سبکی نے طبقات شافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے،

سال ولادت ۴۲۸ھ سال وفات ماہ ربیع الآخر ۵۰۳ھ بمقام سرخس،

۵ - **ابوسہل حفصی مروزی** : محمد بن احمد بن عبیداللہ استاد و شیخ روایت خواجہ نظام الملک غزالی نے عہد جوانی میں ان سے سماع حدیث کیا ہے۔

سال وفات ۴۶۶ھ

۶ - **نصر بن ابراہیم مقدسی** : شیخ شافعیۂ شام، متوفی ۴۹۰ھ یہ بھی غزالی کے مشائخ روایت میں ہیں۔

۷ - **محمد بن یحییٰ بن محمد شجاعی زوزنی** : کچھ عرصہ تک غزالی نے زوزن میں ان سے حدیث کی سماعت کی ہے۔

پر زور مرثیہ لکھا تھا،

آں مصر مملکت کہ تو دیدی خراب شد
واں نیل کرمت کہ شنیدی سراب شد
گردون سر محمد یحییٰ بباد داد
محنت نصیب سنجر مالک رقاب شد
اے مشتری ردا بینداز بر کہ طیلسان
در گردن محمد یحییٰ طناب شد

اس حادثۂ سخت میں خراساں کے بہت سے علماء و فضلا کہ شاگردان غزالی تھے ایسے مصائب میں گرفتار ہوئے کہ جان پر بن گئی۔

ذیل میں ہم چند شاگردان غزالی کا ذکر کرتے ہیں۔

جو لوگ غزالی کے جملہ شاگردوں کے نام، اور ان کے تفصیلی حالات سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ انھیں چاہیئے کہ ابن خلکان، تذکرۃ الحفاظ، و طبقات الشافعیہ و مرآت الجنان کا مطالعہ کریں

۱۔ امام محی الدین محمد بن یحییٰ ابن ابی سفور: ابن خلکان نے ان کی کنیت ابو سعد، اور طبقات الشافعیہ میں ابوسعید لکھی ہے۔

امام محمد یحییٰ خراساں کے اکابر میں تھے، اور غزالی کے شاگردان رشید میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ نیشاپور کی علمی اور روحانی ریاست انہی کے حصہ میں تھی، ایک عرصہ دراز تک نظامیہ نیشاپور میں اور کچھ عرصہ تک نظامیہ ہرات میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، اس وقت کے علماء و فضلا کی ایک بڑی جماعت ان کی شاگرد تھی، انھوں نے زیادہ تر کسب علم غزالی سے کیا کچھ عرصہ تک ابوالمظفر خوانی سے بھی پڑھا، جو غزالی کے ہمدرس تھے۔

امام یحییٰ کی ولادت ۴۷۶ھ میں ہوئی، یہ غزاں کے ہاتھوں رمضان ۵۴۸ھ قتل ہوئے، انہیں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا۔ منہ میں مٹی بھر دی گئی، اور چادر گردن میں ڈالکر کھینچی گئی، آخر سختی کی تاب نہ لاکر وفات پاگئے۔

جس سال امام محمد یحییٰ قتل ہوئے اسی سال متکلم معروف ابوالفتح محمد ابن عبدالکریم شہرستانی

شاگردانِ غزالی

اپنے عہد میں غزالی دانشمند یکتا تھے۔ چار سال تک نظامیہ بغداد میں اور تقریباً ایک سال نظامیہ نیشاپور میں درس و تدریس کی مسند پر بیٹھے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے اوقات و مقامات پر طالبانِ علم جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا دستور ہی یہ تھا کہ جہاں کسی فاضل یگانہ کا سراغ لگتا جوئندگانِ علم دیار و امصار سے اس کی خدمت میں پہنچنے لگتے اور ہر وسیلہ کو کام میں لا کر اس سے استفادہ کرتے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ غزالی کو طالب علموں سے کبھی نجات نہیں ملی۔

شاگردوں کی کثرت تعداد: جب وہ بغداد میں تھے تو تین سو کے قریب تشنگانِ علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوا کرتے۔ نیشاپور میں بھی ایک بڑی تعداد ان کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے حاضر رہا کرتی، طوس میں جب آخر ایک خانقاہ کی بنا ڈال کر وہاں بیٹھ رہے تو ڈیڑھ سو کے قریب اصحاب ورع ان کے حلقے میں بیٹھنے لگے، اور ان کی مجالس درس و موعظت سے بہرہ مند ہونے لگے۔ چھٹی صدی ہجری کے علماء اور دانش وروں کی ایک بڑی تعداد خاص طور پر قلمرو خراسان کی ان کے شاگردوں اور تربیت یافتوں میں شمار ہوتی ہے۔ کتب تراجم و رجال سے ان کے اسماء اور حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔

شاہ تاتار غزنی یورش نے اور اس کے ہاتھوں سلطان سنجر کی پنج سالہ اسیری نے سارے ایران کو زیر و زبر کر دیا۔ نیشاپور اور دیگر بلاد خراسان پر قیامت گزر گئی، یہ واقعہ ۵۴۸ھ کا ہے اس داستان درد، اور حوادث وحشت انگیز کی تاریخ، ابن اثیر، ابوالفدا، ابن خلکان، عماد کاتب، اصفہانی، اور دوسرے مورخوں کے بیانات سے بہ تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔

خاقانی کا مرثیہ: خاقانی نے امام محمد بن یحییٰ نیشاپوری کے قتل پر جو غزکے ہاتھوں ہوا۔ ایک بڑا

۸- استاد ابو طالب رازی -
عبدالکریم بن علی - بن ابی طالب -

۹- ابوالفتح باقرجی :- عبدالواحد بن حسن ۵۱۷ھ میں بغداد گئے، سلطان سنجر کی سفارش سے وہاں مدرسہ نظامیہ میں مدرس ہو گئے۔ ۶۲۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۱۰- ابن عربی معافری :- ابوبکر محمد بن عبداللہ اندلسی سال ولادت ۴۶۸ھ سال وفات ۵۴۳ھ۔ (ابن خلکان و یافعی)
شذرات الذہب میں ان کی وفات ۵۴۶ھ کے واقعات میں درج ہے۔

۱۱- ابو سعد توقانی :- محمد بن اسعد بن محمد ملقب بہ سادید، یہ بھی ۵۵۴ھ میں حادثہ غزان کے سلسلہ میں شہید ہوئے۔

۱۲- قاضی ابو نصر :- احمد بن عبداللہ بن خمقری تولد ۲۰ شعبان ۴۶۶ھ وفات ربیع الآخر ۵۴۴ھ
انھوں نے طوس میں غزالی سے تحصیل علم کی۔

۱۳- محمد بن تومرت :- ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت معروف بہ مہدی، —— یہ بھی غزالی کے شاگرد تھے، انھوں نے دیار المغرب میں دعوائے مہدیت کیا، اور اقوام بربر، مراکش، اسپین اور نواحی مصر و افریقہ شورش و انقلاب برپا کیا، اور ایک بڑی جماعت اپنے گرد جمع کرلی، طرز دعوت، ترجمہ احوال اور حالات و سوانح، نیز علی بن یوسف بن تاشفین، بادشاہ مراکش سے ان کا معاملہ، ایک طویل سرگزشت ہے، کامل ابن اثیر طبقات الشافعیہ، اور ابن خلکان وغیرہ میں بہ تفصیل موجود ہے،
ابن خلکان نے ان کا سال ولادت ۴۸۵ھ آغاز ظہور و دعوت کا سال ۵۱۴ھ سال وفات ۵۲۴ بتایا ہے۔

۱۴- ابو حامد اسفرائنی :- محمد بن عبدالملک جوسقانی اسفرائنی، انھوں نے غزالی سے تحصیل علم بغداد میں کی۔

(طبقات ج ۲ ص ۱۷۶)

صاحب کتاب ملل و نحل نے بھی وفات پائی -
(دول الاسلام ذہبی و ابن خلکان)

۲ - امام ابو الفتح محمد بن فضل مارشکی :- مارشک طوس کے قریب ایک دیہات ہے یہ بھی غزالی کے مشہور شاگردوں میں ہیں ان کا انتقال بھی فتنہ غزاں کے دور میں (۵۴۹ھ) میں ہوا -

۳ - ابو منصور محمد بن اسد طوسی :- ان کا وطن طوس تھا، رہتے نیشاپور میں تھے۔ طوس میں یہ غزالی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے حلقہ شاگرداں میں شامل ہو گئے، ۵۴۸ھ میں غزاں کا حادثہ پیش آیا، آذربائیجان کی انھوں نے راہ لی، ابن خلقان کی روایت کے مطابق تبریز چلے گئے، ۵۷۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۵۷۳ھ میں وفات پائی -

سال ولادت ۴۸۶ھ،

۴ - ابن برہان فقیہہ :- ابو الفتح احمد بن علی، انھوں نے غزالی اور کیاتے ہراسی سے تحصیل علم کی، پھر مدرسہ نظامیہ بغداد میں درس دینے لگے -

سال ولادت شوال ۴۷۹ھ

سال وفات بہ روایت سبکی ۵۱۸ھ و بہ روایت ابن خلکان ۵۲۰ھ

۵ - تاج الاسلام ابن خمیس :- ابو عبداللہ حسین بن نصر موصلی، متوفی ۵۲۲ھ
(یافعی و ابن خلکان)

۶ - ابو محمد انصاری :- عامر بن دعش، یہ شام کے رہنے والے تھے،
سال ولادت ۵۰۴ھ
سال وفات ۵۳۱ھ

۷ - مروان طنزی :- مروان بن علی بن سلامہ یہ دیار بکر کے رہتے والے تھے، ۵۴۰ھ میں وفات پائی -

۲۳ - ابوالفتح -

نصر بن محمد بن ابراہیم آذر بائیجانی مراغی -

۲۴ - ابوالحسن -

علی بن مطہرؒ بن مکیؒ، بن مقلاس، دینوری، متوفی ۲۷ رمضان ۵۲۳ھ -

۲۵ - ابومحمد صالح بن محمد -

۲۶ - جمال الاسلام ابوالحسن علی بن مسلم -

محمد بن علی جاوانی عراقی سال ولادت ۴۸۶ھ سال وفات

۱۵- ابوسعید :- ۵۴۰ھ-

ابوسعید جاوانی نے کتاب الجام العوام کی روایت اپنے استاد غزالی سے کی ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے-

سال ولادت ۴۵۹ھ سال وفات ۵۴۳ھ-

۱۶- ابراہیم بن محمد غنوی :- انھوں نے غزالی سے علم حاصل کیا- اور ان کے مؤلفات کی کتابت کی-

حسین بن نصر جہنی کعبی، موصل میں ۲ محرم ۴۶۶ھ کو پیدا ہوئے ۵۵۲ھ

۱۷- ابوعبداللہ :- میں وفات پائی-

سبکی نے ابن صلاح سے نقل کیا ہے - کہ ان

۱۸- خلف بن احمد نیشاپوری :- کا انتقال اپنے استاد غزالی کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا-

فقہ کی تعلیم و تحصیل

۱۹- ابوالحسن سعد الخیر بن محمد بن سہل انصاری اندلسی :- انھوں نے غزالی سے کی، ادبیات کا درس ابوزکریا خطیب تبریزی سے لیا، ۵۴۱ھ میں وفات پائی-

کچھ عرصہ تک مدرسہ نظامیہ کے مدرس رہے

۲۰- ابومنصور سعید بن محمد رزاز :- پھر معزول کر دیئے، سال ولادت ۴۶۲ھ

سال وفات ۵۳۹ھ

۲۱- ابوالحسن علی بن محمد-

بن حمویہ بن محمد بن حمویہ جوینی -

۲۲- ابوعبداللہ

شافع بن عبدالرشید متوفی ۲۰ محرم ۵۴۱ھ

- - - - - - - - - - - - - -

امام احمد غزالی

برادر خورد امام محمد غزالی

ابوالفتوح مجدالدین امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی، برادر کوچک امام محمد غزالی، اپنے زمانے کے مانے ہوئے فقیہہ، دانشمند، عالم، زاہد، اور شیخ طریقت تھے، یہ آخری خصوصیت اتنی غالب تھی کہ ان کی شہرت ایک زاہد اور وعظ کی حیثیت سے ہے۔

گوشہ نشینی سے رغبت صوفیاء سے دلچسپی:۔

آغاز جوانی ہی سے یہ گوشہ نشینی کی طرف مائل تھے، اور صوفیوں کی صحبت سے دلچسپی رکھتے تھے وقت کا بڑا حصہ مشایخ کی خدمت میں گزارتے تھے، کئی سال سیر و سیاحت اور خدمت فقراء اور صوفیہ میں گزار دیے، یہاں تک وادی سلوک میں مرتبۂ بلند پر فائز ہو گئے، اور خود شیخ وقت بن گئے، اور ایک بڑی جماعت ان کی معتقد ہو گئی،

ان کے شیخ طریق اور پیشوا ابوبکر نساج ہیں جن کا استادان و مشائخ غزالی کے ذکر میں آچکا ہے ان کے تربیت یافتہ لوگوں میں :—

— • ایک شیخ ابوالفضل بغدادی ہیں جن کا شمار مشائخ معروف صوفیاء میں ہوتا ہے، — سال بعد ۵۵۰ھ

(طرائق الحقائق)

— • دوسرے عارف معروف عین القضاۃ ہمدانی یہ ۵۳۵ھ میں قتل ہوئے، اپنے شیخ سے بے اندازہ ارادت رکھتے تھے، خط و کتابت کا سلسلہ بھی دونوں میں جاری رہتا تھا،

— • تیسرے شیخ ابوالنجیب سہروردی عبداللہ بن سعد ہیں (متولد ۴۹۰ھ متوفی ۵۶۳ھ)

یہ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے، لیکن امام احمد کی صحبت میں آکر کچھ سے کچھ ہوگئے۔ ہر چیز ترک کر دی، گوشہ نشینی اختیار کرلی، ایام ریاضت میں پانی سے بھری ہوئی مشک کندھے پر رکھ کر لے جایا کرتے، اور اسی مزدوری سے آذوقہ کا بندوبست کرتے، اپنے جیسے چند درویشوں کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے ایک ویرانہ میں اقامت رکھتے تھے۔

یہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے چچا اور مربی تھے جو عوارف المعارف کے مصنف اور شیخ سعدی کے ہمعصر ہیں سال ولادت ۵۳۹ھ سال وفات ۶۳۲ھ۔

—— : چوتھے حکیم سنائی غزنوی مشہور معرفت گو شاعر یہ امام احمد کے مرید تھے، سال وفات ۵۲۵ھ۔

بڑے بھائی کی نیابت :-

امام احمد ایک عرصۂ دراز تک اپنے برادر بزرگ کی نیابت کرتے ہوئے نظامیہ بغداد میں فرائض تدریس ادا کرتے رہے ان کے وعظ و پند میں بلا کی حلاوت ہوتی تھی، ان کی مجلس وعظ میں خلقت کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا۔ لوگ بری طرح فریفتہ اور مسحور ان کے بیان سے نظر آتے تھے، بعض لوگ ان کی تقریر نوٹ کر لیا کرتے تھے،

منجملہ ان کے صاعد بن فارس لبانی تھے کہ انھیں نے بغداد میں امام احمد کی ۸۳ مجالس وعظ کے بیانات قلمبند کیے، اور انھیں دو جلدوں میں مرتب کیا۔

احیاء العلوم کی تلخیص احمد کی طرف سے

امام احمد غزالی نے کتاب احیاء العلوم کی تلخیص بھی کی ہے جس کا نام "لباب الاحیاء" ہے، نیز ان کی ایک اور کتاب ہے جس کا نام "الذخیرہ فی علم البصیرہ" ہے، علاوہ ازیں ان کی تالیفات میں ایک کتاب "سوانح" ہے، یہ تصوف میں ہے، یہ فارسی زبان میں ہے جامی نے نفحات الانس میں اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے،

ان کی وفات اصح اقوال کے مطابق ۵۲۰ھ میں ہوئی، دوسری تاریخیں جو ذکر ہوئی ہیں وہ ناقابل اعتنا ہیں۔

امام احمد فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے چنانچہ کتب تذکرہ و رجال میں ان کے اشعار

۵۸

دو غزالی

ابو حامد غزالی بزرگ

شیخ ابو حامد احمد بن محمد طوسی معروف بہ غزالی قدیم، یا غزالی بزرگ، یا غزالی کبیر خراسان کے محدثین و فقہا میں شمار ہوتے تھے، عجیب اتفاق ہے کہ کنیت، نام، نسب نام پدر، وطن، ہر چیز وہی ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالی کی، اس اشتراک اسم نے مورخین کے ایک گروہ کو اشتباہات میں مبتلا کر رکھا ہے مثلاً ابو علی فارمدی شاگرد غزالی بزرگ و استاد امام غزالی مشہور رہیں، لیکن اشتباہ کے باعث بعض مورخ امام غزالی کو فارمدی کا استاد قرار دیتے ہیں۔

سبکی کہتے ہیں کہ بیشتر مردم ان غزالی قدیم سے ناواقف ہیں چنانچہ ان کے بارے میں بعض اوقات خبط و خطا ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سارے مؤلفات جو ۲۰۰ سے ۴۰۰ تک ہیں یہ سب ایک ابو حامد غزالی کے ہیں، یا ہر دو نفر میں مخلوط ہیں[۲]۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے، کہ غزالی کی معروف و اہم ترین کتب از قبیل احیاء العلوم و کیمیائے سعادت، و المنقذ من الضلال، والبسیط، وسیط، وجیز، والمستصفی وغیرہ وغیرہ تو بلا شک و شبہہ امام غزالی کی تصنیف ہیں، جو ان کے زمانہ سے اب تک علماء اور محققین کی مورد افکار اور مطرح افکار چلی آ رہی ہیں دوسرے جو مطالب ان کتابوں میں ہیں ان کی بنا پر فقہا۔ بظاہر کفر کا فتویٰ ان کے لیے صادر کر چکے ہیں علاوہ ازیں ان کتابوں کا شیوۂ تحریر اور انداز نگارش بھی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ امام غزالی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

موجود ہیں۔

تاریخ گزیدہ، وحبیب السیر، دکشکول شیخ بھائی وغیرہ میں امام احمد کے چند شعر درج ہیں جو یہ ہیں:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
با فخر اگر بود ہوس ملک سنجرم
تا یافت جان من خبر از ذوق نیم شب
صد ملک نیم روز بیک جو نمیخرم

معاصران غزالی

اس باب سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ غزالی کے جملہ معاصرین کے احوال و سوانح ضبط تحریر میں لے آئیں۔ اس کام کے لیے تو کئی مجلدات پر مشتمل ایک ضخیم تالیف کی ضرورت ہے۔

پہلے ہم تو صرف ان حضرات کا تذکرہ و تعارف کرانا چاہتے ہیں جو غزالی کے ہم درس تھے یا ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے یا خط و کتابت کی رسم و راہ جاری تھی۔ پھر ہم ان لوگوں کا ذکر کریں گے، جن کا مبہم یا سرسری طور پر فصول گزشتہ میں ذکر آچکا ہے۔ اور جن کے تعارف کا ہم وعدہ کر چکے ہیں، پھر ان حضرات اکابر کا مذکور ہوگا، جو اپنے فہم و دانش کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ ہیں اور ان کے نام سے صرف نظر سنّت تاریخ نویسی میں ناروا ہے، لیکن ان ہر سہ طبقات کے ذکر میں ایجاز و اختصار کو ہم پورے طور پر ملحوظ رکھیں گے۔

نیز امام غزالی کے معاصر، ان کتابوں کے بارے میں اعتراف کرتے ہیں کہ انہی کی ہیں، بعد میں آنے والے لوگوں کی تحقیق بھی یہی ہے۔ معتبر اسناد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام غزالی نے کون کون سی کتابیں تالیف کی ہیں، اور کون سے علمی آثار یادگار چھوڑے ہیں۔
باقی رہے چھوٹے چھوٹے رسالے تو ان کا معاملہ کچھ اتنا زیادہ اہم نہیں، معرکہ آرا جتنی کتابیں ہیں وہ سب بہرحال غزالی ہی کی ہیں۔!

تعلیقات:

[1] کتاب الاعلام میں تالیفات غزالی کی تعداد ۲۰۰ درج ہے اور سر العالمین کے ضمیمہ میں یہ تعداد ۴۰۰ ہے۔

تعلیقات۔

ا۔ طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۳۰۔
انہیں اسماعیلی فدائیوں میں سے ایک شخص نے ہلاک کیا تھا۔

کسی شخصیت کی معرفت کا ایک بڑا ذریعہ وہ ماحول اور سوسائٹی بھی ہے، جس میں اس نے زندگی بسر کی، یا جس سے وہ متمتع ہوا یا جہاں اس نے کسب فیض کیا، اس باب میں اسی امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

ہم سفران غزالی

ابوطاہر ابراہیم بن مطہر شباک جرجانی

یہ نیشاپور میں امام الحرمین کے شاگرد تھے، پھر غزالی کی صحبت سے مستفید ہوئے اور ان کے ساتھ عراق، شام و حجاز کا سفر کیا۔ دوستی و معاشرت کا یہ سلسلہ تقریباً ۲ سال تک جاری رہا۔

ابراہیم شباک سفر حجاز سے واپسی کے بعد اپنے وطن جرجان چلے آئے اور وعظ و تدریس میں مشغول ہو گئے، جس سے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان کے لیے ایک مدرسہ قائم کر دیا، اور شہرت و اقتدار کے عین عالم عروج میں ناگاہ ۵۱۳ھ میں قتل ہو گئے۔

یہ وہی ابراہیم شباک ہیں جو بیت المقدس میں عہد عیسی میں غزالی کے ساتھ تھے، ان کی داستان پہلے گزر چکی ہے۔

غزالی نے ان کے لیے ایک سفارشی نامہ فخر الملک وزیر کو پُرزور الفاظ میں لکھا تھا۔

ابوالقاسم حاکمی طوسی: اسماعیل بن عبدالملک بن علی یکے از شاگردان امام الحرمین صاحب زہد و تقویٰ اور ورع تھے۔ فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ یہ غزالی کے ہمراہ اور ان کے انتہائی وفادار اور جاں نثار دوستوں میں تھے، غزالی بھی ان کا حد درجہ احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ ۴۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۵۲۹ھ میں وفات پائی۔ اپنے دوست غزالی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

غزالی نے جب بغداد سے مہاجرت کی تو ابوالقاسم ساتھ تھے، بلکہ ابن سمعانی کے بیان کے مطابق ہم سفر ہی نہیں ہم کجاوہ بھی تھے۔ غزالی کا انتقال ہوا تو حد درجہ افسردہ اور دل تنگ رہنے لگے۔ ان کے بعد تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

شاگردان برگزیدہ و مقرب میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ تک طوس کے قاضی رہے سنہ ۵۰۰ھ میں وہیں انتقال کیا۔

نیشاپور کے علماء طلاب، ابوالمظفر خوافی کیلئے ہراسی اور غزالی کے مابین مقابلہ کیا کرتے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ سبکی نے خوافی کے بارے میں لکھا ہے:

قال معاصروہ رزق من السعد فی المناظرۃ کما رزق الغزالی من السعد فی المعتقفات۔!

یعنی، ابوالمظفر خوافی مناظرے کے فن میں ویسے ہی یکتا تھے، جیسے غزالی تالیفات و مصنفات میں۔

امام الحرمین اپنے ان تینوں شاگردوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

اَلْغَزَالِیُ بَحْرٌ مُغْدِقٌ وَالْکِیَا اَسَدٌ مُخْبِقٌ وَالْخَوَافِیُ نَارٌ تُحْرِقُ۔!

یعنی، غزالی دریائے بے کراں ہے، کیا شیر غراں اور خوافی آتش سوزاں۔

ان کے صاحبزادے ابوالمعالی (۴۸۴ - ۵۵۶ھ) بھی اپنے وقت کے بڑے فاضل تھے۔

(۳) عبدالجبار بن محمد بن احمد خواری: سنہ ۴۴۵ھ میں پیدا ہوئے، پنجشنبہ ۱۹ شعبان سنہ ۵۳۶ھ کو وفات پائی، یہ انتہا سریع القلم تھے، کتابت ہی ان کا ذریعہ معاش تھا جوینی کی کتاب "مذہب کبیر" ۲۰ مرتبہ سے زیادہ لوگوں کی فرمائش پر نقل کی اور اس کی اجرت حاصل کی۔

(۴) ابونصر سراج: عبدالرحمن بن احمد ولادت سنہ ۴۳۴ھ وفات سنہ ۵۱۸ھ امام الحرمین کے خاص شاگرد اور معیدان درس میں تھے۔

(۵) استاد ابونصر: بن استاد ابوالقاسم قشیری (عبدالرحیم بن عبدالکریم ابن ہوازن) شعر و ادب میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ وزرا اور اعیان کی بارگاہ میں تقرب حاصل تھا۔ اپنے عہد کے دانشمندان معروف میں شمار کیے جاتے تھے، کچھ عرصہ تک نظامیہ بغداد میں جب ابواسحاق شیرازی وہاں مدرس تھے، یہ واعظ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سنہ ۵۱۴ھ میں وفات پائی۔

۶۱

غزالی کے ہمدرسان معروف

پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ غزالی نے علم کا بڑا حصہ امام الحرمین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کر کے حاصل کیا۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ خراسان کے بیشتر علماء و محدثین خاص کر علمائے نیشاپور کے علمائے قرن پنجم امام الحرمین کے شاگرد تھے۔

(ابن خلکان، طبقات الشافعیہ یافعی اور تذکرہ الحفاظ)

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ امام الحرمین کے تمام شاگردوں کی فہرست پیش کریں بلکہ تصور صرف یہ ہے کہ جو لوگ غزالی کے ہم دورہ اور تحصیل علم میں ہم چشم تھے۔ ان کا تذکرہ و تعارف مختصراً کریں۔

۱۔ **شمس الاسلام عماد الدین:** ابو الحسن علی بن محمد کیا ئے ہراسی، یہ طبرستان کے رہنے والے تھے۔ اور غزالی کے ہمدرس تھے اور غزالی کے بعد امام الحرمین کے سب سے بلند پایہ شاگرد تھے۔ عہد جوانی میں نیشاپور آئے، نیک صورت اور خوش سخن تھے۔ درس استاد میں معید کا کام انجام دیتے تھے۔ یہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس ہو گئے۔ اور جیسا کہ ابن خلکان، یافعی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے غزالی سے ایک سال پہلے محرم ۵۰۴ھ میں وفات پا گئے۔

بد قسمتی سے ان کا نام کیا ان کے لیے مصیبت بن گیا یہی نام ایک اسماعیلیہ باطنی کا بھی تھا اس مشابہت نے انہیں گرفتار مصائب و غوغا کر دیا۔ اور ایک عرصہ دراز تک رنج و مشقت میں مبتلا رہے، آخر ایک عرصے کے بعد جب حقیقت احوال منکشف ہو گئی تو رہا ہوئے۔

امام ابو المظفر احمد بن محمد خوافی: یہ بھی غزالی کے مخصوص ہم درس تھے اور امام الحرمین کے

کثیر آمد و رفت رکھا کرتے تھے۔ بات چیت کے دوران میں جو حالات ان کے معلوم ہوئے، انہیں تاریخ نیشاپور میں ثبت کر دیا۔ ذہبی، سبکی، ابن خلکان اور یافعی سب نے وہیں سے جو کچھ لکھا ہے لکھا ہے۔

۱۴۔ ابونصر ارغیانی:۔ محمد بن عبداللہ بن احمد بن عبداللہ، سال ولادت ۴۵۴ھ بہ مقام نیشاپور ماہ ذیقعدہ ۵۲۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۵۔ ابوالفتح سہل: بن احمد بن علی ارغیانی یہ ارغیان میں منصب قضا پر فائز تھے، پھر عراق کا سفر کیا اور عارف مشہور حسن سمنانی کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور تصوف کے ہو رہے۔ مناظرہ بازی سے توبہ کر لی، منصب قضا سے استعفا دے دیا، خلوت اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔

سال ولادت ۴۲۶ھ سال وفات محرم ۴۹۹ھ۔

(۶) ابو المظفر ابیوردی: محمد بن احمد، عہد غزالی کے مشہور شاعر اور ادیب تھے اور امام الحرمین کے شاگرد رشید دیوان کے کئی حصے ہیں مثلاً عراقیات نجدات اور وجدیات تاریخ اور ان سب کے فن میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ۵۰۷ھ میں وفات پائی یہ واقعہ اصفہان میں پیش آیا، لوگوں کا کہنا ہے کہ دشمنوں نے زہر دے دیا تھا۔

۷۔ ابو الحسن محمد بن حاتم طوسی: نیشاپور میں ابوبکر بن سمعانی کے یہ استاد اور تھے، ماہ جمادی الاولی ۵۱۲ھ میں وفات پائی

۸۔ ابو الفتح حداد: احمد بن محمد اصفہانی نظامیہ بغداد کے مدرس تھے۔ ۹۲ سال کی عمر پائی ۵۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

۹۔ محمد بن فضل قرادی: ان کا لقب "فقیہ الحرم" تھا۔ ۴۴۱ھ میں ولادت ہوئی ۵۳۰ھ میں وفات پائی۔

۱۰۔ ابو سعد: اسماعیل بن احمد نیشاپوری سال ولادت ۴۵۵ھ سال وفات ۵۳۲ھ یہ مقام کرمان۔

۱۱۔ ابو القاسم سلمان بن ناصر انصاری: صاحب شرح ارشاد و کتاب غنیہ، متوفی ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ۔

۱۲۔ ابو الفضل سرخسی: سال ولادت ۵۰۰ھ سال وفات ۵۲۹ھ۔

۱۳۔ امام ابو الغافر فارسی: ابو الحسن عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر فارسی خطیب نیشاپور و مولف کتاب "سیاق" امام الحرمین کے شاگرد تھے۔ چار سال تک ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ تاریخ نیشاپور کی تکمیل ۵۱۸ھ میں ہوئی۔

سال ولادت ۴۵۱ھ

سال وفات ۵۲۹ھ

امام عبد الغافر غزالی کے معاصران معروف و مشہور ہیں گنے جاتے ہیں۔ ان کے پاس

قابلِ ذکر ہیں۔ ابن خلکان نے ان کے مؤلفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، ان کی زندگی کا آغاز مصنف کی حیثیت سے ہوا۔ پھر مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس ادبیات ہو گئے۔ تبریز میں ولادت ہوئی۔ (۴۲۱ھ) بغداد میں انتقال ہوا (۵۰۲) کوئی خاص مرض نہ تھا، دفعتہً انتقال ہو گیا۔

(۳) ابن مندہ اصفہانی: ابوزکریا یحییٰ بن عبدالوہاب صاحبِ تاریخ اصفہان، یہ بزرگان ادب و تاریخ میں تھے۔ تالیفات سو دو منزل لکھتے تھے، شوال ۴۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اصفہان میں عین عید کے روز ۵۱۱ھ میں وفات پائی یافعی نے ۵۱۱ھ سال وفات لکھا ہے۔

ابن مندہ کے خاندان میں اہل علم و فضل کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی، جن کے نام کتب تراجم (سوانح) از قبیل معجم الادبا، ابن خلکان میں درج ہیں۔

(۴) حریری: ابوالقاسم بن علی بن محمد صاحب مقامات حریری ۴۴۶ھ سال ولادت اور ۵۱۶ھ سال وفات ہے۔

(۵) میدانی: ابوالفضل احمد بن محمد نیشاپوری میدانی، (میدان، نیشاپور کا ایک محلہ ہے) ان کی دو کتابیں بہت اہم ہیں:

(۱) مجمع الامثال

(۲) السامی فی الاسامی۔

نیشاپور میں ۵۱۸ھ میں از سرائے دنیا عالم بالا کا سفر اختیار کیا۔

(۶) قاضی ارجانی: احمد بن محمد (۴۶۰ھ - ۵۴۴ھ) اہواز کے ایک قصبہ ارجان کے رہنے والے تھے۔ نظامیہ اصفہانی میں تحصیل علم کی تستر میں منصب قضا پر فائز رہے۔

(۷) ابن خازن کاتب دینوری: احمد بن محمد بن فضل از فضلائے ایرانی نژاد، نظم و نثر فارسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۵۱۸ھ میں وفات پائی۔ ذہبی نے سال وفات ۵۱۲ھ لکھا ہے۔

۶۲

غزالی کے استاد بھائی

اب ان معاصرین غزالی کا ذکر کیا جاتا ہے جو امام الحرمین کے شاگرد تو تھے مگر غزالی کے ہم پلہ نہ تھے۔

(۱) غزی: ابراہیم بن یحییٰ (۴۴۱ھ – ۵۲۴ھ) عصر غزالی کے مشہور ترین شعرا میں ان کا شمار ہوتا تھا رشید رطواط نے کتاب حدائق السحر میں یہ سلسلہ صنائع و بدائع سند کے طور پر ان کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں اور صاحبِ چہار مقالہ نے ہر دبیر کے لیے دیوان غزی اور ابیوردی کا مطالعہ لازم قرار دیا ہے۔

غزی نے دمشق میں نصر مقدسی کی خدمت میں ۴۸۱ھ میں سماع حدیث کی سعادت حاصل کی، پھر بغداد گئے، سالہا مدرسہ نظامیہ میں مقیم رہے اور وہاں کے اساتذہ کے لیے مدحیہ اشعار اور مراثی کہتے رہے۔

پھر بغداد سے خراسان آئے، یہاں رؤسا و امرا کی مدح کا سلسلہ شروع کیا، یہاں ان کے اشعار زبان زدِ خاص و عام ہو گئے۔ بعد ازاں کرمان چلے گئے اور ناصر الدین مکرم بن علاء وزیر معروف کرمان کی خدمت میں قصیدۂ مدحیہ پیش کیا۔ اس کے بعد ایران کے مختلف شہروں میں گشت کرتے رہے یہاں تک کہ ۵۲۴ھ میں مرو اور بلخ کے مابین انتقال کیا، دفن بلخ میں ہوئے۔

(۲) خطیب تبریزی: ابو زکریا یحییٰ بن علی ان کا شمار مشاہیر علمائے ادب و نحو و لغت میں ہوتا تھا۔ یہ ابو العلا معرّی کے شاگرد تھے۔ علوم ادبیہ میں بہت سی کتابیں تالیف کیں جو اب تک اہل فضل و ادب کے لیے سرمۂ چشم ہیں ان کی کتابوں میں شرح حماسۂ ابی تمام و شرح دیوان متنبی، و شرح سقط الزند ابو العلا معرّی و شرح معلقات خاص طور

(۸) شہرستانی : ابو الفتح محمد بن عبد الکریم صاحب، کتاب ملل و نحل، یہ شہرستان خراسان کے رہنے والے تھے، پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے دانشمندان بزرگ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام غزالی اور ان کے بھائی احمد غزالی ان کے ہم عصر تھے۔ ۵۴۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک قول ۵۴۹ھ کا بھی ہے۔

(۹) ابو سہل بسطالی نیشاپوری : جمال الاسلام محمد بن موفق اپنے والد کی وفات کے بعد رؤسائے شافعیہ میں سے تھے۔ امام ابو القاسم قشیری کی مساعدت سے باپ کی مسند پر متمکن ہوئے۔ بادشاہ سلجوقی کی طرف سے منصب زعامت اور لقب جمال الاسلام عطا ہوا۔

(۱۰) محمد بن عبد الکریم بن احمد طاہر وزان : اپنے عہد کے فضلا میں تھے۔ اپنے والد اور دادا کی طرح شہر کے رؤسا میں گنے جاتے تھے۔ تعلیم کی کچھ مدت ابو بکر خجندی کے پاس گذاری۔ انہوں نے غزالی کی "وجیز" کی شرح بھی لکھی ہے۔ ۵۲۵ھ میں بہ مقام رے انتقال ہوا۔

(۱۱) احمد بن عمر ارغیانی : شاگرد ابو الحسن واحدی مفسر معروف متوفی ۴۸۶ھ (ملاحظہ ہو شرح زبیدی بر احیاء العلوم ج ۱)

زمخشری اور غزالی

جار اللہ محمود بن عمر بن محمد زمخشری، صاحب "تفسیر کشاف" یہ مقام زمخشر کے رہنے والے تھے جو خوارزم کا ایک دیہات ہے پانچویں صدی اور چھٹی صدی ہجری کے مشاہیر علما میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی تالیفات میں ایک کتاب "مفصل" ہے، یہ فن نحو میں ہے انھوں نے یہ کتاب رمضان ۵۱۳ھ میں شروع کی اور محرم ۵۱۵ھ میں ختم کی، زمخشر میں چہارشنبہ کے دن رجب ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے، وفات جرجانیہ خوارزم میں شب عرفہ سال ۵۳۸ھ میں ہوئی،

کشکول میں شیخ بھائی کی روایت:- شیخ بھائی نے اپنی کتاب کشکول میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ زمخشری امام غزالی کے پاس گئے اور اپنی کتاب کشاف ان کی خدمت میں پیش کی، غزالی کی تحسین کو زمخشری نے اپنے لیے سرمایۂ افتخار بنالیا۔

بعض لوگ اس روایت کو بنا دی، اور بے اصل قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ زمخشری غزالی کے ہمعصر نہیں تھے، شیخ بھائی نے مانا ہے کہ غزالی کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی، اور زمخشری کی وفات ۵۳۸ھ میں ہوئی، گویا غزالی کا انتقال زمخشری کے انتقال سے ۳۳ سال پہلے ہوا۔ پس زمخشری کو غزالی کا معاصر مانتے میں کیا قباحت پیش آسکتی ہے؟ انھوں نے کشکول کے حاشیہ میں لکھا ہے اور درست لکھا ہے کہ کہ زمخشری کا سال ولادت ۴۶۷ھ ہے لہذا عین ممکن ہے کہ دونوں میں ملاقات ہوئی ہو۔

غزالی اور سیّد مرتضیٰ علوی

کیا امام غزالی نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا؟

سید مرتضیٰ علوی ذوالشرفین ابوالمعالی محمد بن محمد بن زید علوی حسینی ۵۰۸ھ میں بہ مقام ماوراء النہر خاقان ماوراء النہر کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ (یافعی ج ۳)

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المؤمنین میں نقل کیا ہے کہ غزالی نے اثنائے سفر حج میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے شرف ملاقات حاصل کیا، اور ان کی برکت انفاس سے مذہب تسنن سے برگشتہ ہو گئے، اور شیعہ خالص بن گئے۔

دوست برما عرض ایماں کرد و رفت
پیر گبرے را مسلماں کرد و رفت

سفر حج سے واپسی پر ان کے بھائی امام احمد غزالی نے اس مسئلہ میں ان سے مباحثہ کیا، یہ مباحثہ دو روز تک جاری رہا، اور تیسرے روز دفعتہً امام احمد مرگ مفاجات کے شکار ہو گئے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ شہید ابو عبداللہ مکی نے سیّد مرتضیٰ سے غزالی کی ملاقات کی تکذیب کی ہے، اور خود قاضی نور اللہ اس احتمال کا اظہار کرتے ہیں کہ غزالی کی ملاقات دراصل شریف ابو احمد سپر میر رضی الدین سے ہوئی تھی،

صاحب اوضاعات اور طرائق الحقائق نے بھی مذکورہ روایت، مجالس المؤمنین سے نقل کی ہے۔

بہر حال یہ امر کہ غزالی شیعہ تھے یا سنی۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت شک و شبہہ سے بالا

تفسیر کشاف اور غزالی :- باقی رہی یہ بات کہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف غزالی کی خدمت میں پیش کی یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس کتاب کی تالیف ۵۲۵ھ میں، یعنی غزالی کی وفات کے بیس سال بعد شروع ہوئی، اور ۵۲۸ھ میں ختم ہوئی، خود زمخشری نے اس کتاب کی دوسری جلد میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب مکہ مکرمہ میں ظہر کے وقت، دوشنبہ کے دن ۲۳ ربیع الآخر ۵۲۸ھ میں ختم کی، نیز جلد اول کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں جو مدت صرف ہوئی، وہ اتنی ہی تھی جتنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدت خلافت تھی۔

یہ روایت بالکل غلط ہے :- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ زمخشری نے اپنی کوئی کتاب غزالی کی خدمت میں پیش کی ہو۔ اور غزالی نے اس کی تعریف و توصیف میں کچھ کہا ہو لیکن تفسیر کشاف کے بارے میں یہ روایت نادرست اور ناقابل تسلیم ہے'!

۶۵

معاصرانِ غزالی

۱- ابو المعالی محمد حسینی علوی: محمد بن عبید اللہ بن علی بن حسن حسینی علوی، صاحب کتاب "بیان الادیان" ــــــــ یہ کتاب ۴۸۵ھ میں تالیف ہوئی۔

۲- ابو اسحاق شیرازی: ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی، مدرس مشہور نظامیہ بغداد، از ۴۵۹ھ تا ۴۷۶ھ و مؤلف کتاب طبقات الفقہا در فن رجال، و تنبیہہ و مہذب در فن فقہ، و نکت در فن خلاف، و لمع مع شرح، و تبصرہ در فن اصول فقہ و ملخص و معونہ در فن جدال

یہ فیروز آباد (فارس) میں، ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے، وہاں سے تحصیل علم کے لیے شیراز آئے، ابو عبد اللہ بیضاوی اور ابن رامین سے کسب علم کیا، ۴۱۵ھ میں بغداد گئے، اور قاضی ابو طیب طبری سے تحصیل علم کی، اور معیدان درس استاد میں شامل ہو گئے، فن اصول کی تکمیل ابو حاتم قزوینی سے کی، دوسرے اساتذہ سے بھی حصول علم کیا۔

علوم و فنون میں ایسا کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانے کے مسلّم اور یگانہ عالم مانے جانے لگے، ان کا آوازۂ شہرت بلاد و ممالک اسلامی میں گونجنے لگا۔ اطراف و اکناف عالم سے طالبان علم جوق در جوق کسب علم و فیض کے لیے آنے لگے۔ یوں تو جملہ علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، مگر فن مناظرہ و جدل اور خلافیات میں تو یگانۂ روزگار تھے مسائل خلاف انہیں اس طرح ازبر تھے جیسے ایک قاری کو سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ابن صباغ جو ابو اسحاق کے معاصر اور رقیب تھے کہا کرتے تھے، ا

ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کی ملاقات سید مرتضیٰ علم الھدیٰ سے دروغ محض ہے، کیونکہ وہ ۳۵۵ھ میں متولد ہوئے، اور ۴۳۶ھ میں یعنی غزالی کی ولادت سے ۱۳ سال پہلے وفات پاگئے اور ان کے بھائی سید رضی محمد بن حسین کا کہ جامع نہج البلاغۃ ہیں، ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا تھا، اور امام احمد غزالی، بہ اصح و اشہر اقوال ۱۵ سال بعد از امام محمد ۵۲۰ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہوتے،

بہرحال غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی ملاقات سید مرتضیٰ علم الھدیٰ متوفی ۴۳۶ھ کسی طرح ممکن نہیں

رہے ابو احمد معروف بہ ابو احمد عدنان پسر سید رضی جو حسب روایت ابن اثیر سید مرتضیٰ کے بعد علویوں کے نقیب تھے، غزالی کی ولادت سے ایک سال پہلے وفات پا چکے تھے، لہٰذا ان سے بھی غزالی کی ملاقات کسی طرح ممکن نہیں،

آقا محمد علی کرمان شاہی نے کتاب مقامع الفضل میں، ایک مستفسر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے، کہ غزالی کی ملاقات سید مرتضیٰ رازی صاحب تبصرۃ العوام سے ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کی تصدیق اس عہد کی تاریخ ہی سے ہو سکتی ہے۔

اور اس سے ہوتی نہیں،،!

" اگر شافعی اور ابو حنیفہ باہم متفق الرائے ہوتے، تو معلومات ابو اسحاق کا وجود ہی نہ ہوتا۔!"

شدہ شدہ یہ خبر شیخ کو پہنچی، انھوں نے اپنا داب علم قائم کرنے کے لیے مسائل خلافیہ سے ہٹ کر فن فقہ میں ایک گراں پایہ کتاب "مہذب" تالیف کر ڈالی۔

مشہور ہے کہ شیخ نے اس کتاب کو کئی مرتبہ لکھا، لیکن چونکہ خود اپنے معیار کے مطابق نہ تھی اس لیے ہر مرتبہ اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا لیکن ان کے دوستوں اور شاگردوں نے مختلف ٹکڑے جمع کیے ــــ اور ان پر اتفاق کر کے اسے مرتب کر ڈالا۔

۴۷۶ھ میں بہ مقام بغداد وفات پائی۔

شیخ ابو اسحاق کو خلیفہ عباس المقتدی بامر اللہ نے (۴۶۷ ــــ ۴۸۷ھ) کہ جواز تا عیتہ عمید ابو الفتح بن ابو اللیث تشویش خاطر رکھتا تھا، اپنا قاصد بنا کر بغداد سے خراسان اور نیشاپور بھیجا، خلیفہ نے ان سے خواہش کی ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کے پاس جائیں اور دوبارہ مقاصد خلیفہ ان سے گفتگو کریں۔ اس سفر میں انھوں نے دختر بادشاہ سلجوقی کی المقتدی بامر اللہ کے لیے خواستگاری کی، بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ ولی عہد ان کا نواسہ ہو جائے، بعد ازاں ایک لڑکا جعفر اس لڑکی کے بطن سے تولد ہوا، لیکن خلیفہ نے اسے ولی عہد نہیں بنایا، اور احمد المستظہر باللہ (۴۸۷ ــــ ۵۱۲) کو ولی عہد نامزد کر دیا، اس واقعہ نے سلطان سلجوقی کو خلیفہ سے برگشتہ کر دیا۔

اس سفر میں مردم خراسان نے شیخ ابو اسحاق کی تجلیل و تعظیم میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، ان کی خاک پا کو دوا و شفا کے طور پر استعمال کرتے تھے، نیشاپور میں امام الحرمین نے از راہ احترام ہمکاری غاشیہ شیخ ابو اسحاق دوش پر رکھ لیا، اور ایک چاکر کی طرح ان کی رکاب کے ساتھ چلنے لگے۔

(کامل ابن اثیر، طبقات الشافعیہ، یافعی، اور ابن خلکان میں تفصیل ملاحظہ ہو)

۳۔ یحییٰ ابن علی بن حسن حلوانی: یہ ابو اسحاق کے شاگرد تھے بغداد میں منصب احتساب پر فائز تھے، پھر نظامیہ میں مدرس ہو گئے۔ خلیفہ

المسترشد باللہ کی طرف سے قاصد بن کر خاقان ماوراء النہر محمد بن سلیمان کے پاس گئے۔ اور بہ مقام سمرقند بہ ماہ رمضان ۵۳۰ھ میں وفات پائی۔

(طبقات ج ۴ ص ۳۲۳)

۴ - ابن صباغ: سال ولادت ۴۰۰ھ سال وفات ۴۷۷ھ، علماء و رجال شافعیہ میں ابن صباغ نام کے کئی شخص گزرے ہیں، ہماری مراد ابونصر عبدالسید محمد بن عبدالواحد سے ہے، جو پہلے نظامیہ بغداد میں مدرس تھے، پھر تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے، جن میں شامل اور کامل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۵ - ابوسعد متولی: ابوسعد عبدالرحمان بن ابوسعید مامون بن علی بن ابراہیم، متولد ۴۲۶ھ متوفی ۴۷۸ھ۔

۶ - ابوالقاسم دبوسی: سید علی بن مظفر علوی حسینی از مردم دبوسہ ان کا نسب امام زین العابدین علیہ السلام سے ملتا ہے۔
دبوسی بخارا اور سمرقند کے مابین ایک شہر کا نام ۴۸۲ھ میں نظامیہ بغداد کی مدرسی میں مامور ہوئے، ۲۰ جمادی الآخر ۴۸۹ کو وفات پائی۔

۷ - ابومحمد فامی: عبدالواب بن محمد بن عبدالوہاب فامی، شیرازی، اپنے زمانے کے فقہائے معروف میں شمار ہوتے تھے، اور بقول ابن متدہ مذہب شافعی کے بہت بڑے حافظ علماء میں تھے۔ انھوں نے ایک کتاب تاریخ الفقہا لکھی ہے، یہ شیراز سے بغداد پہنچے اور حسین بن علی طبری کے ساتھ نظامیہ میں شریک تدریس ہو گئے۔ ۲۷ رمضان ۵۰۰ھ کو بہ مقام شیراز وفات پائی۔

۸ - حسین بن علی طبری: مؤلف کتاب عدہ، یہ ابواسحاق شیرازی کے شاگرد تھے، ابوالقاسم دبوسی کے بعد نظامیہ بغداد میں مدرس ہو گئے پھر ابومحمد فامی ان کے شریک تدریس ہو گئے، بایں طور کہ ایک روز یہ درس دیتے دوسرے دن وہ، یہاں تک کہ ۴۸۴ھ میں امام غزالی نظامیہ میں مدرس ہو گئے۔ اور طبری و فامی

۶۶

غزالی کے بعض دشمن اور مخالف ہم عصر

۱ - **ابوالفتح اسعد بن محمد مہیبنی :** اپنے زمانہ میں فضل و دانش کے اعتبار سے فن خلاف و مناظرہ میں مہارت رکھتے تھے، مشہور تھے، نظامیہ مرو میں کچھ عرصہ تک مدرس رہے، سلطان سلجوقی نے انھیں خراسان سے عراق طلب کیا، ان کی وفات ہمدان میں ۵۲۰ھ ہوئی۔

شاعر بھی بہت اچھے تھے۔

یہ غزالی کے کٹر مخالف تھے، ایک مرتبہ انھوں نے غزالی سے مناظرہ کیا اور پوچھا۔

”تم حنفی ہو یا شافعی ؟“

غزالی نے جواب دیا۔

عقلیات مذہب میں برہان و دلیل میرا مذہب ہے اور شرعیات میں قرآن، نہ ابوحنیفہ کا مجھ پر اثر ہے نہ شافعی کا۔

شہرزوری نے تاریخ الحکماء اسعد مہینی کو حکماء اور فلاسفہ میں شمار کیا ہے۔

۲ - **ابوبکر طرطوشی :** محمد بن ولید بن محمد اندلسی فقہائے مالکیہ میں سے تھے ابن ابی اندقہ کے نام سے معروف ہیں، سال ولادت ۴۵۱ھ سال ولادت ۵۲۰ ہے۔

ان کا شمار غزالی کے غالی مخالفوں اور معاندوں میں ہوتا ہے احیاء العلوم کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

یافعی نے لکھا ہے کہ شام میں انھوں نے غزالی سے مناظرہ کرنا چاہا۔ انھوں نے

سبک دوش کر دیئے۔ پھر جب غزالی نے ترک مناصب کیا، اور بغداد سے ہجرت کی، تو حسین طبری پھر اپنی جگہ مامور ہو گئے۔ ۴۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۹۔ ابوبکر خجندی: ان کا ذکر گذر چکا ہے۔

۱۰۔ ابوالمحاسن رویانی: عبدالواحد بن اسماعیل بن احمد رویان اور طبرستان میں منصب قضا پر فائز رہے، اور نظامیہ طبرستان میں مدرس رہے، اور آخر عمر میں بہ مقام آمل کہ خاندانی وطن تھا، اقامت گزیں ہو گئے۔ ۱۱ محرم ۵۰۲ھ کو فدائیان اسماعیلیہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔

۱۱۔ حافظ ابوالقاسم رملی مکی: بن عبدالسلام بن حسین، یہ بیت اللہ کے رہنے والے تھے صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کی پیشوائی کرتے رہے اور انہیں عیسائیوں سے جنگ پر ابھارتے رہے، جب عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا تو یہ گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے اعلان کیا کہ اگر مسلمان ہزار دینار ہدیہ دیں تو ابوالقاسم رہا کر دیئے جائیں گے، لیکن کسی نے یہ رقم ادا نہ کی، آخر عیسائیوں کے ہاتھوں انھوں نے جام شہادت نوش کیا، یہ واقعہ ۴۹۲ھ ہے،

(مرآۃ الجنان یافعی در حوادث ۴۹۲ھ وطبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۰)

معاصران غزالی از حکما و مشائخ و صوفیہ

۱- خواجہ عبداللہ انصاری ہروی : شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد بن محمد علی معروف بہ پیر ہروی خراسان کے مشائخ صوفیہ میں تھے، ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔

۲- خواجہ یوسف ہمدانی :- ابو یعقوب یوسف بن ایوب بن یوسف از مشائخ صوفیہ مرو، ۹۴ سال کی عمر پائی، ماہ ربیع الاول ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔

۳:- عین القضاۃ : ابو المعالی عبداللہ بن محمد میاں جی، ہمدانی، امام غزالی کے عقیدتمندوں میں تھے، امام احمد غزالی کے تربیت یافتہ اور شاگرد تھے، ابوالقاسم وزیر نے اس جرم میں کہ یہ غزالی کے پیرو تھے ہمدان میں دار پر لٹکا دیا، یہ واقعہ چہار شنبہ ۷ جمادی الآخرہ ۵۲۵ھ کا ہے،

۴ :- ابن زہر صوفی

احمد بن علی البغدادی، متوفی ۴۹۷ھ،

۵ - عبدالواحد بن استاد ابوالقاسم

قشیری، متوفی ۴۹۴ھ

۶ - ابوسعید

عبداللہ بن عبدالکریم ۴۱۳ – ۴۷۷

جواب دیا۔

ترکناه لصبیة فی العراق

یعنی یہ کام تو ہم نے عراق کے چھوکروں کو سونپ دیا ہے،

(ابن خلکان، یافعی، کتاب الاعلام)

ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی، از فقہائے مالکیہ یہ غزالی کے

۳۔ مازری: سخت ترین مخالفوں اور دشمنوں میں تھے۔ ۸۳ سال عمر پائی، ۱۸

ربیع الاول ۵۳۶ھ کو وفات پائی،

عہد غزالی کے مشہور و معروف طبیب اور ریاضی

۱۴۳ - **میمون بن نجیب واسطی** :- وہاں تھے رصدگاہ میں حکیم خیام کے ہمدست تھے، اصلاح تقویم جلالی میں بھی اس کے شریک کار تھے، ان کے والد واسط سے اہواز آئے، اور یہیں رہ پڑے، میمون کی ولادت یہیں ہوئی، کچھ عرصہ یہ بغداد اور ہرات میں رہے، ظہیر الدین علی بیہقی حکمران ہرات کے دربار میں تقرب حاصل کر لیا۔ ان کے مفصل حالات شہرزوری کی تاریخ الحکماء میں دیکھے جا سکتے ہیں،

عمر بن سہلان ساوی مؤلف کتاب البصائر نصیریہ جو نصیر الدین

۷۔ زین الدین :- وزیر سلطان سنجر کے نام پر مکمل کی گئی نیشاپور میں مقیم تھے، یہیں کتاب شفائے ابو علی اجرت پر لکھی، ان کا ذریعۂ معاش کتابت تھا۔

یہ ایک واسطہ سے حکیم بو علی سینا کے شاگرد تھے،

۸۔ ابو العباس لوکری : خراسان میں فلسفہ کا شیوع و انتشار انہی کی بدولت ہوا۔

۹۔ ابو حاتم مظفر اسفرائنی :- بہت بڑے ریاضی داں تھے، حکیم عمر خیام کے معاصر تھے۔ ترازوئے ارشمیدس انہی نے بنایا تھا جس سے سکوں کے کھرے کھوٹے کا پتہ چل جاتا تھا۔

سعادت خازن نے اس ڈر سے کہ اس کی خیانت افشاء نہ ہو جائے اس ترازو کو توڑ ڈالا اور اس کے اجزا پراگندہ کر دیئے، کہ پھر سے اس کا بننا ممکن نہ رہے، ابو حاتم اسی صدمہ سے بیمار ہوئے اور گزر گئے۔

محمد بن احمد مشہور و معروف فلسفی اور ریاضی داں تھے، ملک

۱۰۔ معموری بیہقی :- شاہ کی رصدگاہ میں حکیم خیام کے ہمدست تھے، فن مخروطات میں کئی کتابیں تالیف کی ہیں، خواجہ نظام الملک کے بعد تاج الملک کے دامن سے وابستہ ہو گئے، جس زمانے میں اسماعیلیہ اور اصحاب قلاع معروف قتل و غارت تھے، جس کی تفصیل تاریخ بیہقا اور تاریخ الحکماء میں مسطور ہے، ناکردہ گناہ، قتل ہو گئے۔ (۴۸۵ھ)

ریاضی اور نجوم کے فن میں دست گاہ

۱۱۔ حکیم یحییٰ ابن محمد غزنوی :- کامل رکھتے تھے۔ سلطان ابراہیم بن مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے دربار میں منصب دبیری پر فائز تھے، ۴۹۵ھ میں بیہق روانہ ہوئے، محرم ۵۲۱ھ میں نہیں وفات پائی۔

اپنے زمانہ کے مشہور طبیب اور فلسفی تھے، سو سال

۱۲۔ حکیم علی بن محمد قائنی :- کی عمر پائی، ۵۴۶ھ میں انتقال ہوا۔

غزالی کے ہم عصر فارسی شعرا

پانچویں صدی ہجری کا نیمۂ اول اور چھٹی صدی ہجری کا آغاز غزالی کا زمانہ ہے ۔ اس زمانہ میں (۴۵۰ ـــــ ۵۰۵ ھ) جو فارسی شعرا گذرے ہیں ان میں بعض غزالی کے معاصر تھے، جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے :-

۱۔ حکیم عمر خیام :- عمر بن ابراہیم خیام یا خیامی نیشاپوری ایران کے مشہور ترین شعرا، حکما اور ریاضی دانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے ۔ یہ شہرت کی اس منزل پر ہے کہ نہ تعریف کی ضرورت ہے، نہ تعارف کی

امام غزالی اور حکیم عمر خیام کی ملاقات ثابت ہے ۔ غزالی نے فلسفہ کے ایک دقیق مسئلہ کے بارے میں خیام سے سوال کیا ہے ۔ خیام اس کا جواب دے رہا تھا کہ موذن نے اذان دی ، غزالی نے کہا :-

جاء الحق وزھق الباطل ، یہ کہا اور مجلس سے اٹھ گئے ، گفتگو ختم ہو گئی ، اس ملاقات کی کیفیت شہرزوری نے تاریخ الحکما میں اور شیخ بہائی نے کشکول میں بیان کی ہے ۔

۲۔ مسعود سعد سلمان :- فارسی کے مسلم الثبوت شعراء میں ہیں ۔ یہ ہمدان کے رہنے والے تھے ۔ پیدا لاہور (پاکستان) میں ہوئے ۔ ولادت ۴۳۷ ، ۴۴۰ کے مابین ہوئی ۔ اصح اقوال کے مطابق سال وفات ۵۱۵ ھ ہے ، ان کے مفصل حالات درکار ہوں تو "تذکرہ ہفت اقلیم ، ریاض الشعرا ، داغستانی ، مجمع الفصحا حواشی چہار مقالہ سے رجوع کیا جائے ۔

۳-عثمان مختاری :- عثمان بن محمد غزنوی مداح ارسلان شاہ بن مسعود بن ابراہیم غزنوی (۵۰۹ - ۵۱۱ھ) اور معزالدین ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قادرد از سلجوقیۂ کرمان (۴۹۴ - ۵۳۶ھ) وارسلان خاں محمد بن سلیمان از ملوک خانیۂ ماوراءالنہر (۴۹۵ - ۵۲۴ھ) مشہور و معروف معاصر ہیں -

۴-ارشدی :- ظہیر الدولہ کے مخصوص درباریوں میں تھے -

۵- امیر معزی :- یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے - عہد ملک شاہ کے مشہور شعرائیں میں تھے - سلطان سنجر کے دور میں بھی درباری رہے، ۵۲۰ میں انتقال ہوا -

۶-سنائی غزنوی :- ابو المجد مجدود بن آدم ایران کے نامور عارفوں اور شاعروں میں تھے ان کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت شعر و نظم میں فارسی زبان کا شاہکار ہے - ۵۲۵ھ میں انتقال ہوا -

مقدمہ شرح حدیقہ، تذکرہ تقی الدین، نفحات الانس، مجالس المومنین، روضات الجنات، ریاض العارفین اور طرائق الحقائق میں ان کے مفصل حالات موجود ہیں -

۷ - ناصر خسرو معروف بہ علوی :- ان کا تخلص حجت تھا ایران کے مشہور شاعروں اور دانشمندوں میں تھے - خراسان میں یہ بنو فاطمہ کے داعی اور مبلغ تھے - ۳۹۴ھ ان کا سال ولادت ہے -

۸ - قطران آذر بائیگانی :- ملک شاہ سلجوقی کے زمانہ کے مشہور شاعر ہیں، ابونصر مملان کے مداح تھے - ۴۸۱ھ میں وفات ہوئی -

اپنے سفر ہفت سالہ کے دوران میں ناصر خسرو نے تبریز میں ان سے ملاقات کی تھی -

۹-نجیبی فرغانی یہ دربار خضر خاں کے شاعر تھے جو ملوک خانیۂ ماوراءالنہر میں سے تھا -

۱۰ - استاد رشیدی سمرقندی :- سید الشعرا ابو محمد عبد السید یہ بھی دربار خضر خاں کے شاعر تھے -

۱۱ - ابوالفرج رونی :- دربار غزنویاں کے مشہور شاعر تھے، ظہیر الدولہ کے مداح اور قصیدہ گو تھے، (۴۵۰ - ۴۹۲ھ)

۱۲ - ابوطاہر خاتونی : ملقب بہ موفق الدولہ، مؤلف کتاب "مناقب الشعرا" و تاریخ آل سلجوق

غزالی کے ہم عصر سلاطین، وزرا، درباری

غزالی کے عہد میں کئی خاندان نواحی ایران میں تخت حکومت پر جلوہ فرما ہوئے جن میں اہم ترین خاندان سلجوقی ہے۔

ان میں اکثر بادشاہوں، وزیروں اور کارداران حکومت سے غزالی کی رسم وراہ رہی۔ خاص طور پر ملک شاہ سلجوقی، محمد بن ملک شاہ سلجوقی اور سلطان سنجر کے دربار میں غزالی غیر معمولی عزت واحترام کے حامل تھے، ان سے ان کا سلسلۂ مکاتبت بھی جاری تھا، ان کے لئے انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی۔ اس طرح خلفائے عباسی سے بھی ان کا ربط وتعلق قائم تھا۔

اس سلسلہ میں ہم نے خلفائے فاطمی اور اس دور کے دیگر سلاطین کے جو نام لئے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خصوصیات عہد غزالی کامل طور پر روشن ہوکر سامنے آجائے۔ مقصود ہر سلسلۂ سلاطین کے مشہور ومعروف بزرگ اصحاب کا ذکر ہے۔ اس لئے ہر نام درج فہرست نہیں ہے۔

عہد غزالی کے
سلجوقی بادشاہان بزرگ

۱۔ رکن الدین ابوطالب طغرل بک

(۴۲۹ھ ---- ۴۵۵ھ)

۲۔ عضد الدین ابوشجاع الپ ارسلان

۴۵۵ھ ---- ۴۶۵ھ

عربی اور فارسی میں یکساں مہارت سے قلمکاری کرتے تھے، چونکہ گوہر خاتون زوجہ محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے کارندے تھے (۴۹۸ – ۵۱۱ھ) از یں جہت "خاتونی" کے نام سے مشہور ہو گئے

۱۳- لامعی جرجانی: ابوالحسن محمد بن اسماعیل جرجانی ملک شاہ کے درباری شاعر تھے۔

۱۴- ابوالمعالی نحاس اصفہانی: انہیں معزی سے لاف ہمسری تھی، ۵۱۲ سال وفات ہے

۱۵- شہابی سمرقندی:- شہاب الدین احمد بن مؤید نسفی سمرقندی۔ یہ رکن الدین طمغاج خاں از ملوک خانیہ ماوراء النہر کے مدح گو تھے، (مدت سلطنت ۴۶۰ھ - ۴۹۴ھ)

۱۶- اسدی طوسی:- مثنوی گرشاسب نامہ ۴۵۸ھ میں تمام کی۔ اگر نوشتۂ مجمع الفصحا صحیح ہے کہ ان کا انتقال ۴۶۵ھ میں ہوا تو غزالی کے عہد شباب میں یہ موجود تھے۔

اس واقعہ کے بعد خاندان سلجوقی ختم ہوگیا اور خوارزم شاہیوں کے ہاتھ میں حکومت آگئی -

عماد کاتب نے طغرل سوم کے حادثۂ قتل کا ذکر سنہ ۵۸۶ھ میں کیا ہے :

(تاریخ سلجوقیہ عماد کاتب)

---

۳ - جلال الدین ابو الفتح ملک شاہ بن الپ ارسلان

(۴۶۵ — ۴۸۵ھ)

۴ - ناصر الدین محمود بن ملک شاہ سلجوقی

(۴۸۵ — ۴۸۶)

۵ - رکن الدین ابو المظفر برکیارق

(۴۸۶ — ۴۹۸ھ)

۶ - غیاث الدین ابو شجاع بن ملک شاہ

(۴۹۸ — ۵۱۱ھ)

۷ - معز الدین ابو الحارث سنجر بن ملک شاہ سلجوقی (۴۹۰ — ۵۵۲ھ)

اس خاندان کے دوسرے حکمران

۸ - محمود بن محمد بن ملک شاہ بن الپ ارسلان (۵۱۲ — ۵۲۵ھ)

۹ - طغرل بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی (طغرل دوم) ۵۲۵ — ۵۲۹ھ)

۱۰ - مسعود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی ۵۲۹ — ۵۴۷ھ)

۱۱ - مغیث الدین ملک شاہ بن محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی

(۵۴۷ — ۵۴۷ھ)

۱۲ - غیاث الدین محمد بن محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی (۵۴۷ — ۵۵۴ھ)

۱۳ - سلیمان شاہ بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی ۵۵۱ — ۵۵۶ھ).

۱۴ - ارسلان طغرل بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی ۵۵۶ — ۵۷۱ھ)

۱۵ - طغرل بن ارسلان بن طغرل (طغرل سوم) سلطان تکش خوارزم شاہ سے جنگ میں ماہ ربیع الآخر ۵۹۰ھ میں قتلغ اینانج کے ہاتھوں قتل ہوا۔

عصرِ غزالیؒ کے فاطمی خلفاء

۱- المستظہر باللہ ابوتمیم معدبن الظاہر
(۴۲۷ھ ـــــ ۴۸۷ھ)

۲- المستعلی باللہ، ابوالقاسم احمد بن مستنصر
(۴۸۷ ـــــ ۴۹۵ھ)

۳- الآمر باحکام اللہ، ابوعلی منصور بن مستعلی،
(۴۹۵ ـــــ ۵۲۴ھ)

غزالی اسماعیلیہ ایران میں سے صرف ایک شخص کے معاصر تھے اور یہ فردِ واحد ہزاروں گروہوں پر بھاری تھا ـــــ حسن بن صباح

۴- حسن بن صباح ـــــ

حسن بن صباح کا استقرار قلعہ الموط یعنی "آشیانۂ عقاب" میں ۴۸۳ھ میں ہوا۔ شب چہار شنبہ چھ ربیع الاوّل ۵۱۸ھ میں اس کا انتقال ہو گیا:

عہدِ غزالی کے عباسی خلفأ

۱- عبداللہ القائم بامراللہ

(۴۲۲ ـــــــ ۴۶۷ھ)

۲- عبداللہ المقتدی بامراللہ

(۴۶۷ ـــــــ ۴۸۷ھ)

(۳) احمد المستظہر باللہ،

(۴۷۷ ـــ ـــ ۵۱۲ھ)

عہدِ غزالی کے ملوکِ خانیہ ماوراء النہر

ملوکِ خانیہ کہ جنہیں خضر خانیہ اور خاقان ماوراء النہر بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک بڑا، اہم اور فعال سلسلۂ سلاطین ہے۔ ان لوگوں نے اپنے وقت میں شان و شکوہ اور جاہ و تجمل سے حکومت کی۔

ملوکِ خانیہ میں غزالی کو صرف تین شخصوں کی معاصرت حاصل ہوئی، جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ سلطان خضر خاں بن طفغاج خاں ابراہیم۔
سال جلوس ۴۷۲ھ

۲۔ قلیج طمغاج (طفغاج) خان مسعود،
(۴۸۸ — ۴۹۴ھ)

۳۔ ارسلا خاں محمد بن سلیمان بن داؤد
(۴۹۵ — ۵۲۴ھ)

عہدِ غزالیؒ کے سلاطینِ غزنوی

غزنوی بادشاہوں نے افغانستان پر بھی حکومت کی اور ہندوستان بھی ان کے زیرنگین رہا اور یہ مدت حکمرانی و آفاقی و سلطانی کافی طویل ہے

لیکن غزالی کو اس خاندان کے ملوک و سلاطین میں صرف دو ہی افراد کی معاصرت میسر آئی، جن کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

۱- ابوالمظفر ظہیر الدولہ رضی الدین ابراہیم بن مسعود غزنوی

(۴۵۰ھ — ۴۹۲ھ)

۲- علاؤالدولہ سلطان مسعود بن ابراہیم بن مسعود،

(۴۹۲ھ — ۵۰۸ھ)

عہدِ غزالی کے وزرأ و درباریانِ معروف سلاجقہ

۱۔ عمید الملک کندری :۔ ابو نصر محمد بن منصور۔ یہ الپ ارسلان کا وزیر تھا۔ ۴۵۶ھ میں یہ معزول ہوا اور اسی سال ہلاک کر دیا گیا اور وزارت خواجہ نظام الملک کو تفویض ہوئی۔

عماد کاتب نے "تاریخ آلِ سلجوق" میں لکھا ہے کہ عمید الملک کندری دولتِ سلجوقی کا پہلا وزیر تھا۔ ۲۵ رمضان ۴۴۷ھ کو جب طغرل بغداد گیا تو یہ بھی اس کے ساتھ تھا۔

"تجارب السلف" میں ہے کہ خاندانِ سلجوقی کے پہلے بادشاہ طغرل کا پہلا وزیر ابو الفتح رازی تھا۔ ۴۳۹ھ میں ابو کالیجار کے ہاتھوں محبوس ہوا، اور اسی سال قتل کر دیا گیا۔

۲۔ خواجہ نظام الملک طوسی :۔ ابو علی قوام الدین حسن بن علی بن اسحٰق۔ یہ ایران کے نوادر وزرائے نامدار اور بزرگانِ رجال میں تھے ان کے احوال و سوانح تفصیل کے ساتھ کتب تذکرہ و تاریخ میں موجود ہیں :۔ تیس سال تک ——— دس سال عہدِ الپ ارسلان میں اور بیس سال عہدِ ملک شاہ سلجوقی میں ——— ایران کے بزرگ ترین وزیر مقتدر کی حیثیت سے کارفرما رہے۔

خواجہ نظام الملک ۲۱ ذی القعدہ ۴۰۸ھ کو کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں آئے اور فدائیانِ اسماعیلیہ کے ہاتھوں ماہ رمضان ۴۸۵ھ میں نہاوند کے قریب قتل ہوئے۔

کامل ابن اثیر، ابن خلکان، طبقات الشافعیہ، تجارب السلطنت اور تاریخ سلجوقیہ عماد کاتب۔

عہدِ غزالی کے سلاجقۂ کرمان

عہدِ غزالی کے سلاجقۂ کرمان (آلِ قاورد) یہ ہیں :-

۱- عمادالدین قرا ارسلان، قاورد بیگ بن جعفر بیگ،

(۴۳۳ــــــ ۴۶۵ھ)

۲- کرمان شاہ بن قاوردھ

(۴۶۵ ــــــ ۴۶۷ھ)

۳- رکن الدین سلطان شاہ

(۴۶۷ ــــــ ۴۷۷ھ)

۴- توران شاہ

(۴۷۷ ــــــ ۴۹۰ھ)

۵- ایران شاہ

(۴۹۰ ــــــ ۴۹۴ھ)

۶- معز الدین ارسلان بن کرمان شاہ بن قاوردھ

(۴۹۴ ــــــ ۵۳۶ھ)

۸ - ضیاء الملک احمد بن خواجہ نظام الملک :- ملک شاہ کے وزرائے نامدار میں تھے

۹ - سعد الملک آبی :- ابوالمحاسن سعد بن محمد، مویدالملک کے بعد محمد بن ملک شاہ کی بارگاہ میں مرتبۂ وزارت پر فائز ہوئے، پھر فتنۂ باطنیہ میں متہمّ ہوئے اور مشہور ہوا کہ یہ ان سے ملے ہوئے ہیں - چنانچہ سلطان محمد نے انہیں قتل کر دیا (۵۰۰ھ)

۱۰ - خطیر الملک مہدی یزدی :- ابومنصور محمد بن حسین یکے از وزرائے محمد بن ملک شاہ ، یہ ضیاء الملک کے بعد ۵۰۲ھ میں منصب وزارت پر پہنچے اور دیوان کے بعض سربرآوردہ آدمیوں کو ادل بدل ڈالا، ابوطاہر خاتونی نے کہ جس کا ذکر شعرائے معاصرین غزالی کے ضمن میں آچکا ہے، ان کی ہجو کہی (۵۰۲ — ۵۱۱ھ)

۱۱ - شرف الدین انوشیروان بن خالد :- خطیر الملک کے بعد وزارت کا بوجھ ان کے دوش ناتواں پر آ پڑا - کچھ عرصہ تک یہ المسترشد باللہ خلیفہ عباسی کے وزیر بھی رہے کتاب مقامات حریری انہی کے نام پر لکھی گئی ہے -

۱۲ - ربیب الدولہ :- ابو منصور ابو شجاع قیر الحی اواخر عہد محمد بن ملک شاہ میں مسند نشین وزارت ہوئے ؛

راحت الصدور راوندی اور الغراضہ (تاریخ سلجوقیہ) میں ان کے حالات و سوانح تفصیل سے دستیاب ہوتے ہیں

۳۔ تاج الملک :۔ ابو الغنائم کے زبان بن خسرو فیروز معروف بہ ابن دارست (۴۸۳ھ ـ ۴۸۶ھ) خواجہ نظام الملک کے بعد ملک شاہ کے دربار میں مرتبۂ وزارت پر فائز ہوئے اور نظام الملک کے وابستگان دولت اور غلامان ذاتی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ صرف چندماہ یعنی رمضان ۴۸۵ھ سے لے کر ۱۲ محرم ۴۸۶ھ تک وزارت کی بہار دیکھ سکے۔

۴۔ مجد الملک :۔ ابو الفضل قیمی، یہ برکیارق کے وزراء میں تھے، امرائے دولت کی ایک جماعت ان کے خلاف ہوگئی اور بادشاہ کی موجودگی میں ان کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ یہ واقعہ ۴۹۲ھ کا ہے، اس وقت ان کی عمر ۵۱ سال کی تھی۔

غزالی کی خط و کتابت تاج الملک اور مجد الملک سے رہ چکی ہے

۵۔ موید الملک :۔ ابوبکر عبیداللہ بن خواجہ نظام الملک ۴۸۷ھ میں برکیارق کے دربار میں منصب وزارت پر فائز رہے۔

زبدۃ التواریخ میں مرقوم ہے کہ موید الملک اس جنگ میں جو سلطان محمد اور برکیارق کے مابین ہمدان میں برپا ہوئی تھی قتل ہوئے

۶۔ فخر الملک :۔ مظفر بن خواجہ نظام الملک ۴۸۸ھ میں برکیارق کے وزیر مقرر ہوئے۔ ۴۹۰ھ سے آخر عمر تک سلطان سنجر کے وزیر رہے، اور عاشور ۵۰۰ھ میں یہ بھی قتل ہوئے۔

۷۔ صدر الدین :۔ ابو اسحٰق محمد بن فخر الملک بن نظام الملک، اپنے والد فخر الملک کے قتل کے بعد سلطان سنجر کے وزیر ہوئے۔ چہارشنبہ کے دن ذی الحجہ کے مہینہ میں ۵۱۱ھ کو یہ بھی قتل ہوئے۔

صدر الدین اور ان کے والد فخر الملک کی بارگاہ میں غزالی بہت زیادہ مقرب اور محترم تھے ان دونوں سے ان کی رسم مکاتبت بھی جاری تھی۔

۱۶ - **عزالملک ابو عبداللہ حسین** : بن خواجہ نظام الملک از وزرائے برکیارق

ان کا لقب بھی عزالملک تھا بقول بعض اعزالملک دربار برکیارق میں

۱۷ - **عبدالجلیل دہستانی** :- میں وزیر تھے - آخر باطنیہ کے ہاتھوں قتل ہوئے

۱۸ - **شمس الدین بن خواجہ نظام الملک** :- سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے وزیر تھے، یہ ۵۱۷ھ میں قتل ہوئے -

۱۹ - **سعادت خازن** :- دربار سلجوقیہ میں منصب گنجوری و خزینہ داری رکھتے تھے، امام غزالی نے ایک خط میں انہیں لکھا تھا :-

"خزائن دنیا کے زر و سیم کی حیثیت کلید دوزخ کی ہے"!

۲۰ - **علاؤ الدولہ** : امیر علی فرامرز ملک شاہ سلجوقی کے مقربان بارگاہ میں تھے -

---

عہد غزالی کے
وزرائے سلطان محمّد بن ملک شاہ سلجوقی

(۴۹۸ھ ——— ۵۱۱ھ)

محمد بن ملک شاہ سلجوقی کا پہلا وزیر موئد الملک بن خواجہ نظام الملک تھا - اس کے بعد یہ منصب سعد الملک آبی کو ملا - بعدازاں ضیاء الملک بن خواجہ نظام الملک مسند نشین وزارت ہوئے - آخری وزیر ابیب الدولہ تھے ،

یہ سب حضرات غزالی کے ہمعصر تھے اور ان سے رسم مکاتبت جاری تھی -

۱۳ ، **زین الملک** :- ابوسعد ہندا بن محمد بن محمد بن ہندو اصفہانی

۱۴ - **کمال الملک سمیری** :- علی بن احمد بن حرب فارسی کے مشہور انشا پرداز تھے اور مشرف دیوان کے منصب پر فائز تھے - ۵۱۲ھ میں محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے وزیر بن گئے -

عماد الملک کے بیان کے مطابق ۵۱۵ھ میں اور ابن خلکان کے بیان کے مطابق ۵۱۶ھ میں کشتہ ہوئے -

۱۵ - **استاد طغرائی اصفہانی** :- فخر الکتاب موئد الدین ابو اسماعیل حسین بن علی پانچویں صدی ہجری کے بہترین فارسی انشا پرداز اور شاعر اور منشی اور طغرا نویس دربار محمد بن ملک شاہ سلجوقی تھے ، کچھ عرصہ تک موصول میں مسعود بن محمد سلجوقی کے وزیر رہے

دیوان طغرائی مصر سے چھپ چکا ہے ،

سوالات جو غزالی سے کئے گئے :- امام غزالی سے عرض کیا گیا کہ ہر دین و مذہب کے اسرار و حقائق اور ہر طائفہ کی روح عقائد صاف صاف بیان کریں -

آپ کس طرح ادیان و مذاہب عالم کے پیچ و خم سے نکلے اور کیونکر حضیض تقلید سے اوجِ تحقیق تک جا پہنچے اور اس ساری کد و کاوش کا حاصل بالآخر کیا نکلا

پہلے پہل فن کلام سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا؟

دوسرے طریقِ تعلیمیہ (یعنی باطنیہ، کیونکہ خود غزالی نے متعدد مقامات پر اپنی کتاب میں اصطلاحِ تعلیمیہ فرقۂ باطنیہ کے لئے استعمال کی ہے) یعنی درک حقائق میں امام ناطق کی اندھا دھند تقلید کے بارے میں آپ کیا خیال کرتے ہیں؟

تیسرے فلسفہ و تفلسف کے بلند مقام پر پہنچنے کے بعد اسے نظر سے کیوں گرا دیا؟ اور اس سے ترک تعلق کیوں کر لیا؟

کیا وجہ ہوئی کہ رشتہ تصوف آپ کو پسند آ گیا، اور اسے جملہ اہواء و عقائد پہ آپ ترجیح دینے لگے؟

یہ ہے ان سوالات کا خلاصہ جو غزالی سے کئے جاتے رہے!

ان سوالات کی ترتیب سے غزالی کے مراحل سیر و سلوک اور تحولات کی نشان دہی بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل غزالی متکلم تھے اور سب سے آخر میں صوفی بن گئے -

ان سوالات کے جواب میں غزالی نے فرمایا :-

غزالی کے جوابات :- ,, ادیان میں اختلاف مروم اور مذاہب میں علل اختلاف امم و اقوام عالم باآں ہمہ تفاوت و تباین جو ان کے مسالک میں موجود ہے، ایک ایسے دریا کی طرح ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں - اس میں جو گندگان بسیار کی اکثریت غرق ہو جاتی ہے اور بہت کم ایسے ہیں کہ جان سلامت لا تے ہیں -

روش فکر و فلسفہ غزالی

متفکران جہاں میں غزالی اپنا مخصوص فلسفہ رکھتے تھے اور مخصوص روش فکر کے حامل تھے، ان کی یہ دونوں چیزیں دوسرے متفکرین سے یکسر ممتاز تھیں

میں کوشش کروں گا کہ اختصار کے ساتھ غزالی کے اسلوب فکر و فلسفہ کا دیگر فلاسفۂ مشرق مثلاً فارابی و ابن سینا، اخوان الصفا، نیز فلاسفۂ بزرگ مغرب، مانند ڈیکارٹز (DESCARLES) اور پیسکال PASCAL، اور والٹر (VOLTER) اور اسپنوزا SPINOZA اور کارلائل KARLYLE اور ہوبس (HOBBES) اور گاسینڈی Gassendi وغیرہ غایت درجہ اختصار کے ساتھ مقائسہ و موازنہ کر دوں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ دوسرے فلاسفہ سے کس حد تک غزالی اہم آہنگ یا مختلف الرائے ہیں۔

اس مقصد سے غزالی کے اسلوب فکر و روش فلسفی سے خوب اچھی طرح آگاہی ہو جائے، میں ان کی بہترین کتاب المنقذ من الضلال کو پیش نظر رکھوں گا جو انہوں نے ۵۱ سال کی عمر میں قلمبند کی۔ یعنی اپنی وفات سے چار سال پہلے اور جس کی مثال ژان ژاک روسو کے اعترافات کی سی ہے۔

غزالی نے اس کتاب میں اپنے حقائق زندگانی و روح عقائد ایک ایک کر کے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ کہیں بھی ریاکاری یا مصلحت شناسی سے کام نہیں لیا ہے۔

موضوع کتاب میں وہ سوالات ہیں جو غزالی سے کیئے گئے ہیں اور وہ جوابات ہیں جو غزالی نے دیئے۔

نہ تھی بلکہ نظری و جبلی تھی۔ ذاتی طور پر تقلید و تعبد سے مجھے سروکار نہ تھا۔ تقلید سے میری روح کبھی مطمئن نہیں ہوتی۔ ابن داآں کی پیروی نے میرے دل کو کبھی مطمئن نہیں کیا۔ جب تک دلیل اور سند نہ ہو۔ دل کو تسلی نہیں ہوتی، اسی دن سے میں درپے اجتہاد اور طلبگار حقیقت بن گیا اب میری سعی و کوشش کا محور یہ قرار پایا کہ جو چیز جس طرح ہے، اسی طرح اسے معلوم کر لوں،

رشتۂ تقلید چھوٹ گیا:— ہنوز عہد جوانی ختم نہ ہوا تھا۔ دورِ شباب قائم تھا کہ رشتۂ تقلید میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور موروثی عقائد جو ابن داآں سے حاصل ہوئے تھے، درہم برہم ہو گئے، اب میرے لئے زیر بار تقلید ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا۔

اطفال، یہود و نصاریٰ اور کودکاں مسلماناں کو میں نے دیکھا کہ مہر پدر و مادر میں نشوونما حاصل کرتے ہیں اور عقائد موروثی کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں۔ رسول اللہ کی یہ حدیث میں نے سن رکھی تھی کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ دل سے آواز اٹھی کہ وہی فطرت کامل پیدا کروں اور اسے تقلیدات پدر و مادر راہبر و استاد سے جدا کر دوں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اختلاف عقائد عوارض تقلیدی و تلقینی کا کرشمہ ہے۔ میں تو فطرت اصلی کے پیچھے پیچھے چلوں گا۔

میرا قصور کیا تھا؟ میں چاہتا تھا کہ حقائق امور علم تک رسائی حاصل کروں۔ پہلے یہ معلوم کر لوں کہ حقیقت علم کیا ہے؟ پھر اس علم کے پیچھے چل پڑوں۔ یہ نکتہ مجھ پر آشکارا ہو گیا کہ علم حقیقی ہی یقینی اور اطمینان بخش چیز ہے۔ جہاں شک و شبہ خطا و پندار کو راہ مل ہی نہیں سکتی اور کسی مشکک کی تشکیک اس میں خلل انداز نہیں ہو سکتی، ورنہ جو علم شک و شبہ اور تردید و احتمال سے خلل پذیر ہو سکتی، وہ علم نہیں محض گمان اور پندار ہے۔

علم یقینی کی بنیاد محکم:— دانش یقینی کی بنیاد شک و تردید سے ہرگز متزلزل نہیں ہو سکتی تردید و احتمال تو کیا، معجزہ و کرامت سے بھی علم یقینی کی بنیاد کمزور اور متزلزل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص از روئے معجزہ و کرامت میری آنکھ کے سامنے پتھر کو سونا بنا دے یا لکڑی کو اژدہا بنا دے اور دعویٰ کرے کہ ۳ کا عدد ۱۰ کے عدد سے بڑا ہوتا ہے:

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
نیامد ازاں تختہ بر کنار

ہر فرقہ تنہا اپنے آپکو ناجی اور دوسروں کو گمراہ اور خاطی خیال کرتا ہے - کل حزب بما لدیہم فرحون ، اور آں حضرت نے یہ جو فرمایا ہے کہ :-

ستفترق امتی علی نیف، جلد ایک ایسا وقت آئے گا کہ میری امت
وسبعین فرقۃ والناجیۃ ستر سے زیادہ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی
منھم واحدۃ - لیکن ان میں سے ناجی صرف ایک ہوگا۔

بالکل صحیح ثابت ہورہا ہے

غزالی آگے چل کر مزید فرماتے ہیں :-

"میں نے آغاز جوانی سے ۵۰ سال کی عمر تک اس دریائے بے پایاں میں غوطہ زنی جاری رکھی ، ہر فرقہ کے عقائد کی ٹوہ لگائی - ہر طائفہ کے اسرار و رموز کی جستجو کی - ان کے نکات و دقائق پر غور کیا تاکہ حق کی باطل سے اور سنت کی بدعت سے تمیز کر سکوں۔

دین ظاہریہ کے بارے میں دیکھا کہ یہ لوگ ظواہر شرع کے متعبد ہیں ، یکسر جامد ، ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

حقائق مسلک کی تحقیق :- حقائق مسلک ظاہریہ و باطنیہ و حکماء و متکلمین و صوفیہ و زہاد و عباد و کفار و عذنادقہ کی میں نے بہت اچھی طرح تحقیق کی اور معلومات بہم پہنچائے ، ہر جگہ در پے کشف رموز و دقائق رہا - میری کوشش رہی کہ عقائد مختلف کے علل و اسباب اصلی کا پتہ چلاؤں تاکہ جان سکوں کہ جملہ طبقات عابد شب زندہ دار سے لے کر ملحد بے دین تک کیا کہتے ہیں ، اور ان کے فکر و عقیدے کی اصلی روح کیا ہے -

ادراک حقائق :- اس بارے میں تحقیق و کنج کاوی کا میرا جذبہ عشق کے درجہ تک پہنچ گیا۔ لیکن ادراک حقائق کے سلسلہ میں تشنگی باقی رہی - آخر ایک عرصہ کی تگ و دو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حقیقت کی تشنگی بدستور قائم ہے - یہ تشنگی میری اختیاری نہ

۷۸

گفتارِ اوّل :-

سفسطہ، انکارِ علوم اور شک و شبہ

چونکہ میں جانتا ہوں کہ علم یقینی کیا ہے ؟ لہٰذا میری کوشش ہے کہ علم یقینی حاصل کروں اپنے علم اور دانش کا جائزہ لیتا رہتا ہوں کہ معلوم کروں کہ سرمایہ علم یقینی سے بہرہ مند ہوں یا نہیں ؛ آیا میرے معلومات یقین طوطع ہیں یا محض اوہام وخیالات ؟ چونکہ اپنا جائزہ لیتا رہتا ہوں، لہٰذا محسوس کرتا ہوں کہ اس سرمایہ حقیقی سے تہی دست ہوں - دیکھتا ہوں کہ ضروریات وحسیات کا ... وہ علم جو بالکل یقینی ہو، میرے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے - ضروریات سے مقصد بدیہیات اولیہ ہیں - مثلاً دس کا عدد تین کے عدد سے بڑا ہے - کل جُز سے بڑا ہوتا ہے - نفی واثبات باہم جمع نہیں ہو سکتے)

محسوسات موردِ شک ہو سکتے ہیں :-

پھر مزید غور وفکر کے بعد یہ معلوم کیا کہ محسوسات بھی موردِ شک و تردید ہو سکتے ہیں اور یہ جنس بھی اطمینان بخش اور سلام آور نہیں ہے ۔

حاسۂ بینائی ہمارا قوی ترین حاسہ ہے - لیکن یہ بھی خطا سے مبرا نہیں جس کا مسبب یہ ہوا کہ محسوسات بھی درخور اعتماد واطمینان یقینی نہیں ہیں - مثلاً مثلاً جس باصرہ سایہ کو ساکن دیکھتی ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ سایہ بتدریج حرکت کرتا رہتا ہے اور وقوف پر سکون سے آشنا نہیں ہے - آسمان کے ستارے ایک ذرّہ ناچیز کی طرح دکھائی دیتے ہیں - لیکن براہین ہندسی سے ثابت ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہماری زمین سے کہیں بڑا ہے ۔

چونکہ حاکم عقل تکذیب محسوسات کرتا ہے ، لہٰذا محسوسات کے بارے میں

تو میں ہرگز اس کی بات کا یقین نہیں کروں گا اور میرے علم کے نشیمن میں شک و شبہ داخل نہیں ہو سکے گا۔ ہر خرق عادات جو میری نظروں کے سامنے رونما ہو، اس سے بس صرف لطف لے سکتا ہوں۔ اس پر تعجب کر سکتا ہوں لیکن یہ باور نہیں کر سکتا کہ ۳ کا عدد ۱۰ کے عدد سے بڑا ہوتا ہے

پس ضروری ہے کہ علم کی جستجو کرتا رہوں کہ وہی مایۂ اطمینان و آسائش روح ہے، جو کسی شک و شبہہ کے باعث زائل نہیں ہوتا۔ یعنی میں سرمایۂ پائدار کا جویا ہوں نہ اس پونجی کا جو ہمیشہ ضرر و غارت گری کی ہدف ہو۔

اقسامِ جویندگانِ حقیقت

اس کے بعد کہ در دسندِ حالہ سے آسودگی حاصل ہوئی، سرمایہ ضروریاتِ اولیہ کے بل پر وارد وادیٔ تحقیق ہوا۔

میں نے دیکھا کہ جویندگانِ حقیقت چار اقسام پر منقسم ہیں۔

(۱) متکلم ——— یہ خود کو اہلِ رائے اور اہلِ نظر قرار دیتے ہیں۔

(۲) باطنیہ ——— جو خود کو اہلِ تعلیم اور محض حسینِ امام گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پرتو علم صرف امام العلوم سے براہِ راست حاصل ہو سکتا ہے اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے اپنے آپ کو مدعی کہتے ہیں۔

(۳) فلاسفہ ——— یہ اپنے آپ کو اہلِ منطق اور برہان کہتے ہیں۔

(۴) صوفیہ ——— یہ مدعی کشف و شہود اور تقربِ الٰہی ہیں۔

اہلِ تحقیق اور صاحبِ تقلید فرقے : میں نے دل میں سوچا بس چار فرقے، خواہ ان کا مذہب کچھ بھی ہو اہلِ تحقیق ہیں، باقی رہے دوسرے فرقے اور طائفے تو ان کا کام صرف تقلید و تعبدِ محض ہے۔ میرا شیشۂ تقلید پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا تقلیدی مذاہب و فرق سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے خیال کیا اگر حق، ان چار فرقوں میں سے بھی کسی میں نہیں ہے تو پھر کہیں نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے پوری کوشش ان راستوں پر ممارست میں صرف کر دی اور تحقیق و استقصا میں لگ گیا!!

اطمینان رخصت ہو گیا۔ اور یہ اساس بھی کمزور اور خلل پذیر نظر آنے لگی۔

روئیات عقلی بھی موردِ تشکیک: — پھر رویات عقلی کا دامن ہم نے پکڑا لیکن جب حسیات درخور اطمینان نہیں تو ضروریات عقلی بھی موردِ تشکیک ثابت ہوئیں۔

یہ تخیلات مجھ پر چھا گئے۔ آخر عقل کے آگے سر جھکانا پڑا لیکن اندازہ ہوا کہ احکام عقل بھی تردید کی زد میں ہیں۔ بہرحال اس سرمایہ سے دو چیزیں میرے پاس باقی رہ گئیں، ایک حس اور دوسرے بدیہیات اولیہ، لیکن پھر یہ کیسہ بھی خالی ہو گیا۔

دردِ بے درماں: — اس دردِ بے درماں میں مبتلا ہو کر سفسطہ سے دوچار ہوا اور اس کی وادی وحشت ناک میں داخل ہو گیا۔ دو ماہ تک اسی حالت میں رہا لیکن درد کا درماں میسر نہ آیا تا آنکہ فضلِ خدا کے باعث اس مرحلہ سے باہر آیا اور دوبارہ صحت و اعتدال کے راستے پر آ گیا۔ یعنی ضروریات عقلی موردِ اطمینان اور وثوق بن گئیں۔

اللہ کا نور: — یہ مطالب نظم و ترتیب استدلالی سے صورت پذیر نہیں ہوا۔ بلکہ اس نور سے جو اللہ تعالیٰ قلب میں ڈال دیتا ہے۔ بیشتر معارف حقیقی بشر اسی نور کے رہین منت ہیں۔ جو شخص راہ کشف کو دلیل و برہان عقلی پر منحصر جانتا ہے۔ وہ کوتاہ نظر ہے اور رحمت واسعہ الٰہی سے بے خبر ہے۔ دراصل یہی خود رہنما بن جاتا ہے اور کشف حقائق کرتا ہے۔ یہی نور ہے کہ کبھی دل میں درخشاں ہوتا ہے اور بیدار و ہوشیار کر دیتا ہے۔

ظلمات سفسطہ سے نجات: — بارے بہ ہدایت نور الٰہی سفسطہ سے میں نے نجات پائی تاکہ ضروریات عقلیہ، اولیہ کو موردِ اطمینان و آرام خاطر قرار دوں اور جان لوں کہ اس چراغ کے نور سے راہ پیمائی وادی تاریک حقائق ممکن ہے۔

۸۰

متکلمین

سب سے پہلے میں نے متکلمین کا راستہ اختیار کیا اور اس وادی میں چل پڑا، اس مرحلہ سے گزر کر، طریقہ فلاسفہ کو اختیار کیا، فلسفہ کی وادی سے نکل کر، تعلیمات باطنیہ کی طرف رجوع ہوا۔ سب سے آخر میں صوفیہ سے ربط پیدا کیا، غرض ان چاروں مسلکوں کو خوب اچھی طرح کھنگالا۔

فن کلام کے بارے میں غزالی کی رائے :

غزالی نے ان چاروں مسلکوں کا جائزہ لیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں شرح وبسط سے اپنے تاثرات وتجارب بیان کیے۔

تفصیل کا موقع نہیں، مختصر طور پر روح مطالب ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فن کلام کے بارے میں وہ کہتے ہیں۔

سب سے پہلے میں نے علم کلام سے آغاز کیا اور اسے اچھی طرح حاصل کیا۔ چنانچہ متقدمین کی تمام تحریروں اور باتوں سے آگاہی حاصل کی اور خود بھی اس فکر میں خامہ فرسائی کی۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ علم عقائد دینی کی حمایت کے لیے وضع کیا گیا ہے، ممکن ہے اس مقصد کے لیے یہ کافی ہو۔ لیکن میرا مقصد اس سے حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس فن کی روش استدلال یہ ہے کہ مسلمات خصم کو لے کر نقض وابرام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

یہ نوع استدلال میرے لیے کہ سوا ضروریات عقلی کے کسی کو مسلّم نہیں مانتا بیکار تھی۔ یہ علم میرے روگ کا علاج نہ بن سکا۔

فلسفہ

فلسفہ کے بارے میں غزالی کے افکار و تاثرات: علم کلام کو الوداع کہہ کر میں نے فلسفہ کا رخ کیا، میرا خیال تھا کہ اس علم سے اپنے جملہ مجہولات معلوم کرلوں گا اور میرے تمام مشکلات معدوم ہو جائیں گے۔

میں دیکھ چکا تھا کہ فن کلام میں سخنان فلاسفہ کو نقل کرکے ان کا رد کیا جاتا تھا۔

میں نے چاہا کہ فلسفہ کو خوبی اور کمال کے ساتھ حاصل کر دوں، یہی وجہ تھی کہ پوری جد وجہد کے ساتھ میں نے فلسفہ کی تحصیل کی۔

اُس زمانے میں بغداد کے اندر تین سو طلبہ مجھ سے پڑھ رہے تھے اور میں پوری یکسوئی کے ساتھ تدریس و تصنیف میں مشغول تھا۔ فرصت کے سارے اوقات بغیر کسی استاد کے میں نے تحصیل فلسفہ اور مطالعہ کتب فلاسفہ کے لیے وقف کر دیے۔

دو سال سے کم مدت میں اس علم کے تمام اسرار و رموز مجھ پر آشکارا ہو گئے۔ مزید ایک سال میں نے اس علم کے مطالعہ اور تحقیق پر صرف کیا۔

آخرکار معلوم ہوا کہ یہ علم بھی میری بیماری کا علاج نہیں ہے، اس علم کے بیشتر مسائل تخیلات واہی پر مشتمل ہیں۔

فلاسفہ کے تین گروہ ہیں:۔

(۱) دہری

(۲) طبیعی

(۳) الٰہی

۸۲

مذہب تعلیمیہ یا باطنیہ

میں نے فلسفہ کو خوب کھنگالا، اس کی روح مطالب سے آگاہی پیدا کی۔ فلاسفہ کے فرقہ ہائے گوناگوں سے شناسا ہوا، آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ علم برائے کمال مطلب بشر کافی نہیں ہے اور عقل فلسفی تن تنہا معمائے ہستی کا انکشاف نہیں کر سکتی نہ مشکلات بشر سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے اسی ہنگام میں نا لغۂ فرقۂ تعلیمیہ (شاید حسن بن صباح مراد ہے) نے ظہور کیا اور سخنان باطنیہ سے عوام و خواص گوش آشنا ہونے لگے۔

ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ حقائق امور بواسطہ از امام معصوم حاصل کرتے ہیں اور معارف الٰہی از جانب امام قائم یہ خود ان تک پہنچتے ہیں، میں نے پوری کوشش کی کہ معلوم کروں اس فرقہ کا نہاں خانۂ عقائد کیا ہے؟

باطنی عقائد کے خلاف تصنیف: اتفاقاً اس زمانہ میں بارگاہ خلافت کی طرف سے اس کام پر مامور ہوا کہ مذہب باطنیہ کی حقیقت کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کروں ایک تو خود میرا شوق جستجو، پھر خلیفہ کا حکم، ان دونوں چیزوں نے مجھے اس کام کے لیے وقف کر دیا، اس فرقہ کے کتب و کلمات کی میں نے بہ امکان نظر مطالعہ شروع کر دیا۔ اس فرقہ کی کتابوں اور نوشتوں کو گوشہ گوشہ سے فراہم کیا۔ ایک دوست جو میرے پاس آمد و رفت رکھتے تھا اس سے بھی مدد ملی، یہ شخص ایک عرصۂ دراز تک فرقۂ باطنیہ میں شامل رہا تھا اور اس کی روح عقائد سے بہ خوبی آگاہ تھا۔ میں اس سے سوال کرتا تھا اور وہ میری آگاہی کے لیے اس فرقہ کے عقائد و کلمات شرح و تفصیل سے بیان کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس طائفہ کے رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ

آگے چل کر غزالی نے طبقات فلاسفہ، اقسام فلسفہ اور ہر مسلک کے مقاصد پر شرح و بسط سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔

اقسام فلسفہ

فلسفہ کی چند قسمیں ہیں ۔

(۱) منطق

(۲) ریاضیات

(۳) طبعیات

(۴) الہیات

(۵) سیاسیات

جہاں تک منطق اور ریاضی کا تعلق ہے، دونوں فن برہانی ہیں ان میں سے کوئی بھی حقائق دینی سے مربوط نہیں رکھتا ۔

باقی رہا طبیعات، سو یہ مسائل دینی سے مربوط نہیں ہے۔ لہذا احکام نظری کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

آخر میں سیاست کی باری آتی ہے، یہ بے شک امور دینی سے مربوط ہے ۔امور اخلاقی سے بھی اس کا تعلق ہے، کلمات صرفیہ کا سہارا لیتا رہتا ہے ۔

فلاسفہ کے بیشتر اشتبہات امور غلط کار یا رہ الہیات سے وابستہ ہیں اور، یونان حکمائے الٰہی، مثلاً سقراط، افلاطون وفلاسفۂ بزرگ اسلامی، مثلاً فارابی وابن سینا ر مطالب الٰہی میں صید اشتباہ نظر آتے ہیں جس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب "تہافت الفلاسفہ" میں بیان کی ہے، میں نے بتایا ہے کہ کفر فلاسفہ تین مسئلوں میں ہے ۔

(۱) انکار معاد جسمانی

(۲) یہ کہ خدا کلیات کا عالم ہے، جزئیات کا نہیں ۔

(۳) قدم وازلیت عالم ۔

سراسر مایۂ تمسخر و استہزا ہیں کیونکہ لکھنے والے اس فرقہ کے اصل عقائد و افکار سے واقف ہی نہیں ہیں جو کچھ لکھا ہے محض ظن و تخمین ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کتاب بھی مایۂ تمسخر و استہزا بن جائے اور اس فرقہ کے لوگ کہیں کہ غزالی نے بھی دوسروں کی طرح اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ انتہائی جد وجہد کے بعد ان حقائق کی جستجو کی جو واقعی تھے۔ تب جا کر قلم اٹھایا۔

غزالی نے تفصیل کے ساتھ دربار کا احتیاج معلم اور انحصار معلم بہ معلوم پر باطنیہ کے خیالات پر اظہار رائے کیا۔

اس موضوع پر انہوں نے اپنی کئی کتابوں میں اظہار خیال کیا ہے۔

مثلاً "القسطاس المستقیم" اس میں لکھتے ہیں کہ اس مقام پر میرا مقصود فرقہ باطنیہ کا فساد و ابطال نہیں ہے کیونکہ اس مبحث پر اپنی دوسری کتابوں میں کافی لکھ چکا ہوں، ان میں سے ایک کتاب "مستظہری" ہے، دوسری کتاب "حجۃ الحق" ہے۔ تیسری کتاب "مفصل الخلاف" ہے، چوتھی کتاب "الدرج" ہے، پانچویں کتاب "القسطاس المستقیم" ہے یہ ایک جداگانہ اور مستقل کتاب ہے۔

باطنیہ کے ہاں معلم سب کچھ ہے، لیکن یہ معلم کیا ہے؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، وہ امام غائب کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اظہار فضیلت کے مقام پر جیس افکار بے اساس نیشا پوری سے کہ اخوان الصفا میں منقول ہیں کام لیتے ہیں۔ مذہب باطنیہ سے میں خوب واقف ہوں نیز میں اس مسلک کے دقائق و رموز سے بھی بخوبی واقف ہوں، لیکن مجھے یہاں کوئی ایسی چیز نہ ملی جو ایک متلاشی حقیقت کے لیے مایۂ آرام و فرسندی ہو!

۸۳

طریقۂ صوفیہ

غزالی تصوف کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ ان تینوں مرحلوں سے فارغ اور دل برداشتہ ہو کر میں نے طریقۂ صوفیہ کے کشف پر اپنی توجہ مبذول کر دی، یہی راہ تھی جس نے مجھے حقیقت تک پہنچا دیا، یہاں مجھے دو چیزیں ملیں، ایک علم دوسرے عمل!

علم تصوف کی تفصیل میرے لیے عمل سے کہیں زیادہ آسان تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں اس طرف متوجہ ہوا۔ اس طائفہ کے کتب و مطالعات، مثلاً "قوت القلوب"، ابوطالب مکی اور تالیفات محاسبی نیز ماثورات و منقولات شبلی وجنید و بایزید کا ایک ایک کرکے مطالعہ کیا اور اس طرح علم تصوف میں پورا درک حاصل کر لیا، پھر میں نے محسوس کیا کہ تصوف علمی نقطۂ نظر سے جملہ علوم شرعی و عقلی سے کوئی تفاوت نہیں رکھتا، اب جو کچھ ہے وہ عمل ہے۔ شراب کے نام سن کر کسی پر نشہ طاری نہیں ہوتا صرف علم سے کوئی فائدہ نہیں۔ اصل چیز عمل اور وقت عمل ہے۔

قیل وقال اور حال: اب تک میں نے جو کچھ پایا تھا وہ صرف قیل وقال تھا، تصوف اور حقیقت یا نی صرف "حال" ہے اور بس۔ جملہ عقائد و افکار دینی سے میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

خدا،

پیغمبرؐ

اور جزا۔

پائی، بدیں گونہ کہ ہمہ علائق دنیوی جاہ و مال و شہرت اور زن و فرزند سے کنارہ کش ہو گیا۔

بغداد سے ہجرت کی مکہ کے عزم سفر کا اظہار کیا۔ لیکن دل میں قصد شام کا تھا، لیکن اس ڈر سے کہ مبادا خلیفہ اور دوست احباب نیت اقامت شام کا حال معلوم کر کے مانع سفر ہوں۔ مقصود دراصل زبان تک نہ لایا، کچھ حصہ مال عراق کا کہ مصالح مسلمین کے لیے وقف تھا۔ برائے زن و فرزند چھوڑا اور تن تنہا بغداد سے رخصت ہو گیا اور شام کی طرف کوچ کیا، وہاں دو سال تک مقیم رہا، کام سوا عزلت و خلوت و ریاضت کے کچھ نہ تھا۔ طریق صوفیہ کے مطابق میں نے عمل شروع کر دیا، ایک عرصہ دراز تک مسجد دمشق میں معتکف رہا، شب و روز ذکر و فکر میں صرف کرنے لگا۔

دمشق کا قیام اور مشاغل: دمشق سے بیت المقدس آیا۔ یہاں بھی ریاضت ہی کرتا رہا۔ ہر روز صخرہ پر حاضری دیتا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتا۔

پھر دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ حج کی سعادت حاصل کر دوں اور مکہ و مدینہ اور زیارت تربت رسول صلوٰت اللہ علیہ کی سعادت حاصل کر دوں —— حجاز روانہ ہو گیا۔

زن و فرزند کی یاد: سفر حجاز کے بعد ناگاہ زن و فرزند کی یاد نے ستایا، وطن واپس آیا، یہاں بھی خلوت و عزلت کی زندگی قائم رکھی، تنگی معیشت حوادث جہاں، حوائج زندگانی زن و فرزند کبھی کبھی میرے صفائے خلوت و ریاضت کو آلودہ کر دیتے تھے۔ دس سال گزر گئے، اس اثنا میں ایسی ایسی چیزیں مجھ پر منکشف ہوئیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا، نہ زبان انہیں بیان کر سکتی ہے۔

ہر کرا اسرار حق آموختند
مہر کردند و زبانش دوختند
گرچہ تفسیر زبان روشن گر است
لیک عشق بے زباں روشن تر است
ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں

لیکن جو عوامل اس عقیدے کو راسخ کرنے کا سبب بنے اور جنہوں نے یہ بات میری روح میں پیوست کر دی وہ حد شمار سے خارج ہیں، پھر وہ کچھ بھی ہوں اور کتنے بھی ہوں ان تین چیزوں پر میرا ایمان کامل ہو گیا۔

میں بہت جلد اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ تصوف "حال" "تقوی" اور ترک علائق شہوانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ امور دنیاوی میری نظر میں ہیچ ہوتے گئے اور یہ راز کھلتا گیا کہ یہ سارے تعلقات دنیاوی دام شیطان ہیں دنیا کا شریف ترین علاقہ جس سے ربط رکھا جا سکتا ہے تدریس و تعلیم ہے، جانتا ہوں یہ بھی کچھ زیادہ سود مند نہیں، تدریس و تعلیم اور افادہ و استفادہ کی یہ نوع کہ معمول ہمہ کس بنی ہوئی ہے، ایک فریب سے زیادہ نہیں، تدریس میں خلوص نیت اتنی کارفرما نہیں ہوتی جتنا شائبہ حب اشتہار و حب جاہ و مال۔

ترکِ تعلقات کا فیصلہ: مجھے یقین ہو گیا کہ اگر عمر رفتہ کی کوتاہیوں اور لغزشوں کا تدارک نہ کیا تو دوزخ کا ایندھن بن جاؤں گا۔ اس اندیشہ نے میرے اندر یہ عزم محکم پیدا کر دیا کہ دفعتاً بند تعلقات توڑ دوں اور بغداد سے نکل بھاگوں میرے دست و پا ہر طرف سے جکڑے ہوئے تھے۔ علائق دنیوی مثلاً ریاست و جاہ و شہرت و منصب، تدریس و تعلیم کے جال میں الجھا ہوا تھا لیکن ایمان کے منادی نے کوس رحلت بجایا اور میں دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

چگونہ طوف نمائم فضائے عالم قدس
کہ در سراچۂ تقدیر بر تختہ بند تنم

بخشائشِ الٰہی کی دستگیری: چھ ماہ تک اس ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ ماہ رجب ۴۸۸ھ کو حالت سخت ابتر ہو گئی، زبان پر قفل پڑا تھا، دل میں آگ اٹھ رہی تھی کہ تدریس کی بساط الٹ دوں، رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچی کہ غذا بند ہو گئی قوت کم ہو گئی، قویٰ کمزور پڑ گئے، لوگ میرے علاج اور دوا کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن میرے درد دروں سے کوئی واقف نہ تھا۔

آخر کار بخشائش الٰہی نے میری دستگیری کی اور اس ورطہ ہولناک سے میں نے رہائی

چوں بہ عشق آیم خجل باشم ازاں

آخر میں نے محسوس کیا کہ اگر حق وحقیقت

حق وحقیقت صرف تصوّف ہے :- کوئی چیز ہے تو وہ بس تصوف ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں، چراغ تصوف مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرتا ہے اور دل کی روشنی اس نور کے بغیر ممکن نہیں۔ مجھ پر جو حقائق کشف ہوئے یہ تھے کہ سوا ذوق وحال کے سب کچھ ہیچ ہے، جو راہ میں نے اختیار کی اس کا آغاز طہارت قلب سے ہوا۔ اور انجام فنافی اللہ سے۔

۸۴

ترک علائق کے بعد

غزالی کی دعوت حقیقت و نشر علوم

غزالی فرماتے ہیں کہ خلوت و ریاضت کی مدت دہ سالہ میں مجھ پر جو حقائق منکشف ہوئے وہ اس دنیا کے لوگوں کے حوصلہ سے افزوں تر تھے۔ یہ وہ راز ہے جو بیان نہیں کیا جا سکتا، یہ صرف میرے نہاں گاہ ضمیر میں پنہاں ہے۔

لیکن دوسری طرف حالت یہ تھی کہ لوگوں کو ضلالت اور گمراہی میں مبتلا دیکھتا تھا۔ ایک جماعت علوم ظاہر سے چمٹی ہوئی تھی۔ کوئی گروہ فلسفۂ کلام میں الجھا ہوا تھا، کچھ لوگ علوم باطنی و تعلیمی میں مشغول تھے، یہ سب بے راہ تھے اور ورطۂ ضلالت میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔

نشر علم کا فیصلہ: لوگوں کو اس گمراہی سے نکالنا میرے لیے بے حد آسان تھا نہیں شبہات سے نجات دلانا میرے لیے اتنا ہی سہل تھا جتنا ایک گلاس پانی کا پینا۔ چنانچہ میں نے اپنے اوپر واجب سمجھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے علم کو پھیلاؤں اور ظاہر کروں اور لوگوں کو وادیٔ جہل و گمراہی سے نجات دلاؤں۔

نیشاپور کی طرف: اظہار دعوت سوا مساعدت حالات یا بادشاہ مقتدر کی پشت پناہی کے ممکن نہ تھا، کیونکہ عموم مردم مٹھی بھر گمراہوں سے زیادہ نہ تھے اور مجھے تمام طبقات خواص سے جنگ و پیکار کرنا تھی اور ان سے کشمکش سے دوچار ہوتا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ اظہار حق موجودہ حالات میں ممکن نہیں، میں پھر گوشۂ خلوت میں جا بیٹھا یہاں تک کہ خدا کا اشارہ ہوا اور سلطان وقت نے مجھے مجبور کیا کہ نیشاپور آؤں میرے لیے اس فرمان کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

۸۵

غزالی کے عقائد و آراء
اور دین و آئین پر ایک نظر

خاندانی تربیت نیشاپور اور طوس کا بیشتر دینی ماحول، اس زمانہ کے دیگر بلاد خراسان کے علماء، مانند امام قشیری و شیخ ابو اسحاق شیرازی و ابن صباغ اور خود ان کے استاد امام الحرمین کا مذہب شافعی کا تتبع، ان سب چیزوں نے انہیں بھی موروثی طور پر مذہب شافعی و طریقۂ اشعری کا پیرو کر دیا۔ یعنی وہ اصول و عقائد میں پیرو اشعری اور فروع میں پیرو شافعی تھے۔ انہوں نے کتب فقہ و اصول و عقائد کی تعلیم اس طریقہ کے ماتحت حاصل کی چنانچہ دربارۂ رویت و علم واجب الوجود و کلام ازلی، وصفات قدیم و خلق اعمال، ان کے وہی عقائد تھے جو اشاعرہ کے تھے۔ پس فرق یہ تھا کہ حقیقی معنی میں ملکۂ اجتہاد رکھتے تھے اور اپنے دوسرے ہم مسلک احباب کی طرح جملہ ظواہر شرع پر جامد نہ تھے، اگر مذہب شافعی یا ابو حنیفہ میں کوئی بات عقل صریح کے خلاف نظر آتی تو یا اسے رد کر دیتے یا اس کی تاویل کر دیتے، اس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اسعد مھنہ نے جب ان سے سوال کیا:

آیا آپ مذہب حنفی رکھتے ہیں یا شافعی؟

تو جواب میں انہوں نے کہا!

"عقلیات مذہب میں برہان کا قائل ہوں، اور شرعیات مذہب میں قرآن کا نہ ابو حنیفہ کا مجھ پر دباؤ ہے، نہ شافعی کا اثر۔"

مذہب تقلید سے بیزاری: غرض غزالی نے جب وادیٔ تحقیق میں قدم رکھا تو سب سے پہلے مذہب تقلیدی کو خیرباد کہا۔

میں نے روشن فکر اور صاحبِ دل احباب و اصحاب سے مشورہ کیا۔ سب نے رائے دی کہ کہ طوس سے نیشاپور چلا جاؤں،

آخر مجھے کشف ہوا کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ دین حق کا احیاء ہو، آخر اسباب فراہم ہوئے، اخر ماہ ذی القعدہ میں ۴۹۹ ھ میں طوس سے نیشاپور کو روانہ ہوا اور اس مقصد جلیل کے ماتحت وہاں قیام کیا۔ بغداد سے میں ۴۸۸ ھ میں نکلا تھا، اس تاریخ سے نیشاپور آنے تک میری عزلت گزینی کی مدت گیارہ سال ہوتی ہے۔ یہ بھی خدا کی مصلحت تھی جو مقلب القلوب والاحوال ہے۔

کام نے مجھے کھینچ بلایا: اگرچہ نشر علم کے لیے میں پھر میدان میں آگیا تھا۔ اس سے پہلے یہ کام میرے اعتبار سے منفعت بخش تھا۔ اس سے پہلے میری دعوت ہو و ہوس سے ممزوج تھی لیکن اب اس منزل سے گزر چکا تھا۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ مقصد حاصل کر وں گا یا اس سے پہلے اجل کا قاصد مجھے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ کام میں نے نہیں شروع کیا تھا۔ کام نے مجھے کھینچ بلایا تھا!

یہ غزالی کی عبادت تھی بعض دوسرے مطالب انہوں نے اپنے دیگر مؤلفات القسطاس المستقیم" اور کیمیائے سعادت میں بیان کیے ہیں۔

مذہب باطنیہ سے واقفیت: غزالی مذہب تعلیمیہ یا باطنیہ سے کہ ان کے زمانہ میں رائج تھا خوب واقف تھے اس مذہب کی کتابوں کا بھی انہوں نے بہ امکان نظر مطالعہ کیا تھا، بغداد کے زمانۂ قیام میں خلیفۂ عباسی اور بادشاہ سلجوقی کے حسب ایما ردّ باطنیہ میں انہوں نے کتابیں بھی لکھی تھیں۔

تعصب اور مناظرہ سے دست کشی: لیکن انقلاب احوال کے بعد وہ تعصب اور مناظرہ دینی سے دست کش ہو گئے اور اس زمانہ میں کہ تعصبات مذہبی کا بحران طاری تھا انہوں نے علی الاعلان فتویٰ دیا اور بار بار لکھا کہ دین میں مناظرہ اور تعصب حرام ہے۔ یہ بات وقت کے علماء و عقلا کے معمول اور طریق کے خلاف تھی از بس تہمت ان کے بارے میں مشہور کیا گیا کہ اصلاً یہ دین سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔

شاید یہی وجہ تھی کہ اسماعیلی فرقہ کے باطنی اور فدائی جو اتنے زیادہ طاقتور تھے کہ کسی حریف کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور مخالف کو قتل کر دیتا ان کے لیے اتنا ہی آسان تھا جتنا ایک گلاس پانی پی لینا اور جو فقیہہ متکلم ان کے خلاف لب کشائی کرتا اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ غزالی سے متعرض نہیں ہوئے اور ان کا وجود برداشت کر لیا، کیونکہ غزالی ریاضت و خلوت میں مصروف تھے، تعصب اور مناظرہ دینی سے الجھنا انہوں نے بالکل ترک کر دیا۔

غزالی طریقۂ امامیہ سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھے اپنے فارسی مکاتیب اور مؤلفات میں اس جماعت کی سختی سے انہوں نے خبر لی ہے اور ان کے عقائد کا ابطال کا شدت سے کیا ہے۔[۵]

فلسفہ مشائی سے اختلاف: غزالی فلسفۂ مشائی کو پورا اور غالب عقائد فقہائے ظاہر کو نادرست خیال کرتے تھے، چنانچہ اپنے مؤلفات، میں انہوں نے ان کا ابطال کیا ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ عقل و فلسفہ کو شرع و دین سے موافق ہونا چاہیے، لیکن نہ وہ علوم عقلیہ کہ سنت بنیاد ہیں اور فلاسفہ کے ہاتھ میں کھلونا تے ہوتے ہیں اور نہ وہ علوم شرعی خشک، کہ علمائے ظاہر جن کے امین ہیں وہ خود دین و فلسفہ میں اپنے مخصوص عقائد

غزالی نے جب مراحل سیر و سلوک طے کر لیے تو ان پر حقائق اسلام منکشف ہو گئے، انہوں نے شریعت و قرآن اور برہان کشف اور تصوف و عرفان کو زہد و ورع سے آمیز کر دیا۔

عالم ظاہر میں غزالی بالجملہ ایک شافعی فرد تھے۔ لیکن در حقیقت صوفی متورع تھے اور ہر حال میں دین اسلام حقیقی ان کا رہنما تھا۔

انہوں نے کتب آسمانی، قرآن و انجیل و تورات اور اس طرح آثار نبوی و ائمہ دین و پیشوایان مذہب و کلمات بزرگان صوفیہ سے آشنائی کامل پیدا کر لی، ان آثار سے معارف معنوی کے سرمایہ دار بن گئے۔

اپنے عصر کے فرقوں سے واقفیت: اپنے زمانہ کے تمام فرقوں کے اصول و عقائد سے وہ بہ تمام آشنا تھے، جہاں صواب نظر کر کے قبول کر لیا اور باطل جس جگہ اور جس درجہ میں بھی دکھائی دیا ترک کر دیا۔

اصول و فروع عقائد مذہبی میں غزالی دارائے اجتہاد و انتقاد تھے، حقائق غیر قابل انکار، ہر فرقہ اور ہر نحلہ کے وہ بے چون چرا قبول کر لیتے تھے اور اوہام و قران کو بے تامل رد کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانے کے اور عصر مابعد کے کوتاہ نظر لوگ، جو ہر فرقہ سے تعلق رکھتے تھے یا تو نادانستہ طور پر ان کے دشمن اور مخالف ہو گئے، یا انہیں اپنے میں شمار کرنے لگے۔ مثلاً غزالی نے نور و ظلمت کے بارے میں گفتگو کی ہے اور آیۂ نور اور مصباح و مشکوٰۃ کے مقصود پر بحث و تحقیق کی ہے اور اللہ تعالیٰ کو نور مطلق اور ماہیات ممکنہ کو ظلمت محض قرار دیا ہے، مردم کوتاہ اندیش اس بات کو لے اڑے اور کہنے لگے کہ غزالی تو دین اسلام سے برگشتہ ہو چکے ہیں اور دین و آئین گبر اختیار کر چکے ہیں اور طریقۂ ثنویہ میں داخل ہو چکے ہیں[1]۔

بعض آراء ابوحنیفہ کا ابطال: میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ غزالی نے کتاب "المنخول" میں اپنے اجتہاد فقہی سے کام لے کر امام ابوحنیفہ کے بعض آراء کا ابطال کیا ہے، یہ بات مخالفوں کے ہاتھ میں دستاویز بن گئی اور مشہور کر دیتے کہ غزالی نے امام اعظم کی توہین کر ڈالی، یہاں تک کہ غزالی کو سوگند کھا کر بادشاہ سلجوقی کی خدمت میں اس تہمت سے اظہار بیزاری کرنا پڑا۔

رکھتے تھے۔ آیات واخبار کے ظاہر عبارات اور کلمات صوفیہ کی اس طرح تاویل کرتے جو جمہور کے آراء سے کلیتہً مخالف ہوتے اور اس جرم میں کفر اور بے دینی کے ملزم قرار دیے جاتے۔ انہوں نے منصور حلاج، بایزید بسطامی اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کے ان اقوال وکلمات کو جو لعن وطعن، وکفر اور قتل کا سبب بنے تھے۔ تاویل کی اور کہا:

" شاید مرد مجذوب، بحالت استغراق و فنا فی اللہ ہیں کہ اٹھا ہو، سبحانی اعظم شانی اور "ما فی الجبتہ الا اللہ (میرے جبہ میں خدا کے سوا کچھ نہیں ہے) یہ احوال نسبت اس شخص کے لیے جس پر حال طاری ہو، یہ زبان مجاز اتحاد ہے اور یہ زبان حقیقت توحید اور کچھ حقائق اس سے بھی بالاتر ہیں، یہاں تک رسائی ہو سکتی ہے، لیکن وہ زبان پر نہیں لائے جا سکتے"!

غزالی نے مزید اس سلسلہ میں کہا ہے :۔

" ایمان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ایمان عوام — یہ محض تقلیدی ہے۔

(۲) ایمان اہل کلام — یہ استدلالی ہے۔

(۳) ایمان اہل عرفان — یہ شہود یقینی ہے"!

غرض اخلاق وفلسفہ عرفان وتعلیم، تربیت اور

افکار تازہ اور عقائد مخصوص: اصول وفروع مذہب میں غزالی افکار وعقائد تازہ ومخصوص کے حامل تھے، تفصیل درکار ہو تو احیاء العلوم المنقذ من اضلال، مشکوٰۃ اور جواہر وغیرہ سے رجوع کیا جائے۔

تعلیقات

۱ مشکوٰۃ الانوار ۲ کیمیائے سعادت ۳ کیمیائے سعادت ۴ ملاحظہ ہو کیمیائے سعادت المنقذ من اضلال، درسالہ فضائل الانام

۸۶

وجد و سماع بعقیدۂ غزالی

غزالی کے عقیدے میں وجد و سماع مباح ہے، وہ چونکہ فقیہہ متعبّد تھے، لہٰذا وجد و سماع کو کہ فقہائے ظاہر ان کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں، جائز قرار دیتے تھے، ایک جگہ کیمیائے سعادت میں کہتے ہیں

حالت سماع کے بارے میں غزالی کے خیالات:- " سماع مباح ہے لیکن چونکہ اس میں ایک پہلو حرمت کا بھی ہے۔ مانند سرود فحش ھجا یا طعن دین جیسے روافض کے اشعار جو وہ صحابہ کی شان میں لکھتے ہیں، لیکن صوفیہ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و شغل میں مشغول و مستغرق رہتے ہیں، ان کے لئے سماع مباح ہے ...... الخ

مخالفین غزالیؒ نے یہ جنس سخن دیکھی اور بھڑک اٹھے اور کہنے لگے یہ احکام قرآن سے سرتابی کے مجرم ہیں، اور فقہاء و ائمہ دین کے مسلک سے باغی ہیں اور اباطیل صوفیہ کے گرویدہ ہیں۔

استنباط احکام میں اسناد مذہبی پر اعتماد:- غزالی استنباط احکام میں قرآن اور اسناد مذہبی پر پورا اعتماد رکھتے تھے۔ اپنے مؤلفات میں ہر جگہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ میں جو کچھ بھی کہتا ہوں، وہ از روئے قرآن و ماثورات دینی کہتا ہوں[1]۔

ادراکات البشر کی مثال رنگا رنگ شیشہ کی ہے۔ ہر شخص پشت شیشہ سے جہاں

غزالی اور تعلیم و تربیّت

غزالی نے تعلیم و تربیت (آموزش و پرورش) پر بھی ایک رسالہ "ایہا الولد" لکھا ہے۔ علاوہ ازیں کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم میں بھی اس موضوع کے لئے خاص طور پر کئی باب لکھے ہیں،

مؤلفان پیشین اور غزالی:۔ مولفان پیشین کے مقابلہ میں وہ دانشمند یگانہ تھے، انہوں نے تعلیم و تربیت کے فن پر خاص توجہ کی تھی اور تحقیقی طور پر اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے۔

غزالی کے عہد میں جو طرز تعلیم و تعلّم متداول تھا، انہوں نے اس میں کافی تغیر و تبدل کیا۔ انہوں نے ان علوم بے فائدہ پر جو اشتعال انگیز اور حسن تعصب کے پیدا کرنے والے تھے، سختی سے تنقید کی ہے۔

فن خلاف و جدل و مناظرہ کہ اس زمانہ کے اہم ترین فنون میں تھے، لیکن انہوں نے ان کو زشت ترین اور بدترین قرار دیا ہے

علم و علماء و آداب تعلیم:۔ احیاء العلوم (ج ۱) میں ایک مخصوص باب در بارہ علم و علماء آداب تعلیم و تعلّم تحریر کیا ہے۔ اپنے زمانہ کے اوضاع ناہنجار کو درہم برہم کر دیا تھا۔

غزالی نے ثابت کیا ہے کہ تنہا علوم و معارف اکتسابی تکمیل انسانیت کے لئے کافی نہیں ہیں۔ جس طرح ان علوم کے لئے معلّم اور راہ نما کا وجود لازمی اور ناگزیر ہے، اسی طرح اخلاق و معارف حقیقی و کمال معنوی کے لئے شیخ اور مربی کا وجود ناگزیر اور لازم ہے۔ مرغ جان کے

موجودات کو ایک خاص رنگ میں دیکھتا ہے اور دوسرے کے دیدار کو ناصواب قرار دیتا ہے ۔ چنانچہ تشخیص صواب و خطا اگر محال و ممتنع نہیں ہے تو بے اندازہ دشوار ضرور ہے

تعلیقات :-

۱؎ روضۃ الطالبین ، احیاء العلوم اور "الاجوبۃ المسکتۃ"

۸۸

تصوّف غـــزالی

تصوف غزالی کہ ان کا آخری مرحلہ عقائد ہے، اس سے پہلے پہل وہ یوں روشناس ہوئے کہ ان کے والد، اس طرح ان کے پہلے مربی اور احمد راد کانی خود صوفی تھے۔

غزالی کے بھائی امام احمد آغاز جوانی ہی سے تصوف کے کوچہ میں داخل ہو چکے تھے، وہ ایک عرصہ تک عقائد و آرا و بشری کے کوچہ ہائے پرپیچ و خم میں آوارہ و سرگرداں رہے۔ پھر اس منزل تک پہنچے۔

لیکن امام غزالی عہد جوانی میں مسائل فقہ و اصول و کلام و فن خلاف غرض کوہ میں غرق رہے چالیس کی عمر میں تنبہ ہوا، آوارگی چھوڑ دی۔ آخر کار آئین تصوف کے پابند ہو گئے۔

غزالی کے بزرگترین رہنمائے تصوف ابوعلی فارمدی اور ابوبکر نساج تھے، جن کا ذکر مشائخ غزالی کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔

معارف صوفیہ پر دسترس:- معارف صوفیہ پہ دسترس حاصل کرنے کے لیے غزالی نے پہلے پہل ابوطالب مکی متوفی ۳۸۶ھ کی کتاب قوت القلوب درسالۂ جشیبہ از امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ و مزنی متوفی ۲۶۴ھ و حرملہ بن یحییٰ متوفی ۲۴۳ھ و امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ و ماثورات جنید متوفی ۲۹۸ھ و تعلیمات شبلی بایزید بسطامی، وغیرہ نظر غائر سے مطالعہ کیا[1] اس کے بعد بھی دنیا کا رادرسعی و کوشش کا سلسلہ ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ مرتبہ کشف و شہود حقائق عرفانی تک رسائی حاصل کر لی۔ اور تصوف کو ایک نیا آب و رنگ دے دیا گیا۔ غزالی نے ایسے مطالب تازہ و شگفتہ اس موضوع پر پیش کیے جن کی مثال کتب پیشین میں بہت کم ملتی ہے۔

دو پر ہوتے ہیں۔ ایک علم دوسرے عمل۔ مرغ یک پر فضائے عالم علوی میں پرواز نہیں کر سکتا[1]۔

لیکن مخالفین غزالی کا قول ہے کہ ان باتوں سے ان کا مقصد اساس دین و مذہب کو درہم برہم کر دینا تھا۔

تعلیقات :-

[1] احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، رسالہ "ایہا الولد" اور المنقذ عن الضلال۔

میرے خیال میں امام غزالی کا تصوف امام قشیری صاحب رسالہ و شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف کے ذیل میں شمار کرنا چاہیے۔ بایں تفاوت کہ مقام غزالی علم، عمل اور روشنی فکر کے اعتبار سے ان سب سے بالا ہے۔ وہ یہاں بھی محقق اور نقاد نظر آتے ہیں۔ اور صرف عقائد موروثی پر قناعت نہیں کرتے۔

غزالی اور مولانا روم:۔ غزالی کا تصوف مولانا جلال الدین بلخی (رومی) صاحب مثنوی سے وہاں تک ہم آہنگ تھا۔ جب تک وہ سید برہان الدین محقق ترمذی کے تحت تربیت تھے لیکن وہاں سے نہیں جب وہ شمس تبریزی سے پیوست ہو گئے،

بہر حال غزالی کے تصوف میں مسلک یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جو تصوف از روئے قرآن و حدیث مصطفیٰ علیہ السلام مطابقت نہ رکھتا ہو اس کا پایہ استوار نہیں۔ روضۃ الطالبین میں لکھتے ہیں:۔

اصول تصوف اکل الحلال والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاقہ و افعالہ و اوامرہ و سننہ!	تصوف کی بنیاد اکل حلال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال، اوامر اور سنت میں اقتدار کامل ہے۔

غزالی اور فلسفہ

فلسفۂ ارسطو کہ فارابی (متوفی ۳۳۹ھ) اور ابن سینا (متوفی ۴۲۷ھ) کے ہاتھوں نضج و کمال کی منزل پر پہنچا عصر غزالی میں نقطۂ عروج پہ پہنچ گیا، علمائے فقہ و حدیث کے مقابلہ میں یہ ایک ایسی سد سکندری بن گیا، جس میں رخنہ ڈالنا محال ہو گیا، جو لوگ عقاید دینی کے خلاف معروف کا رہونا چاہتے تھے، ان کے پاس فلسفہ سے زیادہ کارگر اصول کوئی اور نہ تھا،

غزالی نے فلسفہ کی دھجیاں اڑادیں:- غزالی نے اس سد سدید کو توڑ کر رکھ دیا۔ انھوں نے کتب فلسفۂ ارسطو و فارابی و ابن سینا و رسائل اخوان الصفا کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور عقاید فلسفی کی کنہہ تک پہنچ گئے، فلسفۂ عملی میں بھی کتب ابو علی مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ سے انھوں نے خوب خوب استفادہ کیا، اس کے بعد وہ میدان میں آئے، اور فلسفہ کی دھجیاں اپنی تنقید سے بکھیر کر رکھ دیں، سب سے پہلے بر سبیل مقدمہ انھوں نے ایک کتاب "مقاصد الفلاسفہ" تحریر کی، اس کتاب میں عقاید و آراء فلسفہ کی بہت وضاحت کے ساتھ تشریح کی، اس کے بعد کتاب "تہافت الفلاسفہ" لکھی، اس کتاب میں فلاسفہ کے عقائد کا بطلان کیا، اور ان کے متناقض آرا کو اہم ترین مسائل فلسفہ میں ثابت کیا، اور ناقابل تردید دلائل پیش کیے۔

افکار فلاسفہ کا بطلان:- غزالی کہتے ہیں میرا مقصد فن الہیات میں فلاسفہ کے افکار کا بطلان، اور ان کے متناقض آراء کا اظہار ہے؛

۹۰

فلسفہ الٰہیات کے بیس مسائل

جن کا امام غزالی نے ابطال کیا

اس تمہید اور مقدمہ کے بعد، غزالی اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فلسفۂ الٰہیات کے اہم ترین بیس مسائل کا ابطال کرتے ہیں، اور تین مسئلوں پہ کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

فلسفہ کے بیس۲۰ باطل مسئلے:- وہ بیس۲۰ مسئلے جن کا غزالی ابطال کرتے ہیں، یہ ہیں،:

۱- ازلیت عالم،
۲ - ابدیت عالم
۳ - خدا سازندۂ جہاں ہے اور دنیا اس کی ساختہ ہے ۔
۴ - عجز فلاسفہ از اثبات صانع۔
۵ - فلاسفہ کہتے ہیں کہ عالم کے لیے دو۲ مبداء محال ہیں لیکن اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں دیتے ۔
۶ - نفی صفات الٰہی۔
۷ - ذات اول منقسم بہ جنس و فعل نہیں۔
۸ - حق اول، وجود بسیط ہے، بدون ماہیت،
۹ - فلاسفہ کہتے ہیں کہ مبداء اول جسم نہیں ہے، لیکن اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دلیل پیش کرنے میں خطعاً عاجز اور درماندہ نظر آتے ہیں۔
۱۰ - گفتار فلاسفہ مستلزم نفی صانع اور اعتقاد بہ دہر ہے

وہ یہ جہاں تک علوم منطق وحساب، وہندسہ کا تعلق ہے چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ ان فنون میں فلاسفہ کے اندر نہ کوئی باہمی اختلاف ہے نہ تناقض، اگر الہیات کے مسائل بھی منطق وحساب و ہندسہ کے مانند ہوتے تو ان میں بھی اختلاف وتناقض کا سوال نہ پیدا ہوتا، کیونکہ براہان عقیقی میں تردید واختلاف کی گنجائش ہی نہیں، لیکن فلاسفہ اور ان کے ہم عنان اصحاب اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ چونکہ اصول ہندسہ وحساب و منطق یقینی و اطمینان بخش ہیں لہٰذا الہٰیات کے مسائل بھی درخور یقین و اطمینان ہیں، حالانکہ مسائل ہندسی کی صحت مطالب الہٰیات کی صحت کا ثبوت نہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ میرا فلاں کام درست تھا لہٰذا میری ہر گفتار و کردار غلطی اور خطا سے بری ہے، ظاہر ہے مردم خردمند کے نزدیک یہ دلیل استوار نہیں۔

فلسفۂ ارسطو میں تحریف بھی ہوئی ہے:- غزالی یہ بھی لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے فلسفۂ ارسطو کا ہمارے لیے نقل و ترجمہ کیا ہے انھوں نے کہیں کہیں تحریف بھی کی ہے، بعض چیزیں خود اپنی طرف سے پیش کر دی ہیں مسلمان فلاسفہ میں صرف دو شخص ایسے ہیں جو اس فن میں استاد بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں، فارابی اور ابن سینا، ان کے بارے میں مجھے اطمینان ہے کہ انہوں نے مطالب فلسفہ کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر اور صحیح تر نقل سمجھا اور سمجھایا ہے، ان کا نقل و ترجمہ بھی شک و شبہہ سے بالا ہے چنانچہ انہی کی وساطت سے ہم ارسطو کو پہچان سکے ہیں، [۱]

تعلیقات

۱۔ المنقذ من الضلال

خود توثیق کریں۔

میں ہرگز غزالی کو فارابی اور ابن سینا کا ہمدوش نہیں قرار دیتا، میرا یہ عقیدہ ہے کہ وہ فلسفۂ الٰہی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اس فن میں وہ صاحب نظر اور صاحب استنباط تھے۔ پس ان کا ان مسائل پر لب کشائی کرنا پورے استحقاق کی بنا پر ہے۔

---

۱۱ - فلاسفہ کا اس بات کے اثبات میں عجز کہ حق اول عالم لبغیر ہے -

۱۲ - علم واجب الوجود کو بذات خو لیش ثابت کرنا فلاسفہ کے بس کا روگ نہیں،

۱۳ - فلاسفہ کا یہ قول کہ حق اوّل جزئیات کا عالم نہیں ہے -

۱۴ - فلاسفہ کے اس قول کا بطلان کہ فلک حیوانی متحرک بہ ارادہ ہے -

۱۵ - محرک افلاک کے بارے میں فلاسفہ کی خطا کاری -

۱۶ - فلاسفہ کے اس مذہب کا ابطال کہ نفوس فلکی اس دنیا کے حوادث جزئیہ کے عالم ہیں،

۱۷ - فلاسفہ کا یہ قول کہ خرق عادت محال ہے -

۱۸ - فلاسفہ کہتے ہیں کہ نفس انسان جوہری مجرّد ہے، جو بذات خو لیش قائم ہے اور جسم و عرض نہیں رکھتا - لیکن اس دعوے پر کوئی مضبوط عقلی دلیل ان کے پاس نہیں،

۱۹ - فلاسفہ کہتے ہیں کہ نفس انسان فنا پذیر نہیں ہے -

۲۰ - فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ رستا خیز، و لبعث وحشر اجساد کوئی چیز نہیں،

فلسفہ کے موجب کفر مسائل ثلثہ:- فلاسفہ کے جن اقوال و آراء کو غزالی، موجب کفر خیال کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱ - قدم عالم -

۲ - ذات باری تعالیٰ حادث جزئی کی عالم نہیں،

۳ - انکار معاد جسمانی -

ایک اعتراض اور اس کا جواب:- غزالی کی تحصیل فلسفہ کی مدت صرف دو سال ہے، اور وہ بھی لبغیر استاد کے، محض ذاتی مطالعہ کے بل پر، کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص اتنی مختصر مدت میں کنار مسائل کا درک کر سکے؟ لیکن اس نکتہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے - کہ فلسفہ الہیات اسلامی فن کلام سے پورے طور پر ممزوج ہے، مسائل و اصطلاحات میں بھی یکسانیت ہے، غزالی نے علم کلام کی تحصیل استادان زبردست سے کی اور خود بھی اس فن میں استاد چیرہ دست کا رتبہ حاصل کر لیا - کتب فلسفہ کے مطالعہ سے غزالی کا مقصود یہ تھا کہ اس کے مطالب تک اصلی ماخذوں سے رسائی حاصل کریں اور متکلمین نے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی بدولت

۹۱

تہافت الفلاسفہ اور نوشتہ شہرزوری

تاریخ الحکماء میں یحییٰ نحوی دیلمی کا جو "بطریق" کے لقب سے ملقب تھا، حال لکھا ہے:۔

موصنف کتباً رد فیها علی افلاطون وارسطو، حتی همت النصاری بقتله واکثرما اورده الغزالی فی التهافت من تلك الکتب ومنه اخذ الطب خالد بن یزید من معاویه

اس نے کئی کتابیں افلاطون اور ارسطو کے رد میں لکھیں یہاں تک کہ عیسائیوں نے اس کے قتل پر کمر باندھ لی، غزالی نے تہافت میں جو کچھ لکھا ہے وہ انہی کتابوں کا پرتو ہے۔ انہی کتابوں سے خالد بن یزید بن معاویہ نے طب حاصل کی۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص یحییٰ نحوی اسکندرانی عثمانؓ و معاویہ کے زمانہ میں تھا جس نے فلسفہ ارسطو کے رد میں خامہ فرسائی کی تھی۔ یہ دین نصاریٰ سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ خالد بن یزید نے اس سے تحصیل علم کی تھی۔

میرے سامنے یحییٰ نحوی کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ لہٰذا میں اس باب میں نہ اس امر کی تائید کر سکتا ہوں نہ تردید کہ تہافت میں غزالی کے خیالات یحییٰ نحوی سے ماخوذ ہیں۔

کیا غزالی کے خیالات یحییٰ نحوی سے ماخوذ ہیں؟

غزالی کے دشمنوں اور مخالفوں اور شرع و دین کے نام نہاد علمبرداروں نے اس بات کو خوب اچھالا ہے، لیکن یہ بات کہ تہافت الفلاسفہ میں غزالی کے افکار و خیالات یحییٰ نحوی سے ماخوذ ہیں میں نے نوشتۂ شہرزوری کے سوا کہیں اور نہیں دیکھا یہ بھی تحقیق نہیں کہ خود شہرزوری کو یحییٰ کی کتابیں ہاتھ آئیں یا نہیں؟ یہ بات اس نے از خود

لکھی یا کسی اور جگہ سے نقل کی؟ یا پھر یہ بات ہوئی کہ یحییٰ نحوی نے ارسطو کے رد میں کتاب لکھی اور غزالی نے بھی ایسا ہی کیا، اس نسبت سے یہ الزام تراش دیا گیا۔

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ غزالی جس فلسفۂ ارسطو سے بحث کرتے ہیں وہ درحقیقت پروردۂ فارابی و ابن سینا ہے، لیکن یحییٰ نحوی کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اوائل عہد اسلام میں تھا، جب ہند و مسلمان خود کلام و فلسفہ سے ناآشنائے مطلق تھے۔

شہرزوری نے یحییٰ نحوی نام کے دو شخصوں کا ذکر کیا۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے۔ یحییٰ نحوی درحقیقت ایک ہی شخص ہے جس ابن ندیم نے الفہرست میں (ص ۳۵۶) اور ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں حکمائے اسکندرانی کے ذکر میں (ج ۱، ص ۱۰۴) نام لیا ہے کہ وہ آئینہ عصر کا ایک اسقف تھا۔ اور مذہب مسیحی میں یعقوبیہ کا حامل تھا وہ عقیدۂ تثلیث سے برگشتہ ہو گیا اور علمائے مسیح سے مناظرہ شروع کر دیا، عمرو بن عاص نے جب مصر فتح کیا اس وقت تک وہ زندہ تھا۔ ارسطو اور بعض دیگر فلاسفہ کے رد میں اس نے کتابیں لکھیں۔

تہافت الفلاسفہ اور مؤلفات یحییٰ نحوی: بہرحال راقم تحریر تہافت الفلاسفہ اور مؤلفات یحییٰ نحوی کے بارے میں دربارہ اخذ کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہے، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غزالی نے اپنے تالیفات میں ہر شخص کے اساتذہ کی تحریروں کا نام لیے بغیر اقتباس دیا ہے احیاء العلوم میں ابوطالب مکی کی قوت القلوب سے عبارت کی عبارت نقل کر دی ہے۔ اس طرح رسالہ نشر یہ میں اور معارج القدس میں بہ سلسلہ مبحث فنا و بقاء نفوس بشری و مبحث سعادت و شقاوت ابو علی سینا کی "نجات" سے عبارتیں نام لیے بغیر نقل کر دی ہیں لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، علمائے پیشین ایسا کر گزرا کرتے تھے۔ اسے سرقہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ استادان ہر فن کے متون محفوظات امثال کے حکم میں تھے۔ لہٰذا نام کا نہ لینا چنداں قابل اعتراض و تعجب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور شاید ان کا مقصد اصلی بھی یہی تھا ورنہ اگر نیت نیک ہو تو بھی نتیجہ بھی برآمد ہوا ہے، !

نیز ابن رشد نے غزالی کے بارے میں لکھا ہے :۔

انہ لم یلزم مذھبا من المذاھب فی کتبہ بل ھو مع الاشاعرہ اشعری، و مع الصوفیۃ صوفی ومع الفلاسفۃ فلسفی، وحتی انہ کما قیل :۔	غزالی اپنی کتابوں میں کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں وہ اشاعرہ کے ساتھ اشعری ہیں، صوفیہ کے ساتھ صوفیہ فلاسفہ کے ساتھ فلسفی ان کے بارے میں بجا طور پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ :
یوما یمان اذا لقیت ذا یمن وان لقیت معدیا معدنان	جس روز کسی یمنی سے میری مڈ بھیڑ ہو جائے میں یمنی ہوں، جس روز کسی عدنانی سے ملاقات ہو جائے تو عدنانی ہوں، !

تہافت التہافت میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

لم یبلغ الرجل المرتبۃ من العلم المحیط بھذہ المسئلۃ	یہ شخص (غزالی) اس مسئلہ میں علم محیط سے محروم ہے۔

قاضی زادہ رومی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں غزالی اور ابن رشد کے مابین محاکمہ کیا ہے۔

92

غزالی اور ابن رشد

ابو الولید محمد بن احمد اندلسی معروف بہ ابن رشد (۵۲۰ - ۵۹۵ ھ) غزالی کی مخالفت اور فلسفہ کی حمایت میں یہ مشہور و معروف ترین شخص ہیں ایک کتاب انہوں نے غزالی کے رد میں "تہافت التہافت" لکھی ہے، "تہافت ابی حامد" کے نام سے بھی یہ کتاب یاد کی جاتی ہے، یہ کتاب تہافت الفلاسفہ کے رد میں ہے۔

ابن رشد نے اپنی بہت سی کتابوں میں گفتہ ہائے غزالی کا ذکر طنز و تعریض کے ساتھ کیا ہے، بعض مقامات پر تو لب و لہجہ حد درجہ درشت اور ناشزا ہو گیا ہے۔

مناہج الادلہ کی ایک جماعت: اپنی کتاب الکشف عن مناہج الادلہ" میں (ص ۷۲ مطبوعہ مصر) ایک جگہ رقم طراز ہیں:۔

"سب سے پہلے جس نے سلوک ظاہر شریعت میں تغیر کیا وہ خوارج ہیں، پھر معتزلہ پھر اشعریہ، پھر صوفیہ، پھر ابو حامد (غزالی) جس نے اپنی کتاب تہافت میں تین مسئلوں پر فتوائے کفر فلاسفہ پر صادر کیا ہے، جس کے باعث بہت سے لوگ حکمت اور شریعت سے گمراہ ہو گئے،!"

نیز اس کتاب میں غزالی کے مولفات مانند "جواہر القرآن"، مشکوٰۃ الانوار، المنقذ من الضلال کیمیائے سعادت اور التفرقہ بین الاسلام والزندقہ کی عبارتیں درج کر کے انہیں ممہ دخطا قرار دیا ہے۔

غزالی پر ابن رشد کے رکیک حملے: ابن رشد نے اپنی ایک کتاب "فصل المقال" (ص ۱۷ - ۱۸ مطبوعہ مصر) میں ایک جگہ لکھا ہے:۔

"غزالی نے ایسی باتیں کہی ہیں کہ شریعت اور حکمت دونوں کی مٹی پلید کر دی ہے۔

نے فلاسفۂ قدیم کے بارے میں شرحیں لکھی ہیں اور غزالی کو ابو علی سینا اور فارابی کا
ہم ردیف قرار دیا ہے“!

تعلیقہ

لہ ابو بکر محمد بن یحییٰ معروف بہ ابن صائغ یا ابن باجہ متوفی ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۸ء

ابن طفیل اور غزالی

ابن طفیل (ابو بکر محمد بن عبد الملک بن طفیل متوفی ۵۸۱ھ) اندلس کے ان معتدل ترین فلاسفہ میں ہیں جنہوں نے نوشتہ ہائے غزالی سے بحث کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب "اسرار الحکمۃ المشرقیۃ" یا "رسالہ حی بن یقظان" (مطبوعہ مصر، ۱۳۳۳ھ) کئی جگہ غزالی کا نام لیا ہے مقدمۂ کتاب (ص ۱-۲) میں کہتے ہیں:

اسرار الحکمۃ المشرقیہ کی عبارت: "بغیر سخت جد و جہد کے حقائق تک رسائی نہیں ہو سکتی جو شخص کشف حقیقت کی کوشش کرتا ہے اسے ایسی لذت ملتی ہے کہ زبان و بیان اس کی شرح سے عاجز ہیں بعض وجد و سرور کے اس مرحلہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ حقیقت کو پنہاں نہیں رکھ سکتے۔ بعض عالم استغراق میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ سبحانی ما اعظم شانی اور "لیس فی الثوب الا اللہ" کہنے لگتے ہیں، لیکن شیخ ابو حامد غزالی اس حال میں پہنچ کر کہہ اٹھتے ہیں:-

فکان ما کان مما لست اذکرہ
فظن خیراً ولا تسأل عن الخبر

اور بلاشبہ وہ معارف کے شناسا اور علوم کے ماہر تھے"!

ابن باجہ اور غزالی: ایک موقع پر ابن طفیل نے کہا ہے:-

"اندلس کے اندر فلسفہ میں ابن باجہؒ سے بڑا کوئی فلسفی نہیں گزرا ہے۔ اس

ابن جوزی، ابن قیمؒ، اور غزالی

ابو الفرج، ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اور شمس الدین، ابو المظفر معروف بہ سبط ابن جوزی، (۵۸۲ - ۶۵۴ھ) اور ابن تیمیہ تقی الدین احمد، متوفی ۷۲۸ھ اور اُن کے شاگرد ابن قیم ابو عبداللہ محمد متوفی ۷۵۱ھ یہ سب مذہب حنبلی کے پیرو تھے اور امام غزالی کے کہ وہ شافعی المذہب تھے سخت مخالف تھے۔

سبط ابن جوزی کہتے ہیں :-

غزالی نے کتاب احیاء العلوم مذہبہ صوفیہ کے اصول پر تالیف کی ہے اور قواعد فقہ اسلامی کی ذرا بھی رعایت نہیں ملحوظ رکھی ہے۔"

ابن تیمیہ اس وجہ سے کہ غزالی فلسفہ سے بھی سروکار رکھتے تھے، انہیں بد دین اور کمزور عقیدہ قرار دیتے ہیں اور ان لوگوں پر لعنت کرتے ہیں جنہوں نے دوسری زبانوں سے کتب فلسفہ کو عربی زبان میں ترجمہ کیا اور مسلمانوں میں اسے رواج دیا۔

احیاء العلوم کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :-

"غزالی فن درایت وحدیث میں بہت معمولی استعداد رکھتے تھے،"

ابن جوزی نے اپنے مؤلفات میں بار بار کہیں کنایہ میں کہیں صراحت کے ساتھ غزالی پر سخت و درشت اعتراضات کیے ہیں بلکہ انہوں نے ایک مستقل کتاب ہی "اعلام الاحیاء فی اغلاط الاحیاء" کے نام سے احیاء العلوم کے رد میں تصنیف کر ڈالی ہے۔

ابن قیم بھی ابن جوزی کی طرح غزالی کے بارے میں انتہائی تعصب کا اظہار کرتے ہیں، کئی رسالے ان کے افکار و عقائد کے رد میں انہوں نے لکھے ہیں۔ احیاء العلوم کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

۹۵

موارد اعتراض بر غزالی

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، غزالی، شافعی مذہب اور اشعری مسلک تھے۔ لیکن ہر حال میں جویائے حقیقت بھی تھے، فنون علمی، اور آراء و عقاید مذہبی میں دلیل و استنباط عقلی و نقلی کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی قوم کو افکار تازہ سے مالا مال کر دیا۔

غزالی ہدف طنز و تعریض کیوں بنے؟ :- عام طور پر ان کے آرا موافق عوام، اور پسند جمہور انام، اور مطابق شریعت علمائے ظاہری، خاص کر فرقہ ہائے مخالف شافعی یعنی حنبلی و مالکی، و حنفی نہ تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ ہدف اعتراض و طنز و تعریض بن گئے تھے۔

غزالی کے مؤلفات از قبیل احیاء العلوم، والمنقذ من الضلال، ومشکوۃ الانوار وجواہر القرآن، والمستصفی وغیرہ سراپا ایسے عقائد پر مشتمل ہیں جو استنباط اور اختیار کا نتیجہ ہیں، کتب شافعی از قبیل "الانوار لاعمال الابرار" فتاوائے غزالی سے لبریز ہے ان فتاوی کا ایک حصہ مخصوص سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اور زبیدی نے مقدمہ شرح احیاء العلوم میں، اور ان کے بعض مشہور آراء یافعی اور ابن خلکان نے نقل کیے ہیں،

غزالی کے "جرائم" :- میں ذیل میں، چند مسائل اعتراضیہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

غزالی اور شیعہ :- ا- تشیع غزالی، ونقل احادیث امامیہ اور یزید پر لعنت کا فتوی، وہ مسائل اعتراضیہ ہیں جو غزالی کے دشمنوں اور بدخواہوں

کی ہے اور دلائل دیئے ہیں۔

غزالی اور وجد و سماع :- ۳- جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، غزالی، وجد، سماع جامہ و خرقہ، نغمہ طرب انگیز کی سماعت کو جائز اور مباح سمجھتے تھے، ان کا قول تھا ان امور کی حرمت پر نص و قیاس میرے علم میں نہیں، ابن قیم ان کی ان باتوں کو فقہ و دین سے خارج اور ہذیان قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں میاں خاک را عالم پاک کیا نسبت بشر مبداء وحید عشق پیدا کرے، خدا، بشر کا معشوق نہیں بن سکتا۔

غزالی اور حلاج و بایزید :- ۴- غزالی بایزید و حلاج کے اقوال کی تاویل کیا کرتے تھے، مخالف کہتے ہیں اگر حلاج و بایزید کے اقوال دلیل کفر نہیں ہیں تو پھر کافر کسے کہیں گے؟

ابن تیمیم کہتے ہیں کہ صوفیہ کی مخالفت جزو طاعت الٰہی ہے اور جو شخص اس طائفہ کا دشمن نہیں وہ اطاعت خدا سے خارج ہے،

۵- غزالی اور منطق : غزالی کہتے ہیں حدود و برہان اور شروط قیاس کی شناخت اور معرفت کے لیے منطق کی تحصیل لازمی ہے۔

تقی الدین ابو عمر و عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری المعروف بہ ابن صلاح (۵۷۷ — ۶۴۳) جو غزالی کے مشہور مخالفوں میں ہیں، انھوں نے مخالفت میں ایسی باتیں غزالی کے خلاف لکھی ہیں جو ادب اور شائستگی کے خلاف ہیں، شرف نووی، اور ابن تیمیہ اور ابن قیم نے بھی ابن صلاح کی تائید کی ہے، ان ہر چہار اصحاب کا اعتقاد ہے کہ تحصیل منطق حرام ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں :

"علم منطق جہل ہے نہ یہ کہ اس کی تحصیل وجوب عینی یا کفائی قرار دی جائے۔"

ابن قیم اور ابن صلاح کہتے ہیں، اگر منطق کی تحصیل جائز ہوتی تو صدیق رض و فاروق رض بھی اسے حاصل کرتے، اگر منطق کے بغیر وثوق معلومات بشر نا ممکن ہے تو معلومات ابوبکر و

کے مابین موضوعِ بحث و جدل بنے ہوئے ہیں، اس موضوع پر اتنا مواد موجود ہے کہ اگر اسے مرتب کیا جائے تو ایک پورا دفتر تیار ہو جائے۔

غزالی اپنی پختگیٔ افکار کے باعث جاہلانہ تاثرات سے پاک تھے، وہ بالطبع اس بدبینی سے دور رہتے، جس کا سنی شیعوں کے بارے میں، اور شیعہ سنیوں کے بارے میں اظہار کرتے ہیں، کیونکہ عرفانِ حقیقت اور تصوف و ریاضت نے ان کے عقاید میں اعتدال پیدا کر دیا تھا، نقل احادیث میں وہ مقیّد بہ طریق اہل سنت نہ تھے، آئمہ شیعہ سے بھی روایت کرتے تھے[۲] یہی وجہ تھی کہ مخالفین نے مذہب رافضی کی طرف انہیں مائل قرار دیا، اور فن حدیث و نقل اخبار میں انہیں کم استعداد مشہور کر دیا، مثلاً ناخن تراشی میں انگوٹھے سے ابتداء کرنا طریق اہل بیت ہے، اہل سنت کے ہاں ایسی کوئی روایت نہیں دوسری طرف یزید پر لعنت کے فتوائے غزالی کو جائز نہیں سمجھتے، اور کہتے ہیں، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا فرمان صادر کیا تھا، اور اس کام پر راضی تھا، جب تک اس کا اسلام مسلّم ہے، اس پر لعنت جائز نہیں، کیونکہ اخبار نبوی اور مدارک صحیح سے ثابت ہے کہ مسلمان پر لعنت حرام ہے[۳]

امیر علی نوائی نے یہ دو شعر ایسے ہی موقعہ پر کہے ہیں، ؎

اے کہ گفتی بر یزید و آل او لعنت مکن
زآنکہ شاید حق تعالیٰ کردہ باشد رحمتش
آنکہ با آل نبی او کرد اگر بخشد خدائے
ہم بہ نشاید خدا گر کردہ باشم لعنتش

غزالی اور حدیث :۔ ۲۔ مخالفین غزالی کہتے ہیں کہ وہ فن حدیث سے ناواقف تھے نہ مشائخ حدیث سے استفادہ کیا تھا، یہ آخری بات تو بالکل غلط ہے، کیونکہ ان کا سلسلۂ روایات و مشائخ بہت مضبوط ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ نقل احادیث میں محدثان محتاط کی سنت پر وہ عمل نہیں کرتے تھے اور اس بارے میں رخصت اور توسیع کے قائل تھے لیکن سبکی اور زبیدی نے اس بارے میں ان کی روش کی تائید میں تاویل

شافعی و احمد بن حنبل، وثوق سے محروم ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ فقہائے اہل سنت درباره علم منطق چار گروہوں میں منقسم ہیں۔

۱- ایک جماعت تحصیل منطق کو واجب عینی قرار دیتی ہے ۔

۲ - دوسرے گروہ کے نزدیک واجب کفائی ہے،

۳ - تیسرے جماعت اسے مباح کہتی ہے ۔

۴ - چوتھا گروه اس کے حرام ہونے کا فتوی دیتا ہے ۔

پہلا شخص جس نے حرمت فن منطق اور ابطال قواعد منطق پر کتاب لکھی۔ ابوسعید حسن بن عبداللہ بن مرزبان متوفی ۳۶۸ھ ہے، بعد میں دوسروں نے بھی اس موضوع پر طبع آزمائی کی، جلال الدین سیوطی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے، "القول المشرق فی تحریم المنطق۔"

فلسفہ کے بارے میں ان حضرات کے خیالات اور زیادہ سخت تھے، چنانچہ اس جرم میں کہ غزالی منطق و فلسفہ سے آشنا تھے۔ کفر و بددینی سے متہم کیے گئے۔ اور بے اندازہ قدح و نکوہش کے سزاوار قرار پائے ۔

۶۔ غزالی اور عربی زبان :- غزالی پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کی زبان فارسی تھی۔ اور عربی اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ اور کلمات و عبارات میں قواعد لغوی کو ملحوظ نہیں رکھتے،

۷۔ غزالی اور عوام :- ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ کیمیائے سعادت میں رموز و اشارات محققان طریقت فارسی زبان میں صراحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں اور اس طرح انہیں عوام تک پہنچا دیا ہے،

۸- قدرت واجب الوجود اور غزالی :- ایک اعتراض یہ ہے کہ غزالی عموم قدرت واجب الوجود میں منافات کے قائل ہیں۔ یہ کفر صریح ہے ۔

۹۔ فدائے حق اور جلال ربوبیت :- احیاء العلوم میں غزالی نے کہا ہے کہ ریاضت کا مقصد دل کو ہر چیز سے خالی کر دینا ہے، اور یہ چیز بجز خلوت نشینی کے حاصل نہیں ہو سکتی، حالت استغراق میں ندائے حق سنائی دیتی ہے، اور جلال ربوبیت آشکارا ہو جاتا ہے۔

مخالفین اسے بھی مورد اعتراض قرار دیتے ہیں اور یاوہ گوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۰۔ مراتب توحید :- احیاء العلوم میں غزالی نے توحید کو چار مرتبوں پر اور موحدین کو چند مرتبوں پر رکھا ہے

معترض کہتے ہیں، توحید قابل تقسیم نہیں۔

۱۱ - احیاء العلوم میں غزالی نے کہا ہے :

لا الہ الا اللہ ــــ توحید عوام ہے۔

لا الہ الا ھو ــــ توحید خواص ہے۔

یہ تقسیم بھی معترضین کو قبول نہیں۔

۱۲۔ غزالی کی ایک حدیث پہ جرح : غزالی نے احیاء العلوم میں بعنوان حدیث ماثور لکھا ہے، !

ان اللہ تعالیٰ خلق آدم علی صورتہ

یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا کیا ہے۔

ان کے معارض کہتے ہیں یہ کلمات مجہولات صوفیہ میں سے ہیں۔

۱۳۔ ربوبیت ایک راز ہے : غزالی نے احیاء میں گفتار سہل تستری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے،

ان الربوبیۃ سراً لو ظهر	ربوبیت کا ایک راز ہے جو ظاہر ہو جا
لبطلت النبوۃ وان النبوۃ	تو نبوت باطل ہو جاتی، نبوت کا ایک
سراً لو ظهر لبطل العلم وان	راز ہے کہ اگر ظاہر ہو جاتا تو علم باطل ہو جا
العلماء باللہ سراً لو انکشفت	اور علماء باللہ کا راز ہے، کہ منکشف ہو

کیا۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ حرکت بالکل جاہلانہ اور مخالف شریعت تھی۔

۱۹۔ مردانِ توکل: غزالی کہتے ہیں مردان توکل بے زاد و توشہ سرمایہ توکل لے کر سفر بیابان طے کر سکتے ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں یہ فتویٰ وہی دے سکتا ہے جو احکام شریعت سے جاہل ہو، کیونکہ باتفاق فقہا بدون زاد دخول بادیہ جائز نہیں۔

۲۰۔ اشتغال دائم۔ غزالی کہتے ہیں کہ اشتغال دائم بطالت ہے، ابن قیم اور معارضانِ دیگر کہتے ہیں، یہ صوفیاء کی یاوہ گوئی ہے۔

۲۱۔ غزالی کی تفسیر پر اعتراض: غزالی آیہ ابراہیم میں عبادت وجمع زر وسیم تفسیر کرتے ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں یہ تفسیر آج تک کسی نے نہیں کی۔

۲۲۔ بعض مشائخ کی مثال: غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ نے مجاہدہ و ترک ہوائے نفس کرتے ہوئے، اپنا سارا اندوختہ فروخت کر دیا اور اس کی قیمت پھینک دی۔

ابن قیم اور دیگر معارضین اسے خلاف شرع بتاتے ہیں۔

۲۳: ابوتراب کا نقل کردہ واقعہ:- غزالی نے ابوتراب نخشبی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنے مرید سے کہا:

"اگر ایک بار بایزید کو دیکھ لو تو یہ خدا کو ستر بار دیکھنے سے سود مند تر ہے، !!"

مطلب یہ کہ چشم جسمانی سے خدا کو دیکھنا ممکن نہیں، لہذا خدا کے نیک بندوں کو دیکھنا چاہیئے۔

ابن قیم کہتے ہیں، یہ شخص بالاتر از حد جنون ہے۔

لبطلت الاحکام والشرائع   تو احکام و شرائع باطل ہو جاتے،!

ابن قیم نے اس "تخلیط قبیح" کو ہذیان قرار دیا ہے۔

۱۴- ابن قیم کا غزالی پر حملہ :- غزالی نے گفتار جنید بغدادی کے اس قول پر کہ اولاد شہوت حلال کی عقوبت ہے (انما اموالکم و اولادکم فتنۃ، پس سزائے شہوت حرام، اظہار خیال کیا ہے۔

ابن قیم جنید و غزالی پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"مجامعت سنت شرعیہ میں سے ہے، اور عقاب سے خالی۔

۱۵- ازدواج کار ثواب نہیں : غزالی کہتے ہیں کہ ازدواج امور اجتماعی دنیاوی میں سے ہے، اس کا ثواب آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔

ابن قیم اور دیگر معارض کہتے ہیں کہ بیوی سے مجامعت ثواب آخرت کی موجب ہے۔

۱۶- توکل کی مثال : غزالی کسی عارف کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ وہ درندوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا کہ اپنے توکل کو آزمائے۔

ابن قیم اور دیگر معارض کہتے ہیں ایسا شخص کار حرام کا مرتکب ہے، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے اور آیۂ کریمہ "(اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) فراموش کردی ہے۔

۱۷- ابن قیم کا ایک اور اعتراض : غزالی نے احیاء میں گفتار ابوحمزہ کی تائید کی ہے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے اگر شکم سیر بیابان میں جاؤں، کہ یہ توکل کے خلاف ہے، خدا روزی رساں ہے، وہ ہر جگہ رزق دے گا۔

ابن قیم اسے "فعل قبیح" قرار دیتے ہیں اور خلاف شرع بتاتے ہیں۔

۱۸- برہنہ سر اور پا پیادہ حج : غزالی ابوالحسن دینوری کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بارہ دفعہ برہنہ سر اور پا پیادہ حج

یہ ہے غزالی پر اعتراضات کی بوچھار، لیکن اعتراضات سے کون آدمی بچا ہے، ؟

تعلیقات

[1] تالیف یوسف اردبیلی[2] دو ضخیم مجلدات میں ہے، ۱۳۱۰ھ میں مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو طبقات الشافیہ و احیاء العلوم وغیرہ۔

[3] غزالی اس فتوے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ شافعیہ کی بھی ایک جماعت لعن یزید کا فتویٰ دیتی ہے۔

۲۴- غزالی اور صوفیہ : غزالی صوفیہ کے اقوال نقل کرتے اور تصوف سے ربط رکھتے ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں صوفیہ کی مخالفت طاعت الٰہی ہے۔

۲۵- اسرار ربوبیت : غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ اسرار ربوبیت کا فاش کرنا کفر ہے۔

لیکن مخالفین کو اس سے بھی اختلاف ہے۔

۲۶- غزالی کے افکار مجموعۂ اضداد : غزالی کے نقاد کہتے ہیں کہ غزالی تشتت آرا کے مرض میں مبتلا ہیں، ان کے مؤلفات میں ایسے مطالب ہیں، جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

۲۷- غزالی پر ابن رشد کا اعتراض :- معارضان غزالی از قبیل ابن رشد کہتے ہیں کہ غزالی مسلک مستقیم و معین نہیں رکھتے، متکلمین کے مجمع میں متکلم فقہا کو بارگاہ میں فقیہ، فلاسفہ کے ایوان میں فلسفی، صوفیوں کی خانقاہ میں صوفی۔

۲۸- شطحیات غزالی :- مخالفان غزالی کا قول ہے کہ جب تک وہ بغداد میں رہے فکر مستقیم کے مالک تھے، صوفی ہوئے تو ان کے افکار شطحیات صوفیہ کی طرح ہو گئے۔

۲۹- غزالی کا کوئی پیر نہیں تھا :- بعض دشمنان غزالی کہتے ہیں کہ تصوف میں ان کا کوئی پیر و مرشد نہ تھا، وہ ایک خودرو درخت کی طرح تھے۔

۳۰- غزالی دوسروں کی عبارتیں سرقہ کر لیتے تھے :- بعض مخالف کہتے ہیں کہ وہ دوسروں کی کتابوں سے اپنی کتابوں میں عبارتیں نقل کر لیتے ہیں، اور حوالہ نہیں دیتے، کتابوں کے نام تک دوسروں کے اختیار کر لیتے ہیں۔

دورِ ابتلا و محن

تالیفاتِ غزالی نذرِ آتش ــــ پیروانِ غزالی ہلاک و کشتہ

فقہائے مالکی کے فتوے کیمطابق مغرب میں غزالی کے مولفات کو خاص طور پر احیائے العلوم کو نذرِ آتش کر دینے کا کام شروع کر دیا تھا۔

بادشاہ مراکش و اندلس کا تعصب:۔ علی بن یوسف بن تاشفین متولد ۱۱ رجب ۹۶ھ متوفی ۷ رجب ۵۳۷ھ بادشاہ مغرب یعنی اندلس و مراکش مالکی مذہب پر عامل تھا اور نہایت کٹر اور متعصب، فلسفہ و منطق کا سخت مخالف تھا۔ فقہائے مالکی اعدو دوسرے دشمنان غزالی نے مشہور کر دیا کہ مولفات غزالی سراپا فلسفہ و منطق ہیں۔ علی بن یوسف تاشفین نے حکم دیا کہ احیاء العلوم کے نسخے جہاں ملیں، جمع کئے جائیں۔ نیز ان کی دوسری کتابیں بھی فراہم کی جائیں، اور ان سب کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ اور ساری مملکت میں جتنے پیروان غزالی ملیں اور ان کی تالیفات کو رواج دینے والے دستیاب ہوں، ان سب کو ہلاک اور قتل کر دیا جائے۔ کہتے ہیں اس حکم کے بعد مملکت میں سخت شورش برپا ہوگئی، جسے لوگوں نے غزالی کی کرامت سے تعبیر کیا[1]

ابو عبد اللہ کا ایک خواب:۔ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد المومن موذن کا بیان ہے کہ محرم یا صفر کے مہینہ میں ایک خواب میں نے دیکھا کہ آفتاب مغرب سے برآمد ہوا ہے۔ یہ خواب میں نے اسکندریہ میں دیکھا تھا۔ تعبیر پوچھی تو معبّر نے جواب دیا کہ مغرب میں کوئی بہت [illegible] ابوحامد غزالی مریہ میں نذر آتش

کر دی گئیں [3]

قاضی عیاض کا فتویٰ:- جن کی وفات مراکش میں ۵۴۴ھ میں ہوئی ہے نے علی بن تاشفین کے بعد فتویٰ دیا کہ مولفات غزالی کو نذرِ آتش کر دیا جائے

کتب غزالی کا مطالعہ حرام، جلا دینا واجب: ابوالحسن بن حرزہم معروف بہ ابن حرزہم ہے یا ابن حزام مغربی نے کہ جن کا شمار رئیس فقہائے بلادِ مغرب میں ہوتا تھا فتویٰ دیا کہ احیاء العلوم کا پڑھنا حرام ہے اور اس کے نسخوں کا جلا دینا واجب ہے

یافعی کا بیان:- ۵۵۸ھ کے وقائع میں یافعی نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں مولفات غزالی پر قیل و قال کا سلسلہ جاری تھا۔ فقہائے ناحیہ جبال نے فتویٰ دیا کہ غزالی کی کتب کا پڑھنا حرام ہے اوراق کا جلا دینا واجب ہے۔

ایک عالم بزرگ ابوالفدا اسماعیل بن محمد حضری سے استفسار کیا گیا کہ آیا غزالی کی کتابوں کا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

ابوالفدا نے جواب دیا:-

غزالی سید المصنفین ہے اور جیسا کہ ابن سمرہ نے بیان کیا ہے کہ فقہائے جبل فقہائے تہامت کے مخالف ہیں۔ یہ واقعہ صاحب البیان کے زمانہ کا ہے کہ بعض فقہائے جبال نے زبیدی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ یہ سب جھوٹی کارفرمائی ہے اور طریق حق امور سے رد گردانی

تعلیقات

[1] طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۱۴

[2] سبکی، ج ۲ ص ۱۱۳

[3] مریۃ اندلس کے اضلاع میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔

ابن حزم کا بیان ہے کہ اس رات میں نے خواب دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) کے ساتھ تشریف فرما ہیں، اور امام غزالی ان کے قریب کھڑے ہوئے ہیں۔ کتاب احیاء العلوم ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہیں :-

" یہ میری کتاب ہے اور یہ (ابن حزم) میرا دشمن ہے اگر اس کتاب میں آپ کی شریعت کے خلاف میں نے کچھ لکھا ہے تو میری توبہ قبول فرمائیے ، اور نہ میری دادرسی کیجئے -

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب لے لی اور اس کے معلمات کو ملاحظہ فرمایا، اور بہت زیادہ تحسین و آفرین کی -

شیخین نے بھی اس کتاب پر غزالی کی تعریف و توصیف کی،

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میری پیٹھ ننگی کر دی گئی اور پانچ تازیانے میرے مارے گئے - ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری سفارش کی - خود غزالی نے بھی مجھے معاف کر دینے کی التجا کی -

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو سزائے تازیانہ کا درد شدت سے محسوس کر رہا تھا -

کہتے ہیں کہ ایک ماہ تک وہ درد کرب میں مبتلا رہے اور تازیانے کے نشانات تادم مرگ ان کے بدن پر نمایاں رہے -

یافعی نے اس داستان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے - ابن حزم کے ایک پوتے سے میری ملاقات سفر مکہ کے دوران میں ہوئی - یہ واقعہ میں نے صفوان کی زبان سے سنا -

(مرآۃ الجنان ج ۳ ص ، ۳۲۲ مطبوعہ ہند)

اسی طرح کی ایک اور داستان بھی کتابوں میں منقول ہے -

۹۷

کرامات غزالی کی داستان

سبکی نے طبقات الشافعیہ (ج ۴) اور یافعی نے مراۃ الجنان (ج ۳) میں ۵۵۸ھ کے وقائع کا ذکر کرتے ہوئے غزالی کی داستان کرامت بیان کی ہے۔ زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں تو اس داستان کو بہت زیادہ طولانی کر دیا ہے۔ غزالی کے موافقوں اور ہواخواہوں کی نظر میں چونکہ ان کرامات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے انہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا رعایت اختصار مدِ نظر رکھتے ہوئے چند نمونے ذیل میں درج کرتا ہوں جسے تفصیل مطلوب ہو، کتب مذکورہ کا مطالعہ کرے،

ایک ہولناک خواب:— شیخ تاج الدین ابو الفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم معروف بہ عطاء اللہ اسکندرانی شاذلی مالکی متوفی در قاہرہ (۷۰۹ھ) اپنے استاد ابو العباس مرسی شاذلی سے، اور وہ اپنے استاد ابو الحسن شاذلی سے روایت کرتے ہیں کہ بلاد مغرب میں ابن حرزہم فقیہہ مطاع کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کتاب احیاء العلوم کے جلا دینے کا فتویٰ دیا۔ اور بادشاہ وقت کو اکسایا کہ اس نے فرمان تاکیدی صادر کیا کہ اس کتاب کے تمام نسخے جمع کئے جائیں اور جو شخص اس کتاب کو چوری چھپے اپنے پاس رکھنے کا مجرم پایا جائے، اسے قتل کر دیا جائے۔

پنجشنبہ کے دن اس کتاب کے نسخے تمام مقامات سے لا کر جمع کر دیئے گئے۔ ابن حرزہم کی قیادت میں تمام فقہا جمع ہوئے۔ یہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ غزالی کی احیاء العلوم خلاف شرح محمدی ہے۔ لہٰذا اسے نذرِ آتش کر دینا چاہیئے۔

طے پایا کہ کل نماز آدینہ کے بعد جمع شدہ نسخے آگ میں جلا دیئے جائیں۔

"یا رسول اللہ ﷺ یہ کتاب میرے اور دوسرے اہل سنت کے عقیدے پر مشتمل ہے اجازت ہو تو پڑھوں،
آپ ﷺ نے کتاب کا نام دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا، پھر حکم دیا:۔

پڑھو!

میں نے کتاب شروع کر دی، یہاں تک کہ اس جملہ پر پہنچا جو غزالی نے اذکر کیا تھا:۔

"ومعنی الکلمۃ الثانیہ وھی شھادۃ الرسول، الخ

آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا، فرمایا،

"غزالی کہاں ہے"؟

اتنے میں غزالی آ گئے اور خدمتِ رسول میں پیش ہوئے، سلام کیا اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک کو چوما اور پھر اپنے ہاتھ منہ پر مل لئے۔ پھر بیٹھ گئے۔

یہ بات کہ آپ ﷺ نے "قواعد العقائد" سنی اور اس پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ یہ بات دوسرے ارباب جو پیش ہوئے تھے کسی اور کے پیش نہیں آئی۔

سبکی کہتے ہیں۔ یہ واقعہ ابوالفتح ساوی نے ابوالقاسم اسفرائنی کے لئے فارسی زبان میں حکایت کیا تھا انہوں نے اسے عربی میں نقل کر دیا۔

شیخ عارف ابوالعباس احمد بن ابوالخیر یمنی معروف بہ ضیا یمنی

غزالی کا مرتبہ آسمان پر:- روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ چند سبز پوش آسمان سے اتر کر ایک قبر پر آئے - قبر سے ایک شخص پیدا ہوا - اسے ان سبز پوشوں نے خلعت فاخرہ پہنایا اور اسے ایک مرکب پہ سوار کیا اور اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر لے گئے اور سیر کرائی اور ستر حجاب ہٹا دیئے -

"میں نے سوال کیا یہ مرد بزرگوار کون ہیں؟"

جواب ملا

"ابوحامد امام غزالی ہیں"

نیز حافظ ابوالقاسم معروف بہ ابن عساکر جو مشہور مورخ ہیں،

ابن عساکر کی روایت :- کتاب "تبیین" میں کہتے ہیں کہ شیخ فقیہ ابوالقاسم اسفرائنی سعد بن علی بن ابوالقاسم بن ابوحریرہ صوفی شافعی سے دمشق میں میں نے سنا کہہ رہے تھے کہ میں نے شیخ امام اوحد زین القراء جمال الحرم ابوالفتح عامر سادی سے مکہ میں سنا، وہ فرماتے تھے کہ روز پنجشنبہ ۱۴ شوال ۵۴۵ھ کو میں نماز کے لئے مسجد حرام میں گیا، بہت تھکا ہوا اور نڈھال تھا کعبہ کے برابر لیٹ رہا لیکن سویا نہیں - اس حالت میں ایک مرد بدعت یعنی رافضی آیا، اس نے مصلیٰ بچھایا اور سنگی لوح جس پہ نقاشی کی ہوئی تھی جیب سے نکالی، پھر اسے بوسہ دیا اور سامنے رکھ لیا اور اپنے طریقۂ بدعت پر نماز پڑھنے لگا -

میں نے دل میں کہا کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور بدعت کاروں کو سزا دیتے اسی خیال میں تھا کہ وہ کیفیت دور ہوگئی اور میں خواب بیداری کے عالم میں آگیا - میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا، ارباب مذاہب کا گروہ آپؐ کے پاس کھڑا تھا ہر ایک کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی تاکہ وہ اپنا عقیدہ پیش کر سکے - پہلے شافعیؒ، پھر ابوحنیفہؒ پھر دوسرے آئمہ باری باری آئے - خدمت رسولؐ میں پیش ہوئے اور اپنے اپنے عقائد بیان کئے - ایک رافضی نے اپنا عقیدہ بیان کیا - اتنے میں یاران پیغمبرؐ میں سے ایک آگے بڑھا اور اسے ہٹا دیا - پھر میں ابوالفتح سادی حاضر ہوا - کتاب "قواعد العقائد" غزالی میرے ہاتھ میں تھی - میں نے عرض کیا -

۹۸

امام غزالیؒ

پر

طرطوشی ، مازری ، اور ابن صلاح کے اعتراضات

ابوالولید محمد طرطوشی متوفی ۵۲۰ھ ، ابومحمد عبداللہ مازری متوفی ۵۳۶ھ و تقی الدین ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری معروف بہ ابن صلاح متولد ۵۷۷ و متوفی ۶۴۳ھ اوّل الذکر دو اصحاب مالکی تھے ، ابن صلاح شافعی ہر سہ اصحاب خود سر شریع کے باب میں سخت متعصب تھے ۔ اور غزالی کے شدید مخالف ۔

سبکی نے طبقات و شافعیہ میں ان حضرات کے اعتراضات کے کچھ حصے نقل کیے ہیں اور کمال تحقیق اور انتہائی غیر جانب داری کے ساتھ جواب بھی دیا ہے ۔

معترضین کے اعتراضات اور جواب سبکی کا خلاصہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں ۔

سبکی کہتے ہیں :

مازری کے اعتراضات غزالی : امام عبداللہ مازری سے کتاب احیاء العلوم ، اور اس کے مؤلف کے بارے میں سوال کیا گیا ۔

انھوں نے جواب دیا :

میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی ہے ، لیکن غزالی کے شاگردوں اور اصحاب کو بکثرت دیکھا ہے اور ان سے بہت کچھ سنا ہے چنانچہ نہ دیکھنے کے باوجود میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انھیں دیکھا ہے :-

"وہ فقہ میں مہارت رکھتے تھے اور فن کلام میں کہ اصول دین ہے اگرچہ کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن اس فن میں تبحر نہیں رکھتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ فلسفہ انھوں نے اصول دین حاصل کرنے سے پہلے سیکھا اور عقائد فلاسفہ ان کی رُوح میں راسخ ہوگئے تھے۔ ان کے بعض اصحاب سے میں نے سنا ہے کہ غزالی کی اخوان الصفا سے جو فلسفہ شریعت کے امتزاج کی ایک کوشش ہے اور آثار ابن سینا سے تعلق اور دلچسپی رکھتے تھے، اور یہ کاملاً ان میں پیوست ہوگئے تھے۔ تصوف کے بارے میں مجھے نہیں معلوم ان کا مرشد کون تھا؟ امر کلام میں وہ ابوحیان توحیدی کے نوشتوں پر اعتماد کرتے تھے۔ احیاء العلوم کی بیشتر احادیث ثقہ، اور ازروئے اسناد درست نہیں ہیں۔"

طرطوشی کے اعتراضات غزالی پر: طرطوشی بھی مالکی فقیہہ ہیں اور غزالیؒ کا ذکر طعن سے کرتے ہیں۔ ابن مظفر کو جو نامہ انھوں نے تحریر کیا تھا اس میں لکھتے ہیں:

"میں غزالی سے ملا ہوں، ان سے بات چیت کی ہے وہ تفائل لبسیار، اور عقل و ہوش فراواں کے مالک تھے ساری زندگی ممارست علوم میں گزار دی لیکن وہ طریقہ علماء سے برگشتہ تھے اور طریقہ صوفیہ پر شیفتہ تھے۔ علم و علماء کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے وہ آراء فلاسفہ اور کنایات حلاج سے مانوس تھے، لہٰذا فقہا اور متکلمین پر طعن کیا کرتے تھے، وہ کفر و بے دینی کے داہرد تھے ان کی کتاب احیاء العلوم مجہولات سے بھری پڑی ہے۔"

ابن صلاح کے غزالی پر اعتراضات: سبکی نے بتایا ہے کہ ابن صلاح بھی غزالی پر حملے کیا کرتے تھے۔ منطق کے حرام ہونے کا فتویٰ دینے پر وہ غزالی سے سخت برہم ہیں اور ایسے ناروا اور درشت الفاظ استعمال

لیکن اگر غزالی تصوف سے ناآشنا تھے تو وہ کون ہے جو آشنا ہے ؟

ابن صلاح کے اعتراضات کا جواب : سبکی کہتے ہیں کہ ابن صلاح بھی غزالی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے اور ایسے خیالات ظاہر کرتے ہیں جنھیں عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ۔

منطق کے بارے میں سبکی کہتے ہیں کہ معترضین کا اعتراض ہے کہ اگر یہ ضروری فن تھا تو ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی اس سے واقف ہونا اور اس کی تحصیل کرنا چاہئے تھا ، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اوائل عہد اسلام میں ہر شخص چشمۂ نبوت سے آپ معرفت حاصل کر لیتا تھا ، لوگ نبیؐ سے جو کچھ پوچھنا ہوتا پوچھ لیتے تھے وہ کسی استدلال کے محتاج نہ تھے ، نہ منطق کی انھیں ضرورت تھی ، لیکن دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ارباب بدعت و ضلالت بہت زیادہ ہوگئے لہٰذا فہم حقائق کے لیے منطق کی ضرورت پڑی ، کہ بجز اس کے حق و باطل کا جدا کرنا مشکل تھا ۔ ابن صلاح اور ان کے ہم خیالوں کو غزالی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ غزالیؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس نے حق کو باطل سے جدا کر دیا ۔

غزالیؒ کی روش مخصوص : روش غزالی ، درمیان طرق و مسائل علمی و مذہبی ایک مخصوص نوعیت کی ہے جس نے کچھ لوگوں کو مخالف ، کچھ کو موافق بنا دیا ۔ یہ اختلافات خود غزالی کے عہد سے شروع ہوگئے ، اور اتنے بڑھے کہ دوستان و دشمنان غزالی کے مابین مشاجرات قولی و قلمی و تکفیر و تفسیق کا رشتہ شروع ہوگیا اور قتل و خون ریزی تک نوبت پہنچ گئی ۔

موافقان غزالیؒ : (١) امام عبدالغافر فارسی ، صاحب تاریخ نیشاپور ۔
(٢) عین القضاۃ ہمدانی ۔
٣۔ ابن عساکر دمشقی مؤرخ معروف (٤٩٩ - ٥٦٤ھ)
٤۔ ابن نجار ، محب الدین محمد متوفی ٦٤٣ھ
٥ ۔ سمعانی ، ابوسعید عبدالکریم ۔
٦۔ سبکی ، صاحب طبقات الشافعیہ ۔

کرتے ہیں جو انصاف پسند لوگوں پر گراں گزرتے ہیں۔

سبکی کے جوابات: سبکی نے کلمات طرطوشی و مازری کا جواب دیا ہے، جس کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں:

"مازری فقہائے مغرب میں باہوش تر آدمی تھے۔ امام الحرمین کی تالیف "برہان" کی جیسی فاضلانہ شرح انھوں نے کی ہے، کوئی نہیں لکھ سکا، لیکن یہ مرد مالکی حد درجہ متعصب تھا، مقامات ابوالحسن اشعری کے ایک ایک لفظ پہ پورے جمود کے ساتھ اعتقاد رکھتا تھا، گفتار اشعری کو سر مو مخالفت برداشت نہیں کر سکتا تھا، مذہب مالکیؒ کے مخالف کو، اصل دین کا مخالف خیال کرتا تھا۔ اس کے برعکس غزالیؒ میں اجتہاد کا مادہ تھا۔ وہ اشعری کے بعض اقوال رد بھی کر دیتے تھے۔ یہی وجوہ، یعنی مالکیت تعصب اشعری، جمود بر عبارات ظاہری، تباین مسلک و عقیدہ تھے جنھوں نے مازری کو نہ صرف غزالی سے بلکہ امام الحرمین تک سے متنفر کر دیا تھا۔

مازری کا یہ اعتراض کہ غزالی نے پہلے فلسفہ سیکھا پھر اصول دین، غلط ہے صورت حال اس کے برعکس ہے، مازری کے نزدیک غزالی کا تصوف میں کوئی مرشد نہ تھا، حالانکہ وہ فارمدی کے مرید تھے، مازری کا خیال ہے کہ غزالی حدیث میں دسترس نہیں رکھتے تھے۔ اجتہاد میں انھوں نے فقہا، صوفیہ کی کتب متفرقہ بدون سند نقل کر دی ہیں۔ حالانکہ غزالی محدث تھے، اور مشائخ حدیث رکھتے تھے بعض علماء نے احیاء العلوم کی احادیث کا استخراج کیا ہے۔ اس میں شاذ حدیثیں بہت کم ہیں۔

طرطوشی کے اعتراضات کا جواب: طرطوشی نے غزالی پر جو الزامات عائد کیے ہیں وہ سب بے دلیل ہیں۔ وہ اپنے آپ کو دین دار اور متعبد خیال کرتے ہیں لیکن ان کی دین داری کا یہ حال ہے کہ بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے غزالی کو زمرۂ فقہا سے خارج کر دیتے ہیں۔ طرطوشی کا خیال ہے کہ غزالی تصوف سے ناآشنا تھے

۱۰ - یوسف دمشقی

۱۱ - بدر زرکشی

۱۲ - علامہ ذہبیؒ (۶۷۳ھ — ۷۴۸ھ)

۱۳ - قاضی عیاض - معروف عالم کبیر، متوفی ۵۴۴ھ

۱۴ - ابن حزیم (یا ابن حزم)

صاحب کتاب تبصرۃ العوام بھی غزالیؒ کے مخالفوں میں تھے، اور ان کے خلاف سخت ا
استعمال کرتے تھے۔

غزالی کے مخالفین میں چار شخص — ابن صلاح، بدر زرکشی۔ یوسف دمشقی — اور
لقاعی — شافعی تھے، باقی مالکی یا حنبلی۔

فقہائے حنفی بھی ان سے اس لیے خفا ہیں کہ "المنخول" میں انھوں نے امام ابوحنیفہ
کیا ہے، لیکن اس مبحث پر شروع میں ہم گفتگو کرچکے ہیں اور خود امام غزالی کا مکتوب بھی نقل
ہیں، جس سے اس اعتراض کا بودا ہونا ثابت ہوچکا ہے۔

غزالی کی عظمت کا ثبوت : غزالیؒ کے بارے میں یہ سارے اختلافات ان کی
عظمت پر شاہد ہیں کیونکہ اشخاص بزرگ ہمیشہ مور
وخیالات متناقض رہا کیے ہیں۔

مردان بزرگ خود اپنے آپ سے پہچانے جاتے ہیں۔ نہ مداحوں سے نہ دشنام طرازو
ہیں نہ ان خوابوں کو جو شاذلی اور صیاد نے ان کے بارے میں دیکھے تھے۔ غزالی کا مع
تسلیم کرتا ہوں نہ ابن صلاح اور ابن قیمؒ کی سب وشتم کو دلیل، ان کی بے مائگی اور ہیچ مغزی کی
دیتا ہوں، کیونکہ یہ تمام احوال خواب، حکم میں ہیں، اور خواب صرف مجاز ہے۔

شیخ سعدیؒ نے گلستان میں غزالیؒ کو امام رشد کہا ہے۔ شیخ عطارؒ جیسا عالم علام ا
ابن عربی جیسا شخص انھیں واصلان حق میں شمار کرتا ہے۔

غزالیؒ سے اختلاف کی متناقض بنیادیں : غزالیؒ فلسفہ ومنطق سے آرشنا تھے

۷۔ یافعی، صاحب مرآۃ الجنان۔
۸۔ ابن خلکان، مورخ معروف بن ابوالعباس احمد بن ابراہیم متوفی ۶۸۱ھ
۹۔ محی الدین ابن عربی
۱۰۔ صلاح الدین صفدی، متوفی ۷۶۴ھ
۱۱۔ امام فخرالدین رازیؒ، متوفی ۶۰۶ھ
۱۲۔ محمد حضرمی۔
۱۳۔ عبدالوہاب شعرانی۔
۱۴۔ قطب الدین محمد عسقلانی
۱۵۔ ابوالفضل عراقی۔
۱۶۔ فاضل نودی۔
۱۷۔ مناوی
۱۸۔ شیخ عبدالقادر، مؤلف "تعریف الاحیاء، بفضائل الاحیاء"
۱۹۔ شیخ عیدروس، متوفی ۱۰۳ھ
۲۰۔ زبیدی (۱۱۴۵ھ - ۱۲۰۵ھ) صاحب تاج العروس، وشرح احیاء العلوم۔

غزالیؒ کے مشہور مخالف:
۱۔ ابوالولید طرطوشی۔
۲۔ مازری
۳۔ ابن صلاح
۴۔ ابن رشد (فلسفی اندلس)
۵۔ امام ابن تیمیہؒ۔
۶۔ علامہ ابن قیم، شاگرد رشید امام ابن تیمیہؒ۔
۷۔ ابن منیر
۸۔ علامہ ابن جوزی
۹۔ برہان البقاعی

اپنے ساتھ مغرب میں لے گئی پھر وہاں ابن رشد جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ غزالی ریاضات شاقہ کے باعث آشفتہ طبع ہوگئے تھے۔ اگر آشفتگی وہی ہے جو غزالیؒ رکھتے تھے، تو میں اسے جان دے کر خریدنے کو تیار ہوں۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ خواہم خویش را

امام فخر الدین رازی غزالی کے بارے میں کہتے ہیں:

امام رازیؒ اور امام غزالیؒ: "گویا خدا نے تمام علم غزالی میں جمع کر دیئے تھے"[۱]

یافعی وسبکی اور دوسرے لوگ انھیں مایۂ افتخار امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں[۲]

ابن خلکان کہتے ہیں:

"شافعی مذہب کے دور آخر میں غزالی جیسا کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوا"

ابوسعد سمعانی اور امام عبدالغافر کہتے ہیں۔

لم تر العیون مثلہ لسانا وبیانا ونطقا وخاطر وذکاءً وطبعاً

زور کلام، حسن بیان، نطق وخاطر طبع و ذکاء کے اعتبار سے غزالیؒ سا آدمی آنکھوں نے نہیں دیکھا

ابن نجار کہتے ہیں:

"غزالیؒ علی الاطلاق امام فقہا اور بالاتفاق ربّانی امت تھے"

ابن عساکر کا قول ہے:

"وہ علم فقہ کے امام تھے"

نوردی احیاء العلوم کے وصف میں کہتے ہیں:

"احیاء العلوم گویا قرآن ہے"

مناوی کتاب طبقات میں قطب یافعی یکے از علمائے ظاہر و باطن سے نقل کرتے ہیں:

"اگر محمد صلوات اللہ علیہ کے بعد پیغمبری کا سلسلہ چل سکتا تو غزالی ضرور پیغمبر ہوتے"[۳]

ہ پایۂ ارسطو و فارابی، و ابن سینا کو استوار نہیں سمجھتے تھے۔

علماء کا ایک گروہ مانند ابن صلاح و ابن تیمیہ و ابن قیم ان پر اس لیے حملہ آور ہے کہ وہ منطق
فلسفہ میں دسترس کیوں رکھتے ہیں؟ دوسری طرف ابن رشد اس لیے خفا ہیں کہ وہ قواعد فلسفہ کو
سست بنیاد کیوں خیال کرتے ہیں؟ اور مسائل فلسفہ کے ردّ میں انھوں نے کتاب کیوں لکھی؟

غزالیؒ منسب بہ مذہب شافعیؒ و فرقۂ اشعری تھے۔ اس جرم میں فقہائے حنبلی مثلاً ابن جوزی
اور ابن تیمیہ۔ نیز فقہائے مالکی مانند طرطوشی و مازری ان پر پے در پے حملے کرتے ہیں۔

غزالیؒ کی زبان سے حقائق عرفانی نکلتے ہیں اور ابن قیمؒ از روئے جمود بطور ہر شرع، اور وہ بھی
جو وہ خود سمجھتے ہیں عقائد غزالی پر چون کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں کہ اصحاب فہم و دانش کے
نزدیک وہ مایۂ تمسخر و استہزاء ہیں۔

غزالی جیسا مرد محقق کیونکر ممکن تھا کہ سن شعور سے لے کر آخر عمر تک ایک ہی ڈگر پر چلتا رہتا؟
اور تحولات سے جو لازمہ ہر موجود ہیں متاثر نہ ہوتا؟

غزالیؒ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ متلون مزاج تھے۔

غزالیؒ کی شخصیت کا جائزہ : وہ ایک فرقہ کے آداب و رسوم پر آنکھ بند کرکے از اول
تا آخر عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے افکار و آرا میں تشتت ہے۔ وہ
متکلم کے ساتھ متکلم، فلسفی کے ساتھ فلسفی۔ صوفی کے ساتھ صوفی، فقہاء کے ساتھ فقیہ ہیں۔

علمائے مغرب، یعنی اندلس

علمائے اندلس علوم شرعی سے دلچسپی رکھتے تھے : و مراکش علم شرعی کے
سوا دوسرے علم سے نا آشنا تھے، پھر ان کی ایک جماعت مانند قاضی عیاض و مازری و طرطوشی
باہر نکلی۔ یہ لوگ تعصب و تصلب دینی اور جمود بطور ہر شرع کے حامل تھے۔ فلسفہ و منطق کو
حرام خیال کرتے تھے اور دین اسلام کا مخالف خیال کرتے تھے۔ انھوں نے جب سنا کہ مؤلفات
غزالی فلسفہ و منطق سے ممزوج ہیں تو انھوں نے انھیں جلانے کا، اور ان کا پڑھنا حرام قرار دینے کا
فتویٰ دے دیا۔

پانچویں صدی ہجری میں علمائے مغرب کی ایک جماعت یمن عراق عجم میں آئی، اور منطق و فلسفہ کو

انبیائے قرآن

(چار حصے)

مؤلفہ :- محمد جمیل ایم اے۔

قرآن کریم کے ان تمام انبیائے کرام کے مفصل اور جامع حالات جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ صرف مستند اور معیاری احوال و واقعات قلمبند کیے گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ نہ صرف تاریخی اور علمی نقطہ نظر سے بے حد نفع بخش ہے۔ بلکہ بقول مولانا احتشام الحق تھانوی ختم قرآن میں بھی کافی ممد و معاون ثابت ہوگا۔

حصہ اول

حضرت آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک (از ابتدا تا ١٨١٧ ق - م

حصہ دوم

حضرت ایوبؑ سے حضرت یوشع علیہ السلام تک (سولہویں صدی قبل مسیح سے چودھویں صدی قبل مسیح تک)

حصہ سوم

حضرت قموئیل سے حضرت عیسیٰؑ تک (گیارہویں صدی قبل مسیح تا ٣٣ء)

حصہ چہارم

مؤلفہ: سید مرتضیٰ حسین فاضل۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و سوانح تمام بڑے بڑے واقعات اور جزئیات اسناد کے ساتھ چاروں حصے دلکش تصاویر اور نقشوں سے مزین ہیں۔

حصہ اول: ٣٨٠ صفحات قیمت -/١٢ — حصہ سوم: ٥٨٠ صفحات قیمت ١٣/٥٠

حصہ دوم: ٣٤٠ " " -/١٢ — حصہ چہارم: ٤٨٠ " " ١٢/٥٠

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور - کراچی پشاور - حیدرآباد

یہ ہیں اکابر واعاظم کے خیالات و تاثرات غزالیؒ کے بارے میں ، لیکن ابن قیم اور ابن صلاح انھیں ہذیان گو اور یاوہ باف خیال کرتے ہیں ۔

غزالیؒ کا سب سے بڑا مخالف : غزالیؒ کے مخالفوں میں سب سے معروف شخص ابن رشد ہے ۔ میں ان دونوں کے مابین محاکمہ کرنے کی قابلیت تو نہیں رکھتا ، لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میزان شناسی و تشخیص معنویت مردان بزرگ ممکن ہے تو بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ غزالی کا مقام جو کچھ بھی ہو بہر حال ابن رشد سے بالا تھا ۔

بہر حال غزالی کے مخالفوں کی تقسیم اگر کی جائے تو انھیں چند طائفوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

- ایک گروہ فقہائے خشک کا ہے ــــ جیسے ابن قیم اور ابن صلاح ۔
- ایک جماعت علمائے متعصب کی ہے ــــ مثلاً ، مازری ، طرطوشی ۔
- ایک گروہ وہ ہے جسے ہم شیفتگان ارسطو ، و فارابی میں شمار کر سکتے ہیں ۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ بندۂ ناچیز جسے نہ اطمینان میسر ہے ، نہ اسباب فراہم ہیں اس قابل ہوا کہ " غزالیؒ نامہ " تمام مشکلات کے باوجود مرتب کر سکے ۔

(جلال ۔ ہمائی)

تعلیقات

۱؎ الوافی بالوفیات صفدی ، در ترجمہ حال غزالی ۔

۲؎ طبقات الشافعیہ و مرآۃ الجنان

۳؎ مقدمہ زبیدی در شرح احیاء العلوم

اَلوحیُ المحمّدی

تصنیف

سید محمد رشید رضا

ترجمہ

سید رشید احمد ارشد

- ناقابلِ تردید دلائل سے قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت۔
- دورِ جدید کے علمی، اخلاقی اور تمدنی رجحانات کے مطابق قرآن کریم کے پیش کردہ دستورِ حیات کی تفصیلات۔
- وحی کی حقیقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے نزول کی تفصیلات عقل و سائنس اور قرآن کی روشنی میں۔
- علماء کے لیے اصلاح و ہدایت کا سرچشمہ جو انھیں قبولِ اسلام کی دعوت بھی دیتا ہے

سائز: ۵½ × ۸½ ، ضخامت: ۴۸۸ صفحات۔

خوبصورت ڈسٹ کور

قیمت: مجلد ۷ روپے ۵۰ پیسے

امام مالکؒ

مصنف

محمد ابو زہرہ

ترجمہ و حواشی

عبید اللہ قدسی

- حضرت امام مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ فقیہ مدینۃ الرسول امام دار الہجرت اور بانیٔ فنِ حدیث ہیں، مگر آپ کے حالاتِ زندگی اور آپ کے دینی اور علمی کارناموں کے بارے میں اردو میں کوئی جامع اور مفصل کتاب نہیں لکھی گئی۔ محمد ابو زہرہ کی عربی تصنیف "امام مالکؒ" کا یہ اردو ترجمہ اس ضرورت کو کما حقہٗ پورا کرتا ہے۔ یہ کتاب قانونِ اسلام، تشکیلِ قانونِ اسلامی، نیز تدوینِ الٰہیہ کی تحقیق میں تاریخی حیثیت سے اعلیٰ ترین مقام رکھتی ہے۔

سائز: ۲۶×۲۰/۸ ، ضخامت: ۵۰۰ صفحات۔

بہترین ڈسٹ کور

قیمت: دس روپے مجلد

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجرانِ کتب کشمیری بازار لاہور۔ کراچی۔ پشاور۔ حیدرآباد